مقالاتِ مفکرِ ملت

دوم

افادات

مفکرِ ملت حضرت اقدس مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ
سابق رئیس دار العلوم فلاح دارین ترکیسر، سورت، گجرات

ترتیب، تخریج و تعلیق

اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی
خادم حدیث و افتاء دار العلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات

ناشر
شیخ عبد اللہ کاپودروی اکیڈمی

مقالاتِ مفکرِ ملت

(جلد دوم)

افادات

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نور اللہ مرقدہٗ

سابق رئیس دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر، گجرات

ترتیب، تعلیق وتخریج

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث وتفسیر ومعتمد تعلیم دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

ناشر

شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : مقالاتِ مفکرِ ملت (جلددوم)

افادات : مفکرملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ

ترتیب، تعلیق وتخریج : اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفااللہ عنہ

باہتمام : حضرت مولانا اسماعیل صاحب پٹیل مدظلہ

صفحات : ۴۲۸

ناشر : شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی

سنہ اشاعت : ۱۴۴۱ھ-۲۰۲۰ء

کمپوزنگ : محمدمہرعلی قاسمی (دھنباد، جھارکھنڈ) جامعہ اکل کوا

قیمت :

کتاب ملنے کے پتے

حضرت مولانا اسماعیل صاحب پٹیل، مسجد عائشہ، کاپودرا، تحصیل انکلیشور، ضلع بھروچ، گجرات 393001

موبائل: 9727073092

شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی، جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھروڈ، تحصیل انکلیشور، ضلع بھروچ، گجرات 394115

Hafez Ibrahim Patel

27 Tudor Rd., Eastham, London, E6 1DP (UK)

Tel. 00447973473392 / 07878266307

فہرست مضامین

باب پنجم: تاریخ

فہرست رجالِ حواشی

حرفِ آغاز

تذکرہ وتاریخ حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ کا پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ آپ کی مشہور کتاب "أضواء على تاريخ الحركة العلمية و المدارس الإسلامية و العربية في غجرات" کا اصل موضوع چوں کہ مدارسِ گجرات کی تاریخ تھا، اس لیے اِسی موضوع پر اِس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے؛ لیکن علما ومشائخِ گجرات کا تذکرہ بھی ضمناً ومختصراً کر دیا گیا ہے؛ مگر ''اَضوا'' کی تالیف کے دوران اکابرینِ گجرات کی تدوین کا خواب بھی آپ دیکھ چکے تھے؛ بل کہ ''تذکرۂ باکمالانِ گجرات'' کے نام سے کام بھی شروع فرما دیا تھا؛ لیکن سَتّر اَسّی بزرگوں کے تذکرے کے بعد آپ کے علم میں آیا کہ مؤرخِ گجرات حضرت مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ اِس کام کی کافی حد تک تکمیل فرما چکے ہیں، اِس لیے آپ نے یہ کام موقوف فرما دیا۔ بعد میں حضرت کی زندگی کے آخری دورانیے میں حضرت ہی ایما پر پھر یہ کام شروع کیا گیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ نزہۃ الخواطر میں حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے جن علمائے گجرات کا تذکرہ فرمایا ہے اُنھی کو شاملِ کتاب کیا جائے؛ چناں چہ الحمدللہ! بہ توفیقِ ایزدی اس کام کو کرنے کی توفیق راقم کے حصے میں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو مستقبل قریب میں یہ کام ''تذکرۂ باکمالانِ گجرات'' کے

نام سے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

البتہ وہ علما جن کا تذکرہ نزہۃ الخواطر میں نہیں ہے، اُن میں سے بعض کے تذکرے حضرت کے قلم سے لکھے ہوئے ملے، اِسی طرح وفیاتی مضامین جو ایک معتد بہ تعداد میں مختلف مواقع پر آپ نے تحریر فرمائے ہیں، اِن دونوں قسم کے مضامین کو اِس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ علامہ قطب الدین نہروالیؒ اور علامہ بنوریؒ کے تذکرے مفصل مقالات کی شکل میں لکھے گئے تھے؛ مگر چوں کہ وہ شخصیات سے متعلق ہیں اِس لیے اِسی جلد کی زینت ہیں۔ تاریخ کے باب میں دارالعلوم فلاحِ دارین کی خدماتِ تجوید وقراءت اور جامعہ حقانیہ کٹھور کی تاریخ خاصے کی چیز ہے، ترکیسر کے بارے میں ایک مضمون بھی شاملِ اشاعت ہے۔

جامعہ حقانیہ کٹھور کی تاسیس کے موقع پر جو استقبالیہ کلمات آپ نے گجراتی زبان میں تحریر فرمائے تھے، اُسے بھی اردو میں منتقل کر کے شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے۔ کاپودرا کی مختصر تاریخ آپ نے گجراتی میں قلم بند فرمائی ہے، ارادہ تھا کہ اُسے بھی کتاب میں شامل کر لیا جاتا لیکن اس میں ابھی غیر معمولی اضافے کی ضرورت ہے، نیز حضرت مفکرِ ملت نوراللہ مرقدہٗ کی سوانح بھی ترتیب کے مرحلے سے گزر رہی ہے جس میں تاخیر کے خوف سے اُسے فی الحال موقوف رکھا گیا ہے۔ ان شاءاللہ! اُسے مستقبل قریب میں علاحدہ طور پر شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

وَ للّٰہ الأمر من قبل وَ من بعد!

دعا ہے اللہ تعالیٰ اِس سعی کو بارآور فرمائے، اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول بخشے، دارین کی صلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے اور مزید خدماتِ دینیہ مقبولہ کے لیے احقر کو موفق فرمائے۔ آمین!

احقر اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی عفا اللہ عنہ
خادمِ حدیث وتفسیر ومعتمد تعلیم دار العلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور
۲۲/محرم الحرام ۱۴۴۲ھ-۱۱/ستمبر ۲۰۲۰ء (جمعہ)

بابِ چہارم

وفیات وتذکرے

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب وہ نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں
(غالبؔ)

امام اہلِ سنت احمد بن حنبلؒ اوران کی کتاب ''المسند''

گرچہ از نیکاں نیم خود را بہ نیکاں بستہ ایم
در ریاضِ آفرینش رشتۂ گلدستہ ایم(۱)

ولادت باسعادت:

امام احمد بن حنبلؒ کی ولادت باسعادت ایک خالص عربی خاندان میں ہوئی، اس خاندان کا تعلق قبیلۂ بنی شیبان سے ہے، آپ کی تاریخ ولادت ۲۰/ربیع الاول ۱۶۴ھ ہے، آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نزار سے مل جاتا ہے، آپ نجیب الطرفین ہیں، یعنی والد اور والدہ دونوں عربی النسل ہیں۔

اسم گرامی:

آپ کا اسم گرامی ابوعبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال الذہلی الشیبانی المروزی ثم البغدادی ہے۔ اموی اور عباسی سلطنت میں آپ کے خاندان کو بڑی فضیلت اور مرتبہ حاصل رہا ہے، آپ کے دادا خراسان کے بعض علاقوں کے والی اور حاکم تھے، اور والد محترم عباسی دور میں عربی لشکر کے قائد اعلیٰ کے رتبہ پر فائز تھے۔ اس

(۱) ترجمہ: اگرچہ ہم نیک نہیں ہیں، لیکن نیک لوگوں سے وابستہ ہیں۔ اُس کی پیدائش کے باغ میں گلدستے کا تاگا ہیں ہم

سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے اہلِ خاندان خراسان میں بودوباش رکھتے تھے، شیخ ابوزہرہؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی ولادت شہر بغداد میں ہوئی، اس لیے کہ ان کے والد فوج کی ملازمت ترک کرکے بغداد منتقل ہو چکے تھے؛ مگر حافظ ابویعلی الخلیلی فرماتے ہیں:

''إنه ولد بمرو ثم حمل إلى بغداد و هو رضيع''(۱) - امام احمدؒ کی ولادت بمقام 'مرو' ہوئی اور شیر خوارگی کے زمانہ میں ان کو بغداد لایا گیا۔

والدمحترم کی وفات:

بعض مؤرخین نے ذکر فرمایا ہے کہ آپ کی ولادت سے قبل ہی والدمکرم عین شباب میں صرف ۳۰/سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے، شیخ ابوزہرہؒ کے الفاظ(۲) ہیں:

''والغلام الصغير لم يكد يرى نور الوجود، حتى فقد أباه الشاب لم يكن قد تجاوز الثلاثين''.

اور یہ چھوٹا بچہ ابھی اپنے وجود کا نور بھی نہ دیکھ پایا تھا کہ اپنے نوجوان باپ -جس نے ابھی عمر کی ۳۰/منزلیں طے نہیں کی تھیں- کے وجود سے محروم ہوگیا۔

تعلیم وتربیت:

حکومت کی ملازمت ترک کرنے سے دنیوی شان وشوکت تو باقی نہیں رہی تھی؛ مگر آپ کی پرہیزگار والدہ نے اپنے لاڈلے فرزند کو دینی شان وشوکت کا مالک بنانے کا ارادہ کرلیا تھا، اور خود امام احمدؒ کا رجحان بچپن ہی سے علومِ دینیہ کی طرف تھا۔

---

(۱) الإرشاد للخليلي: ۲/۵۹۷

(۲) شیخ ابوزہرہؒ کے الفاظ کا خلاصہ ہے، نہ کہ بعینہٖ الفاظ۔

طلب علم کا غیر معمولی شوق:

امام احمدؒ کو بچپن میں علم کے حصول کا جو شوق تھا اس کا اندازہ امام احمدؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے۔فرماتے ہیں: ''کنت ربما أردت البكور في الحديث، فتأخذ أمي بثيابي، حتى يؤذن الناس أو يصبحوا''.(۱)

بسا اوقات میں حدیث شریف کے لیے صبح سویرے نکلنے کا قصد کرتا تھا؛ مگر میری والدہ میرے کپڑے تھام لیتی تھیں یہاں تک کہ لوگ اذان دیتے یا اجالا ہو جاتا۔

شہر بغداد مرکز علم:

یہ وہ زمانہ تھا کہ شہر بغداد کو معدن علم اور مرکز علما شمار کیا جاتا تھا، ہر علم وفن کے ماہرین اور اساتذہ بڑی تعداد میں موجود تھے، ان میں قرا، محدثین، فقہا، صوفیا، فلاسفہ، حکما، علمائے لغت اور بڑے بڑے شعرا موجود تھے، اور بغداد کے گلی کوچے علمی مجلسوں سے معمور تھے۔

حفظ قرآن کریم:

اس بابرکت علمی ماحول میں آپ نے حفظ قرآن مجید سے اپنی تعلیم کی ابتدا فرمائی، اس کے بعد فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، عباسی سلطنت کے قاضی القضاۃ، امام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ سے استفادہ فرمایا(۲) اور پھر حدیث

---

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۲۵

(۲) يقول الإمام أحمد: أول من كتبت الحديث عنه أبويوسف.

(ابن حنبل حياته وعصره: ص ۲۲، أحمد بن حنبل لعبد الحليم الجندي: ص ۵۱)

پاک کو سننے، اس کو یاد کرنے اور جمع کرنے کا شوق دامن گیر ہوا کہ فقہ کا منبع اور مصدر کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

علم حدیث شریف کی ابتدا:

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ نے ۱۷۹ھ میں علم حدیث کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائی جب کہ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی؛ مگر بعضوں نے اس وقت آپ کی عمر ۱۶/سال لکھی ہے(۱)، سب سے پہلے ان محدثینِ کرام سے حدیث شریف سننا شروع فرمایا جو بغداد میں موجود تھے۔

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ میں عبد الرحمٰن بن مہدی، ابوبکر بن عیاش، سفیان بن عیینہ اور یحییٰ القطان کے نام مشہور ہیں۔ ہشیم بن بشیر کی خدمت میں بھی چار سال گزارے ہیں، سوانح نگاروں نے آپ کے اساتذہ کی تعداد ۴۰۰ سے زائد لکھی ہے۔

علم کے لیے سفر:

بغداد میں جب علم حاصل کر چکے تو ان محدثینِ کرام کی خدمت میں حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کے لیے جو بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں میں مقیم تھے، آپ نے رختِ سفر باندھا؛ چناں چہ سب سے پہلے آپ نے ۱۸۶ھ میں بصرہ کا سفر فرمایا اور اگلے سال ۱۸۷ھ میں حجاز کا سفر فرمایا، حجازِ مقدس میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعیؒ سے ملاقات فرما کر علمی استفادہ کیا، طلبِ حدیث کے لیے صرف بصرہ کا پانچ

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ٢٤

بار سفر کیا، اس کے بعد کوفہ شہر کا رخ فرمایا، پھر مسلسل حجاز کے اسفار جاری رہے۔(۱)

حجاز کا پہلا سفر ۱۸۷ھ میں ہوا، اس کے بعد ۱۹۱ھ، ۱۹۶ھ، ۱۹۷ھ، اور ۱۹۸ھ میں سفر فرمایا، ان اسفار میں تحصیلِ حدیث کے ساتھ حج سے بھی مشرف ہوتے رہے، تین مرتبہ پیدل حج ادا کیا، جس میں ایک بار تو راستہ بھول جانے کے سبب کافی پریشانی اٹھانی پڑی؛ مگر پھر بھی ہمت میں ذرا بھی کمی نہیں آئی۔(۲)

یمن کا سفر:

مذکورۂ بالا مقامات میں علم حاصل کرنے کے بعد یمن کے مشہور محدث عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد فرمایا اوران سے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے یمن کا پُر مشقت سفر فرمایا، امام احمدؒ جب حجاز میں تھے اس وقت شیخ عبدالرزاق بن ہمام بھی حجاز تشریف لائے ہوئے تھے؛ مگر امام احمد نے ان سے وہاں حدیثیں سنانے کی درخواست کرنا مناسب نہ سمجھا۔

علم کا کمال احترام:

شیخ ابوزہرہؒ نے تحریر فرمایا ہے:

"و آثر أن يركب متن الصعاب للذهاب إليه في اليمن لاعتقاده أنه كلما عظمت المشقة في الطلب اشتد الحرص على ما أخذ، ولأنّ النية الحسنة يجب أن تنفذ، و لأن الطلب من الشيخ في وقت اطمئنانه و قراره خير من طلب علمه في سفره وتر حاله، ولذا سافر إليه في صنعاء..

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص۲۴ – ۲۶ (۲) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۲۶

امام احمدؒ نے (شیخ عبدالرزاق کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے) یمن کا دشوار گزار سفر اس لیے پسند فرمایا کہ ان کا یہ کامل یقین تھا کہ علم کی طلب میں جتنی مشقت ہوتی ہے حاصل شدہ چیز سے اسی مقدار میں لگاؤ ہوتا ہے اور اس لیے کہ انہوں نے پہلے ہی یمن کے سفر کی نیت کر رکھی تھی اس کو پورا کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی ایک خیال تھا کہ شیخ سے سفر کی رواروی کی حالت میں احادیث سننے کے بجائے ان کے وطن میں اطمینان وسکون کی حالت میں حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے، اس لیے صنعا کا سفر فرمایا۔

اللہ اللہ! کیسی پاکیزہ نیت اور علم کی کیسی قدر ان اکابر کے دل میں تھی، آج علم کے لیے تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنا طلبہ کے لیے مشکل معلوم ہوتا ہے، اسی لیے علم میں آج وہ برکت نہیں جو ان علمائے متقدمین کے علم میں تھی۔

اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اتباعھُم. آمین!

راہ کی مشقت اور امام احمدؒ کی استقامت:

امام احمدؒ کو یمن کے اس سفر میں بہت کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا، زادِ راہ ختم ہو گیا، رفقائے سفر نے امداد کرنی چاہی؛ مگر امام کی غیرت نے اس کو قبول نہیں فرمایا؛ چناں چہ جمالین (شتر بانوں) کی خدمت کر کے تھوڑی مزدوری پر گزر بسر فرمانے لگے(۱)۔ کبھی کبھی سوت کات کر فروخت فرماتے، قافلہ میں بعض اہلِ ثروت بھی تھے انہوں نے بھی تعاون کرنا چاہا؛ مگر امام احمدؒ کو علم کی راہ میں کسی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں ہوا ''لأنہ لا یریدأن یکون لأحد علیه فضل إلا فضل العلم والتقی''

---

(۱) ابن حنبل حیاته و عصره: ص ۲۸

(مجھے جینا ہی نہیں بندۂ احساں ہوکر) کسی شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے ؎

بے کوشش و بے جہد ثمر کس کو ملا ہے؟	بے غوطہ زنی گنجِ گہر کس کو ملا ہے؟
بےخاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے؟	بے جور کشی تاجِ ظفر کس کو ملا ہے؟
جو رتبۂ بالا کے سزاوار ہوئے ہیں	وہ پہلے مصیبت کے طلب گار ہوئے ہیں

مع المحبرة إلى المقبرة:

امام احمدؒ طلب حدیث کے لیے اسلامی دنیا کے مختلف شہروں میں اپنی پشت پر کتابوں کی گٹھریاں لادے پھرتے رہے، ایک مرتبہ کسی بے تکلف شناسا سے راستہ میں ملاقات ہوگئی تو اس نے دریافت کیا: ''مــرة إلى الكوفة، ومرة إلى البصرة، إلــى متــى؟'' (کبھی کوفہ اور کبھی بصرہ کا یہ چکر کب تک کاٹتے رہو گے؟) آپ نے جواب میں تاریخی جملہ فرمایا جو ہر طالب علم کو لوح قلب پر نقش کر لینا چاہیے، ''فـقـال أحـمـد: مع المحبرة إلى المقبرة'' (۱) (قلم دان کا ساتھ قبرستان تک ہے) امام موصوفؒ کا بس یہی مشغلہ تھا کہ گھوم پھر کر شیوخ سے احادیث سنتے اور انہیں سینہ میں محفوظ کرنے کے ساتھ صحیفہ میں بھی لکھ کر محفوظ کر دیتے۔

یہ دورِ تدوین تھا:

یہ دور وہ دور تھا جس میں مختلف علوم کی تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا، فقہ اسی دور میں مدون ہوا، عربی نثر، لغت اور اشعار عرب کو جمع کرنے اور مدون کرنے کا کام

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۲۹

اسی زمانہ میں ہوا، امام احمدؒ نے حدیث پاک کو مدوّن کرنے کا ارادہ فرما کر اس عظیم کام کا بیڑہ اٹھایا۔

کمالِ احتیاط:

روایت حدیث شریف میں کمال احتیاط سے کام لیتے تھے۔ باوجود حدیث کے یاد ہونے اور ذہن میں محفوظ ہونے کے جب بھی کوئی شخص سماعِ حدیث کے لیے حاضر ہوتا، اپنے تحریر کردہ اوراق کو طلب فرما کر اس کو سناتے، یہ آپ کا کمالِ احتیاط و تثبت تھا۔ اہلِ مرو میں سے کچھ لوگ علم حدیث کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے اپنے فرزند عبداللہ سے فرمایا کہ ''کتاب الفوائد'' تلاش کرو؛ مگر ان کو یہ کتاب نہیں ملی تو امام صاحب خود کھڑے ہوئے اور اسے تلاش فرما کر حدیث شریف سنائی۔(۱)

علمِ فقہ سے تعلق:

علم حدیث شریف سے اس قدر شغف کے باوجود علم فقہ سے بھی ان کو برابر تعلق رہا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، آثار صحابہؓ اور تابعین کے فتاویٰ کا بہت بڑا ذخیرہ جمع فرمایا تھا اور اسی مجموعہ سے فقہ کی تدوین اور مسائل کے استخراج میں کام لیتے تھے۔

آپ کو امام شافعیؒ سے شرف تلمذ حاصل تھا، ان کے مرتب کردہ اصول کو نہ صرف یہ کہ پیش نظر رکھتے بل کہ اس میں اضافہ بھی فرماتے تھے، تاہم امام احمدؒ پر حدیث شریف ہی کا رنگ غالب تھا، اسی لیے ابن جریر طبریؒ نے تحریر فرمایا کہ:

---

(۱) ابن حنبل حیاته و عصره: ص ۳۰

''إنه کان محدثًا و لم یکن فقیهًا'' امام احمدؒ محدث تھے فقیہ نہیں تھے۔

ابن قتیبہؒ نے بھی ان کو صرف محدثین کے زمرہ میں شمار کیا ہے، دراصل امام احمدؒ کا فقہ؛ احادیث وآثار اور اقوال صحابہؓ سے قریب ہے، حتیٰ کہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال میں بھی کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابۂ کرامؓ سے دو یا تین رائیں منقول ہوتیں تو ان کے مذہب میں سب کی گنجائش ہوتی الا یہ کہ تائید رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہو جاتی تو پھر اس کے مطابق مسئلہ ہوتا۔

شیخ ابوزہرہؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حتی إنه کان لا یرجح بعضها علی بعض، فإذا روي رأیان لاثنین من الصحابة أو الثلاثة اعتبر آرائهم جمیعًا أُوجُهًا في مذهبه، أو آراء فیه، إلا إذا أید أحد الآراء بحدیث النبيّ صلی اللّٰه علیه و سلم أو عمل له فإنه یختار دون سواه، لأن رأي الصحابي مهمًا یکن مقامه مؤخرًا عن قول النبي صلی اللّٰه علیه وسلم''.

چالیس سال کی عمر میں تدریس کی ابتدا:

تذکرہ نویسوں نے آپ کی تدریس کی ابتدا کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''جلس أحمدبن حنبل (رحمه اللّٰه) للتدریس و الفتیا وقد بلغ الأربعین، وکان إقبال الناس علی مجالسه عظیما''.(۱)

(۱) ابن حنبل حیاته و عصره: ص ۳۸

امام احمدؒ تدریس اور فتاویٰ کی مسند پر چالیس سال کی عمر میں تشریف فرما ہوئے اور آپ کی علمی مجلس کی طرف لوگوں کا رجوع بہت زیادہ تھا۔

آپ کی مجلس کی امتیازی شان:

تذکرہ نویسوں نے مزید لکھا ہے:

”وكانت مجالسه تمتاز بالوقار والسكينة وحسن الإنصات و إجلال العلم، وكانت بعيدة عن كل ما يذهب جلال العلم وروعة الدين، وكان للفقراء تقديم على الأغنياء“.(۱)

امام احمدؒ کی مجلس علم، وقار، سکون، خاموشی سے درس کی سماعت اور علم کی عظمت میں امتیاز رکھتی تھی، یہ مجلس ہر ایسے کام سے جس سے علم کا وقار مجروح ہو، دین کی عظمت گھٹ جائے کوسوں دور تھی، فقرا کو مال داروں سے آگے رکھا جاتا تھا۔

اور علامہ مروزیؒ فرماتے ہیں:

”لم أر الفقير في مجلس أعز في مجلس أبي عبدالله، وكان مائلا إليهم، مقصرا عن أهل الدنيا، وكان فيه حلم ولم يكن بالعجول، وكان كثير التواضع“.(۲)

ابوعبداللہ کی مجلس سے بڑھ کر کسی جگہ بھی فقیر کو زیادہ معزز نہیں دیکھا گیا، اہلِ دنیا سے صرف نظر فرماتے تھے، آپ میں بردباری تھی، جلد بازی نہیں فرماتے تھے اور آپ بہت منکسر المزاج اور متواضع تھے۔

---

(۱) ابن حنبل حياته و عصره:ص ۴۰ (۲) ابن حنبل حياته و عصره:ص ۴۱

بعض لوگ صرف ادب وتہذیب سیکھنے مجلس میں آتے تھے:

شیخ ابوبکر یعقوب بن یوسف المطوعی فرماتے ہیں:

"جلست إلى أبي عبد الله أحمد بن حنبل (رحمه الله) ثلاث عشر سنة، وهو يقرأ المسند على أولاده، ما كتبت عنه حرفًا واحدًا، و إنما أكتب آدابه و أخلاقه و أتحفظها."(۱)

میں ابوعبداللہ امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں ۱۳/سال تک حاضر ہوتا رہا، آپ اپنے صاحب زادہ کو مسند سناتے تھے؛ مگر میں نے اس مدت میں ایک حرف بھی نہیں لکھا، میں تو صرف آپ کا ادب واخلاق لکھتا تھا اور اسی کو محفوظ کرتا تھا۔

غیر معمولی حافظہ:

اللہ تعالیٰ نے امام احمدؒ کو غیر معمولی قوتِ حافظہ سے نوازا تھا، لاکھوں حدیثیں مختلف سندوں اور متن کے ساتھ یاد تھیں۔ ڈاکٹر محمد رجب البیومی نقل فرماتے ہیں:

"حدث الإمام أحمد عن نفسه، قال: كنت أذاكر وكيعًا فربما ذكر تسعة أحاديث أو عشرة فأحفظها، فإذا دخل قال أصحاب الحديث: أمل علينا فأمليها عليهم فيكتبونها."(۲)

امام احمدؒ خود بیان فرماتے ہیں کہ ہم امام وکیع کے ساتھ مذاکرہ کرتے تھے، بسا اوقات آپ نو یا دس حدیثیں سناتے تھے تو میں سن کر یاد کر لیتا تھا، پھر جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو جاتے تھے تو طلبائے حدیث مجھ سے فرماتے تھے کہ ان حدیثوں کو

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۳۹ (۲) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۹۱

لکھا دو، پس میں ان کو املا کرا دیتا اور وہ سب لکھ لیتے تھے۔

اور شیخ ابوزہرہ فرماتے ہیں:

"قد أوتي حافظة واعية و بديهة حاضرة".

آپ کو محفوظ کرنے والا حافظہ اور بدیہہ گوئی کی صفت ملی تھی۔

امام احمدؒ فارسی زبان سے واقف تھے:

مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کا خاندان مرو سے بغداد منتقل ہوا تھا، آپ کے خاندان کا خراسان کے علاقہ میں طویل قیام رہا ہے، چچا جان کی ملازمت بھی وہاں عباسی سلطنت کے کاتب کے عہدہ پر تھی، اس لیے اس خاندان میں فارسی زبان سے واقفیت اچھی خاصی حد تک تھی، اور اسی خاندانی بول چال کے ذریعہ امام احمدؒ بھی فارسی زبان سے واقف ہو گئے تھے۔ امام ذہبیؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

"إنه قدم عليه من خراسان ابن خالته، فكان أحمد يسأله عن خراسان و أهلها، و ربما استعجم القول على الضيف فيكلمه أحمد بالفارسية ..."(۱)

امام احمدؒ کے یہاں خراسان سے ان کے خالہ زاد بھائی تشریف لائے، تو امام صاحبؒ ان سے خراسان اور وہاں کے باشندگان کے بارے میں دریافت فرماتے تھے اور کبھی مہمان کو سوال سمجھنے میں دشواری ہوتی تو امام احمدؒ ان سے فارسی میں گفتگو فرماتے تھے۔

---

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ٣٤

مسئلۂ خلقِ قرآن اور امام احمدؒ کی شدید آزمائش واستقامت:

مامون کے دور میں معتزلہ نے قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا مسئلہ شدومد کے ساتھ اٹھایا، دورجدید کے مصنّفین نے اس مسئلہ میں معتزلہ کی تائیداور دفاع میں بہت کچھ لکھا ہے، خاص طور پر احمد امین اور ڈاکٹر محمد رجب البیومی ان کے قدردان معلوم ہورہے ہیں؛ مگر جمہور اہل سنت والجماعت اسی مسلک کو صحیح سمجھتے ہیں جس کو امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ خلیفہ مامون چوں کہ اس رائے سے متأثر تھا، اس لیے اس نے شاہی رعب داب سے کام لے کر اس مسئلہ میں سب کو قائل کرنے کی کوشش کی۔ مامون کا وزیر احمد بن داؤد سخت مزاج آدمی تھا، اس نے علما، فقہا اور محدثین کو مجبور کرنا شروع کردیا۔ قاضیوں کو ان کے منصب قضا اور فقہا کو افتا اور محدثین کو درس حدیث سے اس وقت تک روک دیا گیا جب تک کہ یہ لوگ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا اقرار نہ کرلیں؛ بل کہ قاضی کی عدالت میں گواہوں کی گواہی بھی اس وقت تک قبول نہیں ہوسکتی تھی جب تک وہ اس عقیدہ کا اظہار نہ کریں۔

اگر بات اسی حد تک رک جاتی تو بھی کوئی بڑی بات نہ تھی کہ علما اور فقہا اپنے مناصب ترک کر کے گوشۂ عزلت میں بیٹھ جاتے اور خوشی سے خانہ نشینی اختیار فرما لیتے؛ مگر اس وزیر نے تو ہر ذی علم وبااثر عالم کو دربار میں حاضر کر کے ان کو مرعوب کرنا اور دھمکانا شروع کردیا۔

علما کا وہ خداترس گروہ جو اس مسئلہ میں سلف صالحین کی طرح کلام کو پسند نہیں کرتا تھا، وزیر کی رائے کو کسی صورت میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا؛ مگر اس

ہٹ دھرم وزیر نے جب سخت سزا کی دھمکیاں شروع کر دیں تو ان میں سے بعضوں نے تاویل کی راہ اختیار کر کے اپنے کو سزا سے بچا لیا؛ مگر امام احمدؒ اور ان کے دو رفقا اپنے موقف پر جمے رہے اور بار بار یہی فرماتے رہے کہ قرآن پاک اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دلیل پیش کرو تو ہم اس کو قبول کریں؛ چناں چہ ان تینوں کو زنجیروں سے باندھ کر ۲۱۸ھ میں بغداد سے طرطوس لے جانے لگا، کہ مامون کا قیام اس وقت طرطوس میں تھا۔ راستہ میں ایک رفیق نرم پڑ گئے تو ان کی بیڑیاں کھول دی گئیں اور دوسرے رفیق راستہ ہی میں شہید ہو گئے، اب صرف امام احمدؒ باقی رہ گئے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے ساتھ تھی؛ مگر قربان جائیں امام صاحبؒ کی استقامت پر کہ وہ پہاڑ کی طرح اپنے موقف پر ڈٹے رہے، شدید اذیتیں برداشت کرنا گوارا فرمایا؛ مگر سلفِ صالحین اور اہلِ حق کے مسلک سے سرِ مو تجاوز پسند نہیں فرمایا۔

امام احمدؒ ابھی راستہ میں تھے اور مامون کا انتقال ہو گیا؛ مگر اس نے اپنے بھائی معتصم کو وصیت کی تھی کہ وہ اس مسئلہ میں اس کے مسلک پر قائم رہے اور اس کو پھیلائے اور جو انکار کرے اس کو سخت سزا دے۔ معتصم فوجی آدمی تھا، اس لیے اس کے مزاج میں مامون سے زیادہ شدت تھی؛ چناں چہ اس نے سخت رویہ اپنایا۔ امام احمدؒ کو تاریک کوٹھری میں بند کر دیا گیا، ہر روز جلّاد باری باری امام احمدؒ پر کوڑے برساتے تھے، بے ہوش ہونے تک سزا کا یہ سلسلہ جاری رہتا، آپ کے جسم میں کبھی تلوار کی نوک چبھوئی جاتی تھی، جب حرکت نہ ہوتی تو چھوڑ دیتے، اس دل گداز سزاؤں کا سلسلہ تقریباً ۲۸/ماہ جاری رہا، جب ان کو مایوسی ہو گئی تو امام صاحبؒ کو رہا کر دیا گیا۔

ڈاکٹر محمد رجب البیومی کا خیال ہے کہ معتصم کے بعد واثق کے ہاتھ میں زمام اقتدار آئی تو وہ خود اس مسئلہ میں مذبذب ہوگیا اور اس نے ان ظالمانہ سزاؤں کو موقوف کرنے کا حکم دیا؛ مگر وہ کبھی سختی کرتا اور کبھی نرمی کرتا، یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی اور حکومت متوکل کے ہاتھ میں آئی تو یہ سلسلہ بالکلیہ بند ہوگیا۔

امام احمدؒ جب واپس اپنے گھر تشریف لائے تو پورا بدن زخموں سے چھلنی ہو چکا تھا اور چلنے پھرنے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی، عرصہ تک درس وتدریس کا سلسلہ موقوف رہا، پھر جب افاقہ ہوا، زخم بھرنے لگے تو مسجد میں دوبارہ حاضری شروع فرمائی اور درس کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔

اس بے مثال استقامت اور کلمۂ حق کے لیے اتنی عظیم آزمائش سے گزرنے کے سبب امام احمدؒ کی مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوگیا ؂

آں حجتِ خدا کہ بہر جا قدم نہاد
باطل بصد خجالت وذلت ازاں شتافت
مردانِ راہ گردِ ازاں جا نیافتند
آنجا کہ اسپِ فضل وکمالش دوید وتاخت(۱)

اب دور دور سے لوگ خدمت میں حاضر ہونے لگے اور حدیثوں کو سننے اور اس کو لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ امام احمدؒ کی اس مقبولیت اور رجوع عام کو اربابِ حکومت

(۱) ترجمہ: وہ خدا کی حجت کہ جس جگہ پر اُس نے قدم رکھا، باطل سیکڑوں شرمندگی اور ذلت کے ساتھ وہاں سے فرار ہوا۔ اللہ والوں نے اُس جگہ کا غبار تک نہیں پایا ہے، جہاں اُن کے فضل کا گھوڑا دوڑا ہے۔

کب برداشت کر سکتے تھے، پھر واثق کو بہکایا گیا اور گرفتاری کا سلسلہ شروع ہوا؛ مگر اس بار طریقۂ کار بدل دیا گیا، عوامی ناراضگی کا خوف تھا، اس لیے حکم صادر ہوا۔

"لا تجمعن إليك أحدًا ولا تساكن في بلد أنا فيه". (۱)

ترجمہ: اپنے پاس کسی ایک شخص کو بھی جمع نہ کرو اور میں جس شہر میں رہتا ہوں تم قیام نہ کرو۔

اس ''قید تنہائی'' اور فکری جیل میں متوکل کے آنے تک امام صاحبؒ کو رہنا پڑا، متوکل نے بہت اکرام واعزاز کے ساتھ امام احمدؒ کو ان تمام پابندیوں سے آزاد کر دیا، خود متوکل شروع سے معتزلہ کی آرا سے ناراض تھا۔

کمالِ استغنا:

امام احمدؒ کی آمدنی بہت محدود تھی، اپنے والد کے تھوڑے سے ترکہ سے اپنا اور اہل وعیال کا خرچ نکالتے تھے، معمولی درجہ کے کپڑے اور غلہ سے گزر بسر فرماتے (۲)۔ خلیفہ متوکل آپ کا بے حد معتقد تھا، اس نے کئی بار بڑے بڑے عطایا' ہدایا کی پیش کش کی؛ مگر امام صاحب رحمہ اللہ شکریہ کے ساتھ واپس فرماتے رہے۔ (۳)

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں؟ جواباً فرمایا کہ:

"فقال: ليس بحرام ولكني أتركه تنزهًا، فكان رحمه الله نَزِهَ النفس لايأخذ من أحدٍ مالاً، لاقرضًا و لاهبةً". (۴)

---

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۷۲ (۲) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۷۷

(۳) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۸۵ (٤) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۸٦

میں اس کو حرام تو نہیں سمجھتا؛ مگر میں اپنا دامن بچانا چاہتا ہوں، بے شک آپ پاک نفس تھے، کسی سے کچھ نہیں لیتے، نہ تو قرضاً نہ ہدیتاً۔

امام صاحبؒ کو گم نامی پسند تھی:

علم وعمل کے اس عظیم مرتبہ پر ہونے اور عوام وخواص میں زبردست مقبولیت کے باوجود ہمیشہ دنیا سے بے رغبتی کا اظہار فرماتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ:

كان يتمنى أن يعيش في شعب مكة لا يحس به أحد.(۱)

تمنا کرتے تھے کہ مکہ مکرمہ کی کسی گھاٹی میں بس جائیں، جہاں ان کے بارے میں کسی کو خبر نہ ہو۔

امام احمدؒ اکابر علما کی نظر میں:

امت کے اکابر علما ومشائخ امام احمدؒ کو وقیع الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کر چکے ہیں۔ مندرجۂ ذیل اقوال سے اکابر کی نظر میں امام احمدؒ کا کیا مرتبہ تھا، اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

(الف) شیخ ابراہیم الحربی فرماتے ہیں:

"رأيت أبا عبد الله، كأن الله جمع له علم الأولين والآخرين".(۲)

میں نے ابوعبداللہ کو دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے اولین وآخرین کا علم ان کی ذات میں جمع فرما دیا ہے۔

---

(۱) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۱۰۱

(۲) تاريخ الإسلام للذهبي: ۶۸/۱۸، سير أعلام النبلاء: ۵۰۱/۱۰

(ب) حرملہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''خرجت من بغداد، فما خلفت بها رجلًا أفضل، ولا أعلم، ولا أفقه، ولا أتقى من أحمد بن حنبل''.(۱)

میں بغداد سے نکلا تو میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ افضل، زیادہ عمل والا، زیادہ فقیہ اور متقی کسی اور شخص کو نہیں چھوڑا۔

(ج) امام قتیبہؒ فرماتے ہیں:

''لولا الثوري لمات الورع، ولولا أحمد لأحدثوا في الدين، أحمد إمام الدنيا''.(۲)

اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو ورع فنا ہو جاتا، اور اگر احمد بن حنبلؒ نہ ہوتے تو لوگ دین میں بہت سی نئی باتیں گھڑ لیتے۔ احمد امام الدنیا ہیں۔

امام قتیبہ یہ بھی فرماتے تھے کہ:

''إذا رأيتَ رجلًا يحب أحمد فاعلم أنّه صاحب سنة''.(۳)

تم جب کسی شخص کو دیکھو کہ وہ امام احمدؒ سے محبت رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ شخص سنت کا دل دادہ ہے۔

(د) ہلال بن العلاء الرقی فرماتے ہیں:

''مَنّ اللّٰه على هذه الأمة بأربعة: (۱) بالشافعي تفقه بحديث

---

(۱) تاریخ الإسلام للذهبي:۱۸/ ۷۱، سير أعلام النبلاء:۱۱/ ۱۹۵

(۲) تاریخ الإسلام للذهبي:۱۸/ ۷۰، تاريخ بغداد: ٤/ ٤١٧، سير أعلام النبلاء:۱۱/ ۱۹۵

(۳) تاریخ الإسلام:۱۸/ ۷۰، ترجمة الأيمة الأربعة:۲۱۹

رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (٢) و بأحمد ثبت في المحنة لولا ذالك كفر الناس. (٣) وبيحيىٰ بن معين نفى الكذب عن الحديث. (٤) وبأبي عبيد فسّر الغريب من الحديث.''

اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کے ذریعہ اس امت پر احسان فرمایا ہے:

(۱) امام شافعیؒ جنہوں نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فقہ کا استنباط کیا۔

(۲) امام احمد جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجا آوری فرماتے ہوئے آزمائش میں ثابت قدم رہے۔(۱)

(۳) یحییٰ بن معین جنہوں نے احادیث کو پرکھ کر صحیح اور سقیم کو الگ کر دیا۔

(۴) ابوعبید جنہوں نے احادیث کے مشکل الفاظ کی شرح کی۔

(ہ) امام ابن المدینیؒ فرماتے ہیں:

''إن اللّٰه أيّد هذا الدين بأبي بكر الصديق رضي اللّٰه عنه يوم الردة، و بأحمد بن حنبل رحمه اللّٰه تعالىٰ يوم المحنة''.(٢)

اللہ تعالیٰ نے ایام ردت میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اور (مسئلۂ خلق قرآن) کی آزمائش کے دنوں میں احمد بن حنبل کے واسطہ سے اس دین کی نصرت فرمائی۔

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٤٩٩/١٠

(٢) ترجمة الأيمة الأربعة للمازني: ١٩٨

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

''انتهت إليه الإمامة في الفقه والحديث و الإخلاص والورع، وأجمعوا مع أنه ثقة حجة إمام''.

فقہ، حدیث، اخلاص، تقویٰ، پرہیز گاری میں (امام احمد) پر امامت ختم ہو گئی۔ علما کا اتفاق ہے کہ آپ ثقہ، حجت اور (فن حدیث) کے امام ہیں۔

وفات:

علمِ حدیث وفقہ کا یہ آفتاب، عزیمت کا پہاڑ، زہدوتقویٰ کا عدیم المثال نمونہ مؤرخہ ۱۰/ربیع الاول ۲۴۱ھ (۱) جمعہ کے دن اس فانی دنیا کو خیر باد کہہ کر اپنے مالک حقیقی کے دربار میں پہنچ گیا۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

جنازہ:

ڈاکٹر محمد رجب البیومی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ میں لوگوں کی کثرت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''أما جنازة الرجل فحدث عنه ولا عجب.. فقد سار الطوفان اللجب يتدافع ويتراكب حتى غمر الأرض وغص بالفضاء .. وقد فتحت أبواب جميع المنازل ليتوضأ من يشاء فيصلي على أحمد، و ظل الناس في تدافعهم وتزاحمهم لاينقطعون حتى قال أبو الحسن اليميني: لقد

(۱) ذكر الذهبي في السير: ۱۱/۳۳۷، عن ابنه عبد الله، و مطين أنه مات لاثنتي عشرة خلت من ربيع الأول يوم الجمعة، و هكذا في ترجمة الأيمة الأربعة: ۱/۲۷۳

مکثت أیامًا رجاء أن أصل إلی القبر فلم أتمکن للزحام إلابعد أسبوع".

انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا طوفان، دھکے دیتا ہوا امنڈ پڑا، یہاں تک کہ بغداد کی زمین وفضا آدمیوں سے بھر گئی۔ تمام مکانوں کے دروازے کھول دیے گئے تاکہ جو شخص جہاں چاہے وضو کر سکے اور صلاۃ جنازہ ادا کر سکے۔ ابوالحسن یمینی فرماتے ہیں امام احمدؒ کی قبر پر جانے کے لیے کئی روز انتظار کرتا رہا؛ مگر بھیڑ کی کثرت کے سبب ایک ہفتہ کے بعد ہی اس کا موقع مل سکا۔

سرزمینِ بغداد نوحہ کر رہی تھی اور پکار رہی تھی:

خزان آمد و گلستاں بآں جمال نہ ماند
سماع بلبل شوریدہ رفت وحال نماند
نشانِ لالہ این باغ از کہ می پرسی
بِرو کہ آنچہ تو دیدی بجز خیال نماند(۱)

رحمه اللّٰه رحمةً واسعةً، و تغمده اللّٰه تعالٰی بغفرانه ورحمته وإحسانه ..... آمین!

اب اگلے صفحات میں ان کی معرۃ الآراء کتاب المسند کے بارے میں کچھ باتیں ملاحظہ فرمائیں۔ وباللہ التوفیق!

---

(۱) ترجمہ: موسمِ خزاں آیا اور باغ میں وہ جمال نہیں رہا، چہچہانے والی بلبل کی چہچہاہٹ ختم ہوگئی اور وہ کیف نہ رہا۔ اس باغ کے پھول کا نشاں جس کے بارے میں تو پوچھتا ہے، یہ ہے کہ جو کچھ تو نے دیکھا خیال کے سوا کچھ نہیں رہا۔

مسند امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

''المسند'' امام اہل السنۃ احمد بن حنبلؒ کی شاہ کار تصنیف ہے، جس کو بجا طور پر احادیثِ شریفہ کا خزانہ اور دائرۃ المعارف کہا جاتا ہے۔

حافظ ابو موسیٰ المدینی (۵۸۹ھ) فرماتے ہیں:

"هذا الكتاب أصل كبير و مرجع وثيق لأصحاب الحديث، انتقى من أحاديث كثيرة و مسموعات وافرة، فجعله إمامًا معتمدًا و عند التنازع ملجأ و مستندًا."(۱)

یہ کتاب اصحاب حدیث کے لیے بہت بڑی بنیاد اور قابل اعتماد مرجع ہے، جس کو بہت سی احادیث اور بہت بڑی تعداد میں سنی ہوئی احادیث سے منتخب کیا گیا ہے، اس کو رہ نما اور قابلِ اعتماد کتاب بنایا ہے، یہ کتاب اختلاف کے وقت ملجأ اور قابلِ سند ہے۔

امام صاحبؒ نے اس کتاب کو جمع کرنے کے لیے کئی ملکوں کے سفر کیے اور بے مثال محنت اور غیر معمولی مجاہدات کر کے اس قابل قدر ذخیرہ کو جمع فرمایا ہے۔

حضرت عطا کا بیان ہے کہ امام احمدؒ نے ۱۸۰ھ سے تدوین حدیث شریف کے کام کی ابتدا کر دی تھی، جب کہ آپ کی عمر ۱۶/سال تھی، اور یہ بات خود امام احمدؒ

(۱) طبقات الشافعية الكبرى: ۳۱/۲، مسند أحمد للحافظ أبي موسى المديني، ط. أحمد شاكر: ص ۲٤

سے بھی منقول ہے: فقد جاء في كتابه المنهج ما نصه: كان ابتدائه فيه سنة ثمانين ومائة (۱۸۰ھ).(۱)

امام صاحب حدیث شریف کے علاوہ دیگر علومِ اسلامیہ کو ضبط کرنا پسند کرنا نہیں فرماتے تھے؛ تاکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی لوگوں کے لیے اصل مرجع باقی رہیں، حتی کہ امام صاحبؒ نے فقہ کی بھی کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ایک بار فرزندِ ارجمند عبداللہ نے سوال کیا کہ: لِم كرهتَ وضعَ الكتب و قد عملت المسند؟ تو آپ نے جواباً فرمایا کہ: عملتُ هذا الكتاب إماما إذا اختلف الناس في سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم رجعوا إليه....(۲)

آپ نے صرف ایک ہی مقصد طے کرلیا تھا کہ جتنے ثقات سے ملاقات ہو ان سے حدیثیں سن کر جمع کرلی جائیں، جو محدثین شہر اور قریب کے تھے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر اور جو دوسرے علاقوں میں تھے وہاں تک سفر کر کے حاصل فرماتے تھے، اور چاہے پھر اس سفر میں کتنی ہی تکلیف برداشت کرنی پڑے۔

محمد رجب البیومی کے بلیغ الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"والرحلة في عهد أحمد عناء لازب وجهد مرهق، فلا طريق معبّد و لا نفقة تهيء الدابة الذلول، بل اعتساف في الوعر والسهل، وخبط في الصخر والقفر، وصبر على الفاقة والحرمان، مع ترفع كريم

(۱) طبقات الحنابلة: ص۲۱، ط. دار الكتب، ابن حنبل حياته و عصره: ص۱۸۳

(۲) ابن حنبل حياته و عصره: ص ۱۸۳، طبقات الحنابلة: ۱/۱۸۲

عن العطاء و تأب شريف على الهوان والاستجداء." (۱)

سفر امام احمدؒ کے زمانے میں پُر مشقت اور تکلیف دہ تھا، نہ تو راہیں ہموار تھیں نہ مصارف کا انتظام تھا کہ تابع دار سواری مہیا کر لی جاتی بل کہ سخت اور نرم زمین میں بھٹک جانے کا اندیشہ تھا اور پہاڑی اور چٹیل زمین میں اندھا دھند چلنے کا نام تھا، فاقہ اور محرومی پر صبر کرنا پڑتا تھا، امام احمدؒ کی طبیعت میں ہدایا سے شریفانہ انکار بھی تھا اور رسوائی اور مانگنے سے مزاج میں تنفر تھا۔

امام احمدؒ اس طرح احادیث کو مختلف اوراق اور اجزا میں جمع فرماتے رہے، جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہونے لگا تو آپ نے اپنے صاحب زادوں اور گھر والوں کو جمع کر کے اس مجموعہ کو املا کرایا؛ تا کہ یہ مجموعہ ضائع نہ ہو جائے؛ مگر امام صاحب اس کی ترتیب اور تہذیب نہ کر سکے۔

علامہ شمس الدین الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إن الإمام أحمد شرع في جمع هذا المسند، فكتبه في أوراق مفردة و فرقه في أجزاء منفردة، على نحو ما تكون المسودة، ثم جاء حلول المنية قبل حصول الأمنية فبادر بإسماعه لأولاده و أهل بيته، ومات قبل تنقيحه و تهذيبه، فبقي على حاله، ثم إن ابنه عبد الله ألحق به ما يشاكله، وضم إليه من مسموعاته ما يشابهه و يماثله." (۲)

---

(۱) ابن حنبل: ص ۲۵

(۲) المصعد الأحمد للجزري، مقدمة المسند بتحقيق أحمد شاكر: ۱/۳۵

امام احمدؒ نے مسند جمع کرنا شروع کیا تو اس کو مختلف اوراق میں لکھا اور اس کو متفرق اجزا میں متفرق بانٹا جیسے مسودہ تیار کیا جاتا ہے، پھر جب قرب اجل کا احساس ہوا تو جلدی سے کتاب اپنی اولاد اور گھر والوں کو سنادی اور اس کی تنقیح وتہذیب سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی اور کتاب بحالہ رہ گئی۔ پھر آپ کے صاحب زادے عبداللہ نے مسند میں وہ حدیثیں ملائیں جو مسند کے مشابہ تھیں اور اپنی مسموعات میں سے جو مسند کے مشابہ اور مماثل (یعنی علی شرط المسند) تھیں ان کو کتاب میں شامل کیا۔

علامہ جزریؒ کی اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فرزندوں اور گھر والوں کے علاوہ اور لوگوں نے امام سے ان احادیث کو نہیں سنا، جب کہ تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ لوگ امام صاحب کی خدمت میں آتے تھے اور آپ ان کو کتاب نکال کر سنایا کرتے تھے؛ مگر اصل بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ درس میں آپ مجموعہ کے مختلف اجزا سناتے تھے؛ مگر قرب وفات پر اپنے شاگرد خصوصی اور صاحب زادوں کو مکمل سنا کر املا کرادیا۔

علامہ جزریؒ کی مذکورہ عبارت سے ایک دوسری بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ مسند کے موجودہ نسخہ میں اس وقت جو روایتیں ہیں وہ سب امام احمدؒ کی سنائی ہوئی نہیں ہیں؛ بل کہ ان کے فاضل وثقہ فرزند عبداللہ بن احمد نے اپنی مسموعات کو بھی اس میں شامل فرمادیا ہے؛ البتہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ مسموعات امام احمدؒ کے علاوہ دوسرے شیوخ کی ہیں بل کہ یہ وہ روایتیں ہیں جو انھوں نے اپنے والد سے سنی تھیں؛ مگر وہ اس تحریری مسودے میں شامل نہیں تھیں جس کو امام احمدؒ نے وفات سے قبل سنا دیا تھا۔

گویا کہ مسند کی روایات کی دوطرح تقسیم ہوسکتی ہے، ایک وہ روایات جن کو امام نے اپنے فرزندوں کوسنایا اوراملا کرایا تھا، دوسری وہ روایات جن کواس آخری وقت میں سنانے کا موقع نہیں ملا؛ مگرصرف عبداللہ بن احمد نے اپنے والد سے سنا تھا، اس طرح پورا مجموعہ امام احمدؒ کی روایت ہی کا ہوجاتا ہے۔ شیخ ابوزہرہؒ کے الفاظ یہ ہیں:

”و یکون بھذا ما رواه ابن أحمد عن أبيه قسمين: أحدهما كان بإملاء أبيه على أولاده وأهل بيته، وثانيهما لم يكن بإملاء أحمد في هذه الفترة الضيقة بل كان بسماع عبد الله من أبيه خاصة، وبهذا كان المجموع كله هو المسند برواية أحمد.....“(۱)

بہرحال اس کا جوبھی جواب دیا جائے؛ مگربعض علما فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد کے زیادات مسند میں شامل ہیں، چاہے ان کے والد کی روایات ہوں یا ان کی مرویات کے مشابہ دیگر ثقہ حضرات کی ہوں؛ البتہ یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ عبداللہ بن احمد خود ثقہ ہیں، اس لیے ان کی زیادات کوقبول کرنے میں ذرا بھی تأمل نہیں ہونا چاہیے۔

مسند کے راوی:

طلبائے حدیث شریف کے ہاتھوں میں اس وقت مسند احمد کے جو نسخے متداول ہیں، اس کے راوی عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ ہیں، اس لیے ان کے بارے

(۱) هذا الكلام فيه تصرف كثير، هذا ليس من كلام الشيخ أبو زهرة بعينه كما أوهمت العبارة.

(راجع ابن حنبل: ۱۸٤)

میں بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے کہ ناقل کے ثقہ ہونے سے منقول کا ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبلؒ کی ولادت ۲۱۳ھ میں اور وفات ۲۹۰ھ میں ہوئی ہے (۱)، امام احمدؒ اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے اور خاص طور پر ان کو علوم حدیث کی ترغیب دے کر اس کی طرف متوجہ فرمایا، دوسرے فرزندوں کے مقابل عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ علم حدیث شریف کی طرف زیادہ رجحان رکھتے تھے، اسی لیے وہ امام احمدؒ کی خصوصی توجہ کے مستحق بن گئے۔ امام احمد ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی فرماتے تھے اور زیادہ سے زیادہ احادیث سننے اور یاد کرنے کی ترغیب دیتے تھے، عبداللہ اپنے والد مکرم کے علاوہ دیگر محدثین سے بھی سماعت فرماتے تھے اور اپنے والد صاحب کو سناتے تھے، فرماتے ہیں:

”کنت أعرض الحدیث علی أبي فأری في وجهه التغیر، و یقول کأنك تطلب ما لم أسمعه.“ (۲)

میں اپنے والد کو حدیث سناتا تو ان کے چہرہ پر تغیر محسوس کرتا (تعجب کی وجہ سے (۳) اور فرماتے تھے کہ تم میری سنائی ہوئی روایات کے علاوہ بھی تلاش کرتے ہو۔

---

(۱) طبقات الحنابلة، المقصد الأرشد: ۲/ ۸ (۲) طبقات الحنابلة: ۱/ ۱۸۰

(۳) حضرت رئیس نے یہ شیخ ابوزہرہ کی اتباع میں لکھا ہے، اس کے آگے ”فتر کته“ کا اضافہ ابن مفلح نے المقصد الأرشد في ذکر أصحاب الإمام أحمد: ۲/ ۵ پر، اسی طرح ابویعلیٰ نے طبقات الحنابلہ: ۱/ ۱۸۰ پر ذکر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر امام احمدؒ اپنے فرزند کے اس تعامل سے خوش تھے تو پھر عبداللہ نے یہ سلسلہ کیوں ترک کردیا؟ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت امام احمدؒ کو اُن کا یہ طریقہ ناگوار گزرتا تھا۔ واللہ اعلم! (اسماعیل کوثر غفرلہ)

اور والد مکرم کے سامنے پیش کرنے کا منشا یہ تھا کہ وہ ان روایات کے بارے میں بھی غور فرماویں اور اس کی اجازت مرحمت فرمائیں، امام احمد کو ان کا یہ طرز پسند تھا اور فرماتے تھے کہ "ابني عبد اللّٰه محظوظ من علم الحديث لا يكاد يذاكرني إلا بما لا أحفظ"(۱) عبداللہ بن احمد کے مقام کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ باوجود امام احمد کے فرزند ہونے اور عمر میں کم ہونے کے خود امام احمد ان سے روایت کرتے ہیں، بلاشبہ امام احمد ان کی روایات کو قبول فرماتے تھے۔ عبداللہ امام احمد کے مشورہ اور ہدایات کے مطابق اور محدثین اور ثقہ راویوں سے حدیثیں سن کر یاد کرتے تھے۔ ابن عدی فرماتے ہیں:

نبل عبد الله بن أحمد بأبيه، و له في نفسه محل في العلم، أحيا علم أبيه من مسنده الذي قرء ه عليه أبوه خصوصًا قبل أن يقرء ه على غيره، و مما سأل آباه عن رواة الحديث، فأخبره به ما لم يسأله غيره، و لم يكتب عن أحد إلا من أمره أبوه أن يكتب عنه.(۲)

عبداللہ نے اپنے والد مکرم سے کمال حاصل کیا، ان کے دل میں عبداللہ کے لیے خاص مقام تھا، اس مسند کے ذریعہ انھوں نے اپنے والد کے عمل کو زندۂ جاوید بنا دیا اور انھوں نے صرف ان مشائخ سے روایات کو لکھا جن کے بارے میں ان کے والد نے لکھنے کا مشورہ دیا۔

اسی لیے علما کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ عبداللہ بن احمدؒ اپنے والد امام احمدؒ کی

(۱) زيادات القطيعي: ۵، سير أعلام النبلاء: ۲۹
(۲) سير أعلام النبلاء: ۱۳/۵۲۳

مرویات کے بہترین راوی ہیں، ابویعلیٰ نے طبقات میں لکھا ہے:

و قرأت في كتاب أبي الحسين بن المنادي، وذكر عبد الله وصالحًا (ولدي أحمد)، فقال: كان صالح قليل الكتاب عن أبيه، أما عبد الله فلم يكن في الدنيا أحد أروى عن أبيه رحمه الله أكثر منه.

میں نے ابوالحسین بن المنادی کی کتاب کا مطالعہ کیا، انہوں نے عبداللہ اور صالح (امام احمد کے دونوں فرزندوں) کا ذکر فرمایا، وہ فرماتے ہیں کہ صالح اپنے والد کی روایات بہت کم لکھتے تھے؛ مگر عبداللہ سے زیادہ ان کے والد کی روایات لکھنے والا دنیا میں اور کوئی شخص نہیں تھا۔(۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علما عبداللہ بن احمد کی تعریف کرتے تھے اور ان کو قابل اعتماد اور ثقہ جانتے تھے۔(۲)

پھر عبداللہ بن احمدؒ سے ان کے شاگرد قطیعی (۳) مسند کی روایت کرتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کا دعویٰ ہے کہ قطیعی نے بھی مسند کی روایات میں اضافہ کیا ہے، اور اس کی زیادات میں بعض ضعیف روایتیں بھی ہیں (مگر بعض علما نے ابن تیمیہؒ کے اس دعویٰ کو رد کر دیا ہے اور مسند کے دفاع میں مستقل رسالے لکھے گئے ہیں)۔

---

(۱) طبقات الحنابلة: ۱۸۲/۱، ط. دارالمعرفة بيروت

(۲) مازلنا نرى أكابر شيوخنا يشهدون له بمعرفة الرجال و علل الحديث و الأسماء و الكنى والمواظبة على طلب الحديث، ويذكرون عن أسلافهم الإقرار له بذالك. (طبقات الحنابلة: ص۱۸۲)

(۳) هو الشيخ المحدث العالم المفيد الثقة أبوبكر أحمد بن جعفر بن حمدان بن مالك بن شبيب بن عبد الله القطيعي البغدادي، سكن قطيعة الدقيق فنسب إليه (۲۷۴هـ- م۳٦۸هـ). (طبقات الحنابلة: ۷/۲)

مسند کی ترتیب:

عبداللہ بن احمدؒ اپنے والد سے روایت کرتے رہے اور ان کے علم کو لوگوں میں پھیلاتے رہے، پھر ایک راوی سے دوسرے راوی تسلسل کے ساتھ ان روایتوں کو بیان کرتے تھے اور یہ رواۃ ثقات تھے، اس طرح یہ قیمتی سرمایہ اور علم کا خزانہ بعد کی نسلوں تک منتقل ہوتا رہا، ہر دور کے علما نے اس کو محفوظ کیا اور اس کو قبول کیا۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ ہی نے مسند کی موجودہ ترتیب قائم فرمائی ہے، ان کے بعد دیگر محدثین اور حفاظ نے کوشش کی کہ اس کی ترتیب کو بدل کر کتب صحاح کے طرز پر اس کو ترتیب دیں جیسا کہ بخاری شریف، مسلم شریف اور سننِ ابوداؤد ہے؛ کیوں کہ ان کتابوں کی ترتیب موضوعات کے مطابق ہے، اس سے استفادہ آسان ہو جاتا ہے۔

مگر مسند کی جو ترتیب عبداللہ بن احمدؒ سے منقول ہے وہ موضوعات کے مطابق نہیں بل کہ صحابہ کی مرویات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے، مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مرویات، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلفائے راشدین اور فقہائے صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہم؛ مگر کسی ایک موضوع کی حدیث شریف کی تلاش کرنے والوں کو اس ترتیب میں دشواری پیش آتی ہے۔

اسی لیے علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ:

”لو أنه حرر ترتيب المسند وقربه وهذبه لأتى بأسنى المقاصد، فلعل الله تبارك و تعالٰى أن يقيض لهٰذا الديوان السامي من يخدمه و يبوب

علیه، ويتكلم على رجاله و يرتب هيئته و وضعه، فإنه محتو على أكثر الحديث النبوي إن شاء الله تعالىٰ، وقل أن يثبت حديث إلا وهو منه."(۱)

اگر مسند کو مرتب کر کے لکھتے اور اس کی تہذیب کر لیتے تو بہت اعلیٰ مقصد حاصل ہوتا، شاید اللہ تبارک وتعالیٰ کسی اور کو توفیق عطا فرمائے جو اس عظیم اور بلند کتاب کی خدمت کر کے اس کو ترتیب دے(۲)، اس کے رجال پر کلام کرے اور اس کی شکل ووضع پر محنت کرے، اس لیے کہ یہ کتاب حدیث پاک کے بہت بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے، بہت کم ایسا ہوگا کہ کوئی حدیث ثابت ہو اور وہ اس میں موجود نہ ہو۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علما کو اس ترتیب میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔

پھر عبداللہ حدیث مرسل میں صحابی کا نام ذکر نہیں فرماتے بل کہ مسند نافع مولیٰ ابن عمر، یا مسند سعید بن المسیب، مسند شہاب لکھ دیتے ہیں۔

البتہ اس ترتیب میں ایک دوسرے لحاظ سے بڑا فائدہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی بھی معین صحابی کا فقہ جاننا چاہے تو ان کی مرویات دیکھ کر آسانی سے اندازہ لگا سکتا ہے، مثلاً کوئی فقہِ عمرؓ کو جاننا چاہتا ہے تو ان کی مرویات کا مطالعہ کر سکتا ہے، اسی طرح دیگر صحابہ وتابعین اور اس طرح ان کے طرزِ فکر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر صحابہ کے مسانید کو بھی حروف تہجی کے مطابق مرتب نہیں کیا گیا بل کہ ان

---

(۱) ابن حنبل لأبي زهرة: ۱۸٦

(۲) شیخ احمد شاکر نے مسند احمد کو ایڈٹ کر کے شائع کیا، اس کے آخر میں جو فہارس مرتب فرمائی ہیں، اس نے بڑی حد تک باحث کے کام کو آسان کر دیا ہے۔

کی افضلیت کا خیال رکھا گیا ہے، اس لیے پہلے عشرۂ مبشرہ اور اس کے بعد درجہ بدرجہ دیگر صحابہ وتابعین کی مرویات ذکر کی گئیں۔

بعض حفاظِ حدیث نے اس ترتیب میں بھی تھوڑی تبدیلی اور تقریب کی سعی فرمائی، علامہ جزریؒ فرماتے ہیں:

”وأما ترتيب هذا المسند فقد أقام الله تعالىٰ لترتيبه شيخنا خاتمة الحفاظ الإمام الصالح الورع أبا بكر محمد بن عبدالله بن المحب الصامت رحمه الله، فرتبه على معجم الصحابة، ورتب الرواة كذالك، كترتيب الأطراف وتعب فيه كثيرًا. ثم إن شيخنا الإمام مؤرخ الإسلام وحافظ الشام عماد الدين أبا الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير رحمه الله تعالىٰ أخذ هذا الكتاب المرتب من مؤلفه، وأضاف إليه أحاديث الكتب الستة، ومعجم الطبراني الكبير، و مسند البزار، ومسند أبي يعلىٰ الموصلي، وأجهد نفسه كثيرًا وتعب فيه تعبًا عظيمًا، فجاء لا نظير له في العالم، وأكمله إلا بعض مسند أبي هريرة، فإنه مات قبل أن يكمله، فإنه عوجل بكف بصره، وقال لي رحمه الله تعالىٰ: مازلت أكتب فيه إلى اليل حتى ذهب بصري معه، ولعل الله يقيض من يكمله.“(۱)

بہرحال جہاں تک اس کی ترتیب کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے شیخ عبداللہ بن صامتؒ کو اس کام کے لیے مامور فرمایا تو انہوں نے اس کتاب کو معجمِ صحابہ

(۱) ابن حنبل لأبي زهرة: ۱۸۷

پر مرتب فرمایا اور رواۃ کی ترتیب دی، اس کے بعد ہمارے شیخ ابن کثیرؒ نے اس مرتب نسخہ کو مؤلف سے حاصل کر کے اس میں کتبِ ستہ اور معجمِ طبرانی، مسندِ بزار، مسندِ ابو یعلیٰ کی احادیث کا اضافہ فرمایا اور اس کام میں بے انتہا مشقت برداشت فرمائی، مسندِ ابو ہریرہ کو چھوڑ کر باقی حصہ کو مکمل فرمایا، مسندِ ابو ہریرہ کی ترتیب سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا، مجھ سے فرماتے تھے کہ میں رات کے اکثر حصہ میں لکھا کرتا تھا یہاں تک کہ میری بینائی ختم ہو گئی، شاید اللہ تعالیٰ اس باقی حصہ کی تکمیل اور ترتیب کے لیے کسی اور شخص کو توفیق فرماوے۔

علامہ جزریؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حفاظِ حدیث اس کی ترتیب بالکلیہ تبدیل کیے بغیر تقریب کی کوشش کرتے رہے اور بعضوں نے اس میں دیگر کتابوں کے مجموعات کو شامل کر کے اس کو حدیث شریف کا ایک مکمل مجموعہ بنانے کی بھی محنت کی کہ صحاح وغیرہ دیگر کتب کی جو روایت مسند میں نہیں تھی اس کو بھی شامل کرنا چاہا، بلاشک یہ بہت عظیم کارنامہ تھا؛ کیوں کہ اس طرح ایک ہی کتاب میں جملہ احادیث شامل ہو جاتیں اور اگر اس کو پھر موضوعات کے مطابق ترتیب دیا جاتا تو اس کی افادت مکمل ہو جاتی؛ مگر حافظ ابن کثیرؒ کا کام مکمل نہ ہو سکا اور اس روشن دل عالم کی ظاہری بینائی تکمیل سے قبل جاتی رہی، خصوصاً حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں کا باقی رہ جانا بڑے ذخیرہ کا چھوٹ جانا ہے۔

مسند کی روایات:

امام احمدؒ اپنے دور کے ثقہ راویوں کی جملہ روایتوں کو جمع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اور ان کے نزدیک ہر وہ شخص ثقہ سمجھا جاتا تھا جو عمداً کذب کا مرتکب نہ ہوتا ہو اور اہلِ تقویٰ کی روایتوں کو قبول فرما لیتے تھے، اگرچہ ان کا حفظ کامل نہ ہو، البتہ اگر ان لوگوں کی روایتوں کے مقابل اصحابِ ضبط کی کوئی روایت معارض ہوتی تو اصحابِ ضبط کی روایت ہی کو اختیار فرماتے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”قد يكون الرجل عنده ضعيفًا لكثرة الغلط في حديثه، و يكون حديثه إذا الغالب عليه الصحة لأجل الاعتبار به و الاعتضاد به، فإن تعدد الطرق و كثرتها يقوي بعضها بعضًا حتى قد يحصل العلم بها.“(۱)

کبھی راوی امام احمدؒ کے نزدیک اس وجہ سے ضعیف ہوتا تھا کہ اس کی احادیث میں بکثرت اغلاط پائی جاتی تھیں اور کبھی راوی کی اکثر حدیثیں صحیح ہوتیں تو محدثین اس سے متابعت وشواہد کے طور پر روایتیں کرتے تھے، کیوں کہ اسانید کے تعدد اور کثرت کی وجہ سے بعض کو بعض سے ایسی قوت حاصل ہوتی کہ وہ حدیث مفید علم ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال عبداللہ بن لہیعہ ہیں جن کا شمار اکابرِ مسندین میں تھا اور وہ مصر کے قاضی بھی تھے، کثیر الحدیث تھے؛ مگر ان کی کتابیں آگ میں خاکستر ہو گئیں تو وہ اپنے حفظ سے احادیث سناتے تھے تو بعض مرتبہ اس میں غلطیاں ہو جاتی تھیں؛ مگر

(۱) مجموع الفتاوى: ۲۶/۱۸، ط. دار الوفاء

ان کی روایتیں اکثر صحیح ہوتی تھیں، خود امام احمدؒ فرماتے تھے کہ "قد أكتب حديث الرجل للاعتبار به مثل ابن لهيعة."(۱)

مگر امام احمدؒ کے اس طرح کی روایتوں کے قبول کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان روایتوں سے حجت کرنا صحیح سمجھتے ہوں؛ بل کہ اس طرح روایتوں کو جمع کر کے اس پر غور کرنا اور ضابطین کی روایتوں کو سامنے رکھ کر اس کو پرکھنا اور نقد کرنا تھا، ان روایتوں کو اسی وقت وہ قابلِ حجت وعمل قرار دیتے جب ان کی کوئی معارض روایت نہ ہو۔

دوسری بات یہ کہ امام احمدؒ حدیث شریف کی صحت کے لیے اتصال سند کی شرط لگاتے تھے، اسی لیے وہ حدیث مرسل کو قبول نہیں فرماتے تھے، جس روایت کی سند تابعی پر منقطع ہو جاتی یا اور کسی جز میں انقطاع ہوتا تو وہ روایت ان کے نزدیک مرسل ہوتی اور ایسی روایتوں کو ضعیف فرماتے، اس لیے کسی باب میں اگر کوئی اور روایت مل جاتی تو مرسل کو ترک فرما دیتے؛ البتہ اگر کوئی روایت نہ ملتی تو رائے کے مقابل اس کو مقدم سمجھ کر قبول فرما لیتے اور اس کو قابل عمل گردانتے اور کسی صحیح روایت کی عدم موجودگی میں ایسی روایتوں کو بھی مسند میں شامل فرما لیتے۔

امام احمدؒ کے زمانہ کے محدثین احادیث مرسلہ کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بُعد کے سبب قبول نہیں فرماتے تھے؛ حالاں کہ ان سے پہلے کے دور میں مرسلات کو قبول کیا جاتا تھا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ بالاطلاق حدیث مرسل کو قبول فرماتے تھے؛ کیوں کہ ان کا دور عصر نبوت سے قریب تھا اور جو روایتیں انہوں

---

(۱) مجموع الفتاوى: ۲۶/۱۸، ط. دار الوفاء

نے سنیں ان میں بیش تر حضراتِ تابعین سے مروی ہوتیں، اور ان تابعین کو پایا اور ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ اس کے برخلاف حضرت امام شافعیؒ تابعین سے نہیں ملے اس لیے ان کے نزدیک مرسل کو قبول کرنے میں شدت ہے، اس لیے انہوں نے تابعین کا بہت سے صحابہ سے لقا ہونے کی شرط لگائی، مثلاً حضرت سعید ابن المسیبؒ، ان کے علاوہ دوسروں کی روایت قبول کرنے میں محتاط تھے، یا مرسل روایت کی تائید میں کوئی متصل روایت مل جاتی، یا صحابی کا فتویٰ ہوتا اس کو قبولیت حاصل ہوتی، اس لیے امام احمدؒ نے بھی اتصال سند کی شرط لگادی۔

نیز امام احمدؒ متن حدیث کو بھی جانچتے تھے، اگر وہ حدیث کے موافق ہے تو قبول فرماتے اور اگر حدیث صحیح کے معارض ہو تو اس پر عمل نہیں فرماتے تھے۔(۱)

امام احمدؒ نے تدوین حدیث کے باب میں اپنے طریق کو اپنے فرزند عبداللہ بن احمدؒ کے سامنے ان الفاظ میں واضح فرمایا:

"قصدت في المسند الحديث المشهور، وتركت الناس تحت ستر الله، ولو أردت أن أفصل ما صح عندي، لم أرو من هذا المسند إلا الشيء بعد الشيء، ولكن يا بني تعرف طريقتي في الحديث، لست أخالف ما ضعف إذا لم يكن في الباب ما يدفعه."(۲)

میں نے مسند میں مشہور روایات کو لینے کا قصد کیا ہے اور رواۃ کو اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کے حوالہ کیا ہے (یعنی مستور رواۃ کی حدیثیں بھی لی ہیں) اور اگر میں ان

(۱) ابن حنبل لأبي زهرة: ۱۸۸

(۲) من له رواية في المسند: ۱۳، تاليف: محمد بن علي بن حمزة، ط. جامعة الدراسات الإسلامية كراتشي

حدیثوں کو لینے کا ارادہ کروں جو میرے نزدیک صحیح ہیں تو میں مسند میں کوئی کوئی حدیث ہی لوں گا؛ مگر میرے بچے! آپ حدیث کے سلسلہ میں میرا منہج جانتے ہیں کہ میں حدیث ضعیف کورد نہیں کرتا جب کہ باب میں اس کے معارض کوئی روایت نہ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی معارض روایت نہ ہوتی تو حدیث ضعیف کو بھی مسند میں شامل فرمالیتے تھے؛ مگر یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ان کے نزدیک حدیث ضعیف کا معیار کیا تھا۔

حدیث کی تقسیم:

امام احمدؒ کے بعد محدثین نے حدیث کی تقسیم اس طرح کی:

(۱) صحیح (۲) حسن (۳) ضعیف

حدیث صحیح: وہ روایت ہے جس کی سند متصل ہو اور کسی درجہ میں انقطاع بھی نہ ہو، اس کے تمام رواۃ عادل، ثابت العدالۃ، ثقہ، کامل الضبط اور صحیح الحفظ ہوں، ان سے نہ تو کبھی غفلت ہوئی ہو اور نہ ان کی روایت ثقہ کے خلاف ہو، نہ اس میں شذوذ ہو۔

حدیث حسن: اس کی سند متصل ہو؛ مگر کوئی راوی مستور الحال ہو یا ثابت العدالۃ کی روایت ہو؛ مگر سند میں اتصال نہ ہو یا راوی عادل اور ثقہ تو ہے؛ مگر اس سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہو ایسی روایت کسی صحیح روایت کے معارض نہ ہونے کی صورت میں قبول کی جاتی ہے، یا اس کے طرق متعدد ہوں تو بھی قابل قبول ہے۔

ضعیف: جن روایتوں میں صحیح اور حسن کی شرطیں نہ پائی جاتی ہوں وہ ان کے نزدیک ضعیف ہے، پھر احادیث ضعیفہ کے بھی درجات مقرر کیے گئے، سب سے

زیادہ نا قابل قبول وہ روایت ہے جس کے راوی کے کذب پر کوئی دلیل قائم ہو چکی ہو اور مرتبۂ قبول کے قریب وہ ضعیف روایت ہے جو کثرت طرق کے سبب مرتبۂ حسن کے قریب پہنچ جاتی ہو اور کوئی صحیح یا حسن روایت اس کے معارض نہ ہو۔

مگر یہ تقسیم امام احمد کے دور میں نہیں تھی، ان کے زمانے میں کوئی حدیث یا تو صحیح ہوتی یا غیر صحیح؛ چناں چہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"أول من عرف أنه قسم الحديث إلى صحيح وحسن وضعيف أبو عيسى الترمذي، ولم تعرف هذه القسمة عن أحد قبله، وقد بين أبو عيسىٰ مراده بذالك، فذكر: أن الحسن ما تعددت طرقه ولم يكن فيهم متهم بالكذب، ولم يكن شاذا، وهو دون الصحيح الذي عرفت عدالة ناقيله و ضبطهم، و قال: الضعيف هو الذي عرف أن ناقله متهم بالكذب، رديئ الحفظ."(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذیؒ سے قبل محدثین کے نزدیک اس طرح کی تین قسمیں نہیں تھیں، وہ لوگ صرف دو تقسیم جانتے تھے صحیح اور ضعیف، دو قسم کی ہوتی تھی، ایسا ضعف جو مانع عمل نہ ہو گویا وہ امام ترمذیؒ کی اصطلاح میں حسن کے مشابہ تھی، اور ایسا ضعف جس کا ترک واجب ہو وہ واہی روایت ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام احمدؒ کے دور میں صرف دو قسمیں تھیں: (۱) صحیح (۲) ضعیف، اور ضعیف میں وہ روایات بھی شامل تھیں جو بعد کے دور میں حسن کے درجہ میں شمار کی گئیں جس کے راوی مستور الحال ہوں، تو امام احمدؒ کسی اور

(۱) مجموع الفتاوی:۲۳/۱۸

معارض روایت کی عدم موجودگی میں اس کو قبول فرماتے تھے، اور متعمد بالکذب کی روایت کوترک فرمادیتے تھے۔

اس لیے امام احمدؒ کے اس قول کا مطلب کہ وہ حدیث ضعیف کو قیاس پر مقدم کرتے ہیں یہ ہے کہ اس ضعیف کے مقابل کوئی صحیح نہ ہو، اس لیے کہ مستورالحال یا غیرضابط ان کے دور میں ضعیف شمار ہوتی تھیں۔

مسند کی احادیثِ ضعیفہ:

وہ احادیث جن کو عمومی معنی میں ضعیف کہا گیا ہے، جس میں مستورالحال اور ضبط کامل نہ ہونے والی غیرضابط نیز مرسل اور منقطع بھی شامل ہیں، ایسی روایتیں مسند احمد میں موجودنہیں اوراس کی تصریح خودامام احمدؒ سے منقول ہےاوراسی لیے ایسی ضعیف روایتوں کے شمار میں علما میں اختلاف موجود ہے، اس لیے کہ مستورالحال اور قلیل الضبط کی روایتیں ان کے نزدیک حسن ہیں اور بہت سے متقدمین فقہا حدیثِ مرسل اور منقطع کوضعیف نہیں مانتے تھے۔

مگرایک سوال یہ ہے کہ آیا مسند میں ایسی روایات بھی ہیں جومتروک ثابت ہوچکی ہیں یا جس کے راوی متہم بالکذب ہوں؟ جواب یہ کہ علمی طور پراس کا احتمال ضرور ہےاوراس کے دوسبب ہیں، ایک یہ امام احمدؒ روایتوں کوجمع کرنے کے بعد ہمیشہ اس کی تحقیق اور تنقیح اورضرورت پڑنے پراس کو حذف بھی فرماتے تھے؛ چناں چہ مرض الوفات میں ایک ایسی حدیث کوجس کی سند ابوہریرہؓ تک پہنچتی تھی حذف فرمادیا تھا، خصائص المسند میں لکھا ہے:

”و من الدليل على أنه ما أودعه الإمام أحمد رحمه الله مسنده، قد احتاط فيه إسنادا ومتنا، ولم يورد فيه إلا ما صح عنده، ما أخبرنا أنه روى بالسند المتصل إلى أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يهلك أمتي هذا الحي من قريش، قالوا: فما تأمرنا يارسول الله؟ قال: لو أن الناس اعتزلوهم، قال عبد الله: قال لي أبي في مرضه الذي مات فيه: اضرب على هذا الحديث، فإنه خلاف الأحاديث عن النبي صلى الله عليه وسلم“.(۱)

تو جب یہ تنقیح اور تہذیب کا سلسلہ جاری تھا تو ممکن ہے کہ بعض احادیث متروکہ باقی رہ گئیں ہوں اور وفات سے قبل اس کی تنقیح کا موقع نہ ملا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے صاحب زادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ کسی ایسی روایت کو رد نہیں فرماتے تھے جو کسی اہلِ تقوی سے مروی ہو اگرچہ ان کا ضبط کامل نہ ہو، تو یہ احتمال فرض کیا جا سکتا ہے کہ نسیان کے سبب ایسی روایات بھی آ گئی ہوں جو صحیح روایات کے خلاف ہوں، اسی لیے فن حدیث کے ماہرین نے مسند کی بہت سی روایات پر کلام کیا ہے، چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں، سند میں ایک روایت اس طرح ہے:

(۱) ” عن أبي اليمان الحكم بن نافع، حدثنا أبوبكر بن عبد

(۱) من له رواية في مسند أحمد: ۱۰، طبقات الشافعية الكبرى: ۳۲/۲، مقدمه مسند أحمد، ط. أحمد شاكر: ۲۷

اللّٰه، عن راشد بن سعد، عن حمزة بن كلال، قال: سارع عمر بن الخطاب إلى الشام، حتى إذا شارفها بلغه ومن معه أن الطاعون فاش فيها، فقال أصحابه: ارجع ولاتقحم عليه، فلو نزلتها وهو بها لم نر لك الشخوص عنها، فانصرف راجعا إلى المدينة، ففرس من ليلته تلك، وأنا أقرب القوم منه. فلما انبعث انبعثت معه في أثره، فسمعته يقول: ردوني عن الشام، بعد أن شارفت عليه، لأن الطاعون فيه وماكان منصرفي عنه مؤخرا من أجلي، وما كان قدوميه معجلني عن أجلي، إلا لوقدمت المدينة، ففرغت من حاجات لابد لي منها. سرت حتى أدخل الشام، ثم أنزل حمص، فإني سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ليبعثن اللّٰه يوم القيامة سبعين ألفًا لاحساب ولاعذاب عليهم".

اس روایت کو محدثین نے ضعیف بتایا ہے کہ اس میں ابوبکر بن عبداللہ **متروک الروایة** ہیں۔

(ب) اسی طرح مسند میں حدیث الطیالسی کو داؤد الاودی اور عبدالرحمٰن المسلی جیسے رواۃ کے سبب محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(ج) اسی طرح ابوسعید عن عبدالعزیز والی روایت میں صالح بن محمد زائدہ ہیں، جن کے بارے میں امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ إنه منكر الحديث، نیز اس روایت میں معناً بھی کلام ہے کہ اسلام میں خائن کی سزا آگ میں جلانا نہیں ہوسکتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے:

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ مسند میں کوئی بھی ایسی موضوع روایت نہیں ہے جو امام احمدؒ سے ان کے فرزند کے واسطہ سے نقل ہوئی ہو، اگر ایسی کوئی روایت ہے تو وہ قطیعی کی اضافہ کردہ روایت ہوگی، اور قطیعی کے زیادات مسند میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہیں، امام احمدؒ کے فرزند عبداللہ سے جتنی روایات ہیں وہ بالکل ثابت ہیں۔

ابوزہرہ فرماتے ہیں:" فهو سليم من كل خبر ثبت أنه مكذوب على رسول الله صلى الله عليه وسلم " مگر ابن حجرؒ کے استاذ عراقی نے اس رائے کی مخالفت کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قطیعی کے زیادات ہی نہیں بل کہ امام احمدؒ سے مروی روایات میں ایسی بعض روایتیں ہیں جن کے رواۃ متہم بالکذب ہیں اور عراقی نے دلیل میں چند روایتیں پیش کی ہیں جن کو محدثین احادیث موضوعہ میں شمار فرماتے ہیں۔

مگر ان کے شاگرد رشید ابن حجرؒ نے امام احمدؒ کی مسند کے دفاع میں کتاب لکھی، جس کا نام "القول المسدد في الذب عن مسند أحمد" رکھا اور اپنے استاذ عراقی کا رد فرمایا کہ علما نے جن روایتوں کو موضوع کہا ہے وہ حقیقتاً موضوع نہیں ہیں؛ اس لیے کہ اس کے معارض اور کوئی صحیح روایت نہیں ہے اور اس کے رواۃ کا ''متعمد بالکذب'' ہونا بھی ثابت نہیں ہے اور ابن حجرؒ نے امام ابن تیمیہؒ کی تائید فرمائی ہے کہ جو موضوع روایتیں مسند میں پائی جاتی ہیں وہ قطیعی کے اضافے ہیں نہ کہ اصل مسند کی روایات۔(۱)

(۱) ابن حنبل لأبي زهرة: ۱۹۱

بہرحال ایک بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ مسند میں بعض روایتیں ضعیف ہیں اور علما کا اس پر اتفاق ہے، امام احمدؒ مستور الحال کی روایت قبول فرماتے تھے، ابوزہرہؒ فرماتے ہیں:

”ولا شك أن الصيانة للمروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم تدفع بعض المحدثين للدفاع عن المسند، و ربما وقعوا بدفاعهم في تعصب .....“

البتہ پانچویں صدی کے بعد حنابلہ میں سے بہت سے علما اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسند میں بعض روایات غیر صحیحہ موجود ہیں، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

”قد سألني بعض أصحاب الحديث: هل في مسند أحمد ما ليس بصحيح؟ فقلت: نعم، فعظم ذالك على جماعة ينسبون إلى المذهب، فحملت أمرهم على أنهم عوام، وأهملت فكر ذالك. وإذا هم قد كتبوا فتاوى، فكتب فيها جماعة من أهل خراسان، يعظمون هذا القول ويردونه و يقبحون قول من قاله، فبقيت دهشا متعجبًا، وقلت في نفسي: واعجبا! صار المنتسبون إلى العلم عامة أيضًا، وما ذاك إلا أنهم سمعوا الحديث ولم يبحثوا عن صحيحه و سقيمه، وظنوا أن من قال ما قلته قد تعرض للطعن في ما أخرجه أحمد، وليس كذالك، فإن الإمام أحمد روى المشهور، و الجيد والردي. ثم هو قد رد كثيرًا مما روى، ولم يقل به ولم يجعله مذهبًا له. و ختم ابن الجوزي (رحمه الله) كلامه:

قد غمني في هذا الزمان أن العلماء لتقصيرهم في العلم صاروا كالعامة، وإذا مر بهم حديث موضوع قالوا: قد روي، والبكاء ينبغي على خساسة الهمم، و لا حول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم". (١)

بہر حال علما کے نقطۂ نظر میں اس قسم کے اختلاف کے باوجود مسند احمد بہت قیمتی ذخیرہ ہے اور علامہ ابن کثیرؒ کی محنت کے باوجود اس پر دو طرح کام کرنے کی ضرورت ہے:

(١) اس کی ترتیب بدل کر موضوعات کے مطابق روایتوں کو جمع کر دیا جائے (البتہ اصل ترتیب والی مسند بھی باقی رکھی جائے) یعنی دو طرح طبع ہو، اصل کے مطابق اور موضوعات کی ترتیب پر۔

(٢) دوسرا کام یہ ہے کہ مسند کی احادیث پر تحقیق فرما کر صحیح اور سقیم کو چھانٹ دیا جائے، اگرچہ دوسری قسم کی روایات بہت کم ہوں گی۔

واللہ هو الموفق والهادي إلى سواء السبيل!

بیاضِ دل میں فقط ایک نام چھوڑ گیا
وہ عمر بھر کے لیے کتنا کام چھوڑ گیا

---

(١) صيد الخاطر: ١٠٠، ابن حنبل لأبي زهرة: ١٩٠-١٩٣

علامہ قطب الدین نہروالیؒ(۱)

مصنف: ''الإعلام بأعلام بيت الله الحرام''

ہندوستان کے مغربی علاقے میں بحرِ عرب کے کنارے آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا سے ۹۸۰ھ تک ایک اسلامی ریاست قائم رہی تھی۔ گجرات کا یہ علاقہ اس کے نیک دل سلاطین اور علم دوست بادشاہوں کی وجہ سے علومِ اسلامیہ کا مرکز بن گیا تھا۔

''نہروالا'' کی مردم خیز سرزمین پر بڑے بڑے علما، مشائخ اور اصحابِ طریقت مقیم رہے ہیں۔

گجرات کے ان سلاطین میں سلطان احمد شاہؒ کی حکومت ۸۱۳ھ تا ۸۴۵ھ رہی۔ سلطان احمد شاہؒ نے مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ بنایا تھا، جو''مدرسہ کھنبا تیہ'' کے نام سے مشہور تھا۔

علامہ قطب الدین نہروالیؒ نے سلطان احمدؒ کے بارے میں لکھا ہے:

---

(۱) زیرِ نظر مقالہ، رابطۂ ادب اسلامی کے ۲۸رویں مذاکرۂ علمی، منعقدہ بعنوان ''علامہ محمد ابن طاہر پٹنیؒ و دیگر علمائے گجرات اور ان کی علمی اور ادبی خدمات'' بتاریخ: ۲۲-۲۴ر جنوری ۲۰۱۰ء میں پیش کیا گیا۔ بعد میں یہ مقالہ کتابی شکل میں بھی شائع ہوا ہے، اب مقالات مفکر ملت میں شاملِ اشاعت ہو رہا ہے، اس مقالے میں حضرت مفکر ملت نور اللہ مرقدہٗ نے ''البرق اليماني في الفتح العثماني'' کے مقدمے کی تلخیص پیش فرمائی ہے۔

"كان من أصحاب الخير الكثير، شديد المحبة للعلماء كثير البر والصدقات".(۱)

"سلطان اہلِ خیر علما سے بہت محبت کرنے والے اور بہت داد و دہش کرنے والے تھے"۔

سلطان محمود شاہؒ ٨٦٣ھ تا ٩١٦ھ فرماں روائے گجرات رہے، انہوں نے "محمد آباد" نام کا شہر بسایا تھا۔ رمضان المبارک ٩١٦ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

ان کے بعد ان کے فرزند سلطان مظفر شاہؒ تخت نشین ہوئے۔ یہ بڑے عادل وفاضل اور علما کے قدرداں تھے، بہترین خطاط (خوش نویس) تھے۔ اپنے ہاتھ سے کئی قرآن مجید لکھے، اور اس میں سے ایک مدینہ منورہ بھی بھیجا تھا۔ سلطان مظفر شاہ نے بھی مکہ مکرمہ میں ایک مدرسہ اور حاجیوں کے لیے مسافر خانہ بنایا تھا، مدرسے کے مدرسین، طلبہ اور رباط کے خدام کے لیے وظائف بھی مقرر کیے تھے۔ نیز ہر سال اہلِ حرمین کے لیے قیمتی ہدایا بھیجتے تھے۔ یہ مدرسہ حرم شریف کے بالکل قریب تھا۔ ٩٧٢ھ میں عثمانی سلاطین نے اسی جگہ "مدرسۂ سلیمانیہ" تعمیر کیا۔ ٩٣٢ھ میں سجدے کی حالت میں وفات ہوئی۔

بہادر شاہ بھی نیک دل اور عادل بادشاہ تھا۔ ٩٤٢ھ میں جب ہمایوں نے گجرات پر حملہ کیا اور بہادر شاہ کو شکست ہوئی تو انہوں نے اپنے گھر والوں اور نفیس زیورات اور قیمتی اشیا کو اپنے وزیر آصف خانؒ کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا۔

(۱) الإعلام: ۲۳۷

آصف خانؒ کے بارے میں "النور السافر" کے مصنف رقم طراز ہیں:

"كان رجلا صالحًا، جوادًا، شريف النفس، عالي الهمة. ولما خشي السلطان على حريمه ونفائس خزائنه، أمر الوزير بالذهاب إلى مكة".(۱)

"(آصف خان) ایک نیک، سخی، شریف الطبع اور بلند ہمت شخص تھے۔ سلطان کو جب اپنے اہل وعَیال اور عمدہ خزانوں کے بارے میں خطرہ محسوس ہوا تو وزیر کو مکہ مکرمہ چلے جانے کا حکم فرمایا"۔

آصف خانؒ مکہ میں دس/۱۰ سال سے زیادہ عرصہ مقیم رہے۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ ان دس سالوں میں انہوں نے بیماری یا عذرِ شرعی کے علاوہ کبھی حرم شریف کی کوئی جماعت ترک نہیں کی۔ علما کے ساتھ بے حد اکرام ومحبت کا تعلق رکھتے تھے، ان کے دور میں علم کی خوب خوب اشاعت ہوئی۔ طلبہ اپنے مشکل علمی مسائل ان سے حل کراتے تھے، اوران سے علمی مذاکرہ ہوا کرتا تھا۔ آصف خانؒ کی قدردانی کا یہ حال تھا کہ ان کو انعام واکرام سے نوازتے تھے۔ ان کی سخاوت اور بخششوں نے "خلفائے بنی عباس" اور "برامکہ" کی یاد تازہ کردی تھی۔

سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ:

"إنه أنفق بمكة في سنة مأةً و خمسين صندوقا ذهبًا۔ حتى ألبس أهل مكة نساء هم وخدمهم حلي الذهب، الذي لم يعهد مثله، وتوسعوا في الملبس والمعاش بما لم يعرفوه قبل ذالك".(۲)

(۱ ، ۲) النور السافر عربی، أن أخبار القرن العاشر: ۱۲۰

''انہوں نے ایک سال مکہ مکرمہ میں ایک سو پچاس صندوق سونا تقسیم فرمایا، یہاں تک کہ مکہ والوں نے اپنی عورتوں اور خادماؤں کو سونے کے ایسے زیور پہنائے جو اس سے پہلے ان کے یہاں نہیں تھے۔ اور کھانے پینے اور رہن سہن میں ایسی وسعت ہوئی جس کو اس سے پہلے جانتے بھی نہ تھے''۔

۹۵۵ھ میں آصف خان گجرات واپس تشریف لائے؛ مگر ۹۶۱ھ میں اپنے مخدوم سلطان محمود کے ہمراہ شہید کر دیئے گئے۔ جب اہلِ مکہ کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا، اور وہاں کے باشندے غم میں ڈوب گئے۔ اس دور کے مکہ کے مشہور شاعر شیخ عبدالعزیز زمزمی نے چھیاسی (۸۶) اَبیات پر مشتمل دردناک مرثیہ لکھا۔ صاحب ''النور السافر'' نے پورا مرثیہ نقل فرمایا ہے۔(۱)

گجرات کا علاقہ چوں کہ عرب کے قریب واقع ہوا ہے، بحرِ عرب اور خلیجِ عمان کے سوا اور کوئی علاقہ حائل نہیں ہے؛ اس لیے گجرات کے شہروں میں عربوں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی تھی۔ خصوصاً اشاعتِ اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام اور علم پرور سلاطین کے سبب بہت سے عرب خاندان گجرات آکر بس گئے تھے۔

گجرات کے اس خطے میں نہروالا – جو آج کل پٹن کے نام سے مشہور ہے– بھی ہے، ہندوستان کی تاریخ کی بعض کتابوں میں اُسے ''اَنہل واڑہ'' لکھا گیا ہے۔ نہروالا کی سرزمین بہت مردم خیز واقع ہوئی، یہاں اکابر، علما، مشائخ اور اصحابِ طریقت مقیم رہے۔

---

(۱) النور السافر: ۱۲۰

قطبی خاندان گجرات میں:

تقریباً ساتویں صدی ہجری میں عدن کے باشندوں میں سے ایک عالم گجرات آئے، جن کا اسمِ گرامی محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن عمر بن محمدؒ تھا۔ انہوں نے نہروالا (موجودہ پٹن) کو اپنا وطن بنایا، پورے علاقے میں ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا شہرہ تھا۔

اُن کے بعد اُن کے خاندان کے دوسرے افراد بھی ہجرت کر کے گجرات آنے لگے، اُن میں سے ایک شخص علاء الدین ابوالعباس احمد بن شمس الدین محمد بن قاضی خان بہاء الدین محمد بن یعقوب بن حسن بن علی بن محمد العدنیؒ بھی تھے۔(۱)

اُن کی ولادت ۸۷۱ھ میں نہروالا میں ہی ہوئی۔ انہوں نے اپنے والد اور دادا، نیز بہت سے علما سے علم حاصل کیا، جن میں شیخ محمود بن ادریسؒ زیادہ مشہور تھے۔ جب علومِ اسلامیہ میں کمال حاصل کرلیا تو سلطان محمود شاہؒ نے اُن کو گجرات کا منصبِ قضا سپرد کیا۔

۸۹۹ھ میں شیخ احمدؒ نے نہروالا سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا، اور حج ادا کر کے مکہ مکرمہ میں ہی مقیم ہوئے، اور مکہ مکرمہ اور دیگر اسلامی شہروں کے علما سے روابط پیدا کئے۔ علامہ سخاویؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے بھی کسبِ فیض فرمایا۔ علامہ سخاویؒ نے ''الضوء اللامع'' میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے، اور تحریر فرمایا ہے کہ:

''۹۰۰ھ میں شیخ احمد نہروالا تشریف لائے، مگر دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے، اور

---

(۱) البرق اليماني: ۱۵

احمد شاہ گجراتی کے بنا کردہ مدرسے میں مدرس ہو گئے تھے۔ آخری عمر میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے، ۹۴۹ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی''۔

اسی طرح شیخ محمد بن شیخ احمد کی ولادت بھی ہندوستان میں ہوئی، اور وہ بھی اپنے والد کی طرح ''نہروالی'' سے مشہور ہوئے۔ ان کی ولادت ۹۱۷ھ میں مقام لاہور میں ہوئی، جیسا کہ انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔(۱)

ہمیں یقینی طور پر یہ معلوم نہیں کہ یہ حجاز کب گئے، البتہ علامہ سخاوی و دیگر مؤرخین کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان نہروالا میں رہا؛ مگر اُن کے خاندان کے بعض افراد مختلف زمانوں میں ہجرت کرتے رہے۔ اخیری فرد جنہوں نے مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کی، شیخ عبد الکریم بن محبّ الدین تھے۔ ان کی ولادت احمد آباد میں ۹۶۱ھ میں ہوئی تھی، اپنے والد شیخ محبّ الدین کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ شیخ محبّ الدین یمن کے شہر جبلہ کے قاضی تھے۔

اور جیسے ہم نے پہلے ذکر کیا کہ سلاطینِ گجرات کا حجاز کے ساتھ گہرا ربط اور تعلق تھا، انہوں نے وہاں مدارس و رباط تعمیر کیے تھے۔ ان اداروں کی نگرانی قطبیؒ کے والد کو سپرد ہوئی تھی، اور اس کے بعد علامہ قطبی اور اس کے بعد یہ نگرانی کا کام ان کے بھتیجے عبدالکریم کے حصے میں آیا تھا۔ گجرات پر جب مغل بادشاہوں کے حملے شروع ہوئے تو آصف خان مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔ آصف خان کے ساتھ علامہ قطبیؒ کے اچھے تعلقات تھے، انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ آصف خان کے ساتھ استنبول کا

---

(۱) بحوالہ نزہۃ الخواطر: ۴/ ۲۸۵

سفر بھی ہوا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ آصف خان کا یہ سفر ترکی کے سلطان سے مدد طلب کرنے کے سلسلے میں ہوا ہو؛ اس لیے کہ آصف خان کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے دو سال قبل عثمانی سلطان حجاز پر قابض ہوگئے تھے۔ بل کہ ان کی فوجیں گجرات کے ساحل کی طرف بھی پہنچ گئی تھیں؛ تاکہ پُرتغالی حملہ آوروں کا مقابلہ کرسکیں، جنہوں نے دھوکے سے بہادر شاہ کو قتل کردیا تھا، اور پورے علاقے میں لوٹ مار اور فساد پھیلا دیا تھا؛ مگر عثمانی فوجیں پُرتغالیوں کو شکست دینے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

مغلوں کے داخلی اور پرتغالیوں کے خارجی حملوں نے گجرات کے علاقے کو برباد کردیا تھا، اور ہر طرف انارکی پھیلی ہوئی تھی، اِن ہی حالات سے مجبور ہوکر قطبیؒ اور ان کے اہلِ خاندان ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ شاید یہ ہجرت ۹۳۵ھ سے پہلے ہوئی ہے؛ اس لیے کہ علامہ قطبیؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل بلوغ وہ اپنے والد اور گھر والوں کے ساتھ مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے؛ چناں چہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”ارتفع سعر الماء جدًا في يوم عرفة، وكنت يومئذ مراهقًا في خدمة والدي (رحمه الله تعالٰى)، و فرغ الماء الذي كنا حملناه من مكة إلى عرفات، وعطش أهلنا، فتطلبت قليلاً من الماء للشرب، فاشتريت قربة صغيرة جداً يحملها الإنسان بإصبعه بدينار ذهب“.(۱)

”عرفہ کے دن پانی کی قیمت بہت بڑھ گئی۔ میں اس وقت ابھی نابالغ تھا، اور اپنے والد کی خدمت میں تھا۔ ہم لوگ مکہ مکرمہ سے جو پانی عرفات لے گئے تھے وہ

(۱) الإعلام: ۲۲۹

ختم ہو گیا تھا اور گھر والوں کو پیاس کا تقاضہ ہوا، تو مَیں نے پانی تلاش کیا۔ مَیں نے ایک بالکل چھوٹی سی مشکیزہ جس کو آدمی اپنی دو انگلیاں پر اٹھا سکتا ہے، ایک سونے کے دینار کے بدلے خریدا۔‘‘

اسی طرح وہ ۹۳۲ھ میں سلیمان رئیس کے مکہ میں آنے کا واقعہ نقل فرماتے ہیں، جس کو انہوں نے قریب سے دیکھا تھا:

”وصل سليمان الرئيس إلى مكة، و دخل من الحجون. وجميع عسكره قدامه صفوفا بعد صفوف مشاةً، كلهم حاملين بنادقهم على أكتافهم. ورأيت أول عسكره في المعلاة، وآخرهم في الحجون. ورأيت سليمان و خير الدين راكبين حصانين، و ما في العسكر راكب غيرهما“.

’’سلیمان رئیس مکہ مکرمہ میں پہنچے اور مقامِ حجون سے داخل ہوئے۔ ان کا پورا لشکر اُن کے سامنے صف بہ صف پیدل چل رہا تھا، سب اپنی اپنی بندوقوں کو اپنے اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے۔ اور مَیں نے سلیمان اور خیر الدین کو دیکھا کہ وہ دونوں دو گھوڑوں پر سوار ہیں، اور لشکر میں ان دو کے علاوہ کوئی سوار نہ تھا‘‘۔

ولادت و نام ونسب:

علامہ قطب الدینؒ کی ولادت ۹۱۷ھ میں ہوئی۔ علامہ عبدالحی حسنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”الشيخ العالم العلامة محمد بن أحمد بن محمد بن محمود الحنفي النهروالي المفتي قطب الدين بن علاء الدين المكي، صاحب

"الإعلام بأعلام بيت الله الحرام" كان من العلماء المبرزين في الحديث و الفقه و الأصلين و الإنشاء، والشعر، وُلد بلاهور سنة سبع عشرة و تسع مأة، واشتغل على والده بالعلم......الخ".(۱)

صاحبِ "معجم المؤلفین" بھی ان کا تذکرہ فرماتے ہیں: "محمد النہر والی" (۹۱۷-۹۹۰ھ،۱۵۱۱-۱۵۸۲ء)۔

محمد بن أحمد بن محمد بن محمود النهروالي، الهندي، ثم المكي، الحنفي، قطب الدين، مؤرخ، فقيه، مفسر، عالم بالعربية، ناظم، من تصانيفه: "البرق اليماني"، "الإعلام بأعلام بيت الله الحرام"، "طبقات الحنفية" و "مناسك الحج"۔(۲)

علامہ خیر الدین زِرِکْلِیؒ نے سنہ ولادت کا ذکر نہیں کیا، اور سنہ وفات بھی ۹۸۸ھ لکھی ہے؛ مگر زیادہ تر تذکرہ نگار ۹۹۰ھ میں وفات لکھتے ہیں۔(۳)

بعض مصنفین نے ان کی نسبت "النہر وانی" لکھی ہے؛ حالاں کہ صحیح "النہروالی" ہے (لام کے ساتھ)، نہروان گجرات میں نہیں ہے۔(۴)

نہروالا جس کو "انہل واڑہ" کہا جاتا تھا؛ گجرات، ہندوستان میں ہے جو آج کل پٹن سے مشہور ہے۔

---

(۱) الإعلام بمن في تأريخ الهند من الأعلام: الجزء الأول ٤٠٥، ط. دار ابن حزم

(۲) معجم المؤلفين، عمر رضا كحالة: ۱۸/۱۷/۹ (۳) الأعلام لخير الدين الزِرِكْلِيُ: ٢٣٤/٦

(٤) معجم البلدان: ٣٢٤/٥-٣٢٧

علامہ قطبیؒ کی تعلیم:

ان کے والد کا شمار بڑے حنفی علما میں تھا، اور گجرات کی اسلامی حکومت میں سلطان محمود شاہ (۸۶۳ھ-۹۱۶ھ) کے دور میں منصبِ قضا پر فائز تھے۔ علامہؒ نے اپنے والدِ مکرم سے علم حاصل کیا، نہروالا سے سفر کرنے سے قبل انہوں نے فارسی زبان سیکھی، اور اس میں اتنی قابلیت پیدا کی کہ فارسی اشعار کہنے لگے، اور بعض کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔

ان کے مکہ مکرمہ ہجرت کے ابتدائی دور میں ترکی سلطان کا حجاز پر غلبہ ہو چکا تھا۔ سلطان ''امیر الحج'' کی حیثیت سے اپنے بعض نمائندوں کو مکہ مکرمہ بھیجتے تھے، اور فوجی قائدین بھی مکہ مکرمہ آتے رہتے تھے۔ علامہ قطبیؒ کے ان کے ساتھ روابط ہونے لگے تو انہوں نے ترکی زبان بھی سیکھ لی۔ اور اُس میں اتنی مہارت پیدا کر لی کہ ترکی زبان میں شعر گوئی اور تصنیف و ترجمہ پر قادر ہو گئے، اور ترکی کے دو مرتبہ سفر کرنے کے سبب اس میں مزید پختگی پیدا ہو گئی؛ بل کہ علامہ جب مصر میں بغرض تعلیم مقیم تھے تو وہاں بھی ترکی زبان کے حصول میں مدد ملی ہو گی؛ اس لیے کہ اس زمانے میں مصر میں عثمانی حکومت ہی کا دور تھا۔ ان کی عربی تعلیم کا سلسلہ اس طرح ہے کہ انہوں نے فقہِ حنفی اپنے والدِ مکرم سے حاصل کیا، اور مکہ مکرمہ طالبِ علمی ہی کے زمانے میں پہنچے: کیوں کہ ان کی عمر ابھی پندرہ سال سے بھی کم تھی کہ یہ سفر ہوا تھا۔ مکہ مکرمہ میں بعض مشاہیر علما سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، مثلاً شیخ محبّ الدین محمد بن عبدالعزیز بن عمر بن محمد بن فہد الہاشمی المکیؒ جو مکہ کے مشہور مؤرخ تھے۔ نیز شیخ محبّ الدین احمد بن محمد

النویری العقیلیؒ جو مسجدِ حرام کے خطیب تھے، ان کے علاوہ دیگر علما سے بھی استفادہ فرمایا۔ علاوہ ازیں مؤرخِ یمن شیخ عبدالرحمٰنؒ جو صاحبِ تصانیف عالم تھے، ان کے اساتذہ میں ہیں۔(۱)

پھر ۹۴۳ھ میں جب کہ آپ کی عمر چھبیس سال کے قریب ہوگی طلبِ علم کے لیے مصر روانہ ہوئے۔ اس دور میں مصر علما وفضلا سے بھرا پڑا تھا، اور وہاں بڑے بڑے مشائخ کے چشمۂ فیض جاری تھے۔ علامہ قطبیؒ کے الفاظ ہیں: كانت مصر مشحونة بالعلماء العظام، مملوئة بالفضلاء الفخام، ميمونة بيمن بركات المشايخ الكرام، كأنها عروس تتهادى بين أقمار وشموس (۲)— مصر بڑے بڑے علما اور نامور فضلا سے بھرا ہوا تھا، اور بڑے بڑے مشائخ کی برکتوں سے معمور تھا، گویا کہ مصر ایک دلہن تھی جو چاند اور سورج کے درمیان چل رہی تھی۔

مصر میں انہوں نے بڑے بڑے علما سے استفادہ کیا۔ ان کے اساتذہ میں شیخ عبدالحق السنباطی، شیخ محمد تونسی، شیخ ناصرالدین اللقانی وغیرہ ہیں۔ اور مشائخ میں شہاب الدین احمد بن موسیٰ بن عبدالغفار المغربی ثم المصری نزیلِ حرمین ہیں (ان کے والد سلطان غوری کے دیوان میں اربابِ قلم میں تھے) شیخ احمد نے قہوہ کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، الجزیری حنبلی نے جس کا اختصار بھی کیا تھا۔(۳)

شیخ قطبیؒ ۹۶۴ھ میں ترکی کے سفر کے درمیان ملکِ شام سے بھی گزرے ہیں اور وہاں کے مشاہیر علما سے بھی ملاقات کر کے استفادہ کیا۔ ان میں شیخ الاسلام

(۱) مقدمة البرق اليماني : ۱۹ (۲) الإعلام: ۲۲۹ (۳) مقدمة البرق اليماني : ۲۰

الغزیؒ بھی ہیں، ان سے پہلے مکہ مکرمہ میں کسبِ فیض کیا اور پھر شام میں بھی استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ شیخ علاء الدین بن عماد الدینؒ اور قاضی کمال الدین الحمز اویؒ وغیرہ سے بھی فائدہ اٹھایا۔(۱)

اسی طرح استنبول میں بہت سے ترکی علما سے بھی ملاقات کر کے استفادہ فرمایا۔ فارسی، ترکی اور عربی زبانوں میں مہارت اور مختلف ممالک کے مشاہیر علما سے استفادے کے سبب علامہ قطبیؒ کی علمیت میں کافی گہرائی اور ثقافت وسیع ہوگئی تھی، اور وہ علم میں اس مقام کو پہنچ گئے کہ ان کی طرف نظریں اٹھنے لگیں۔ دینی علوم میں کمال کے سبب ان کو مکہ مکرمہ میں منصبِ افتا سپرد ہوا، اور بالآخر وہ وہاں کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان خدمات کے ساتھ ساتھ انہوں نے مکہ مکرمہ کی ایک ایسی تاریخ لکھی جو آج ایک اہم مرجع شمار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں جو آپ کی وسعتِ علم اور گہری معرفت کی شہادت دے رہی ہیں۔ ترکی زبان کی واقفیت کے سبب اس عہد کے ترکی حکام کے یہاں بھی ان کو بلند مرتبہ حاصل تھا، اور انہوں نے بعض ترکی کتابوں کا عربی ترجمہ بھی کیا، مثلاً ترکوں کے یمن فتح کرنے کی تاریخ عربی میں منتقل کی۔ یہ کتاب فاتحِ یمن سنان پاشا نے ان کی خدمت میں پیش کی تھی، آپؒ نے اس کا عربی ترجمہ کیا؛ بل کہ اس میں مفید معلومات کا اضافہ بھی فرمایا۔ اسی طرح ترکی وزیر لطفی پاشا نے "شرح الفقہ الأکبر" کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تو علامہ قطبیؒ نے پہلے اس کا عربی ترجمہ کیا اور پھر وزیر موصوف کی خواہش

(۱) مقدمة البرق اليماني : ۲۰

پراس کو فارسی زبان میں منتقل کیا۔ وزیر موصوف بہت خوش ہوئے اور شیخ کے ساتھ انعام واحسان کا معاملہ فرمایا۔

اُن کے یہ تصنیفی اور تالیفی نقوش ان کے علمی مقام ومرتبے کا پتہ دے رہے ہیں، نیز شیخ رحمہ اللہ نے ان کتابوں کے ذریعہ اپنے دور کے طلبہ، علما اور حکام کی علمی پیاس بجھانے کی کوشش کی ہے۔

بیرونی اسفار:

مصر کے اسفار: علامہ قطبیؒ نے مصر کے متعدد سفر فرمائے، سب سے پہلا سفر گجرات کے وزیر عمدۃ المُلک کے ساتھ ۹۴۴ھ میں ہوا۔ پھر دوبارہ بغرضِ تعلیم مصر تشریف لاکر مقیم رہے۔اس کے بعد ۹۵۴ھ میں سفر ہوا۔ پھر رمضان المبارک ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ سے واپسی میں چند روز تشریف لائے، اور حاجیوں کے قافلے کے ساتھ ساحلی راستے سے ۳؍ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔

شام کے اسفار: اسی طرح ملکِ شام کے بھی چند سفر ہوئے۔ ۹۶۵ھ میں قسطنطنیہ جاتے ہوئے ۱۶؍محرم الحرام کو مدینہ منورہ سے عازمِ سفر ہوئے، اور ۱۵؍صفر المظفر کو دمشق پہنچے۔ ۱۲؍ربیع الاول تک دمشق میں قیام رہا(۱)، اس مدت میں وہاں کے علما اور مشاہیر ادبا واہلِ علم سے ملاقاتیں رہیں۔ اپنے سفرنامے میں اس کا مفصل تذکرہ فرمایا ہے۔

۱۶؍ربیع الاول کو ''حمص'' میں وارد ہوئے؛ دو روز قیام فرما کر علما، مشائخ

(۱) البرق الیمانی کے مقدمہ صفحہ ۲۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں قیام ۱۲؍ربیع الآخر تک رہا اور یہی صحیح ہے۔

وادبا سے ملاقاتیں فرمائیں۔ پھر وہاں سے شہر ''حلب'' کا رخ فرمایا، وہاں علما وادبا سے ملے، وہاں ان کا بہت اعزاز واکرام ہوا۔ بروز اتوار ۲؍جُمادی الاولیٰ کوتر کی کا سفر فرمایا۔ علامہ قطبیؒ جس شہر میں بھی تشریف لے جاتے وہاں کے علما وادبا سے ملاقات فرماتے، ان کے ساتھ علمی مذاکرہ ہوتا اور ادبا کے ساتھ شعری نشستیں ہوتیں۔

صاحب ''الکواکب السائرۃ'' علامہ غزیؒ نے لکھا ہے کہ میرے والد نے جو اس زمانے میں علامۃ الشام سے معروف تھے، قطبیؒ کا بہت اعزاز واکرام فرمایا تھا، اور ان کی بہترین مہمانی فرمائی، علامہ قطبیؒ ''حارۃ القرمانی'' میں مقیم تھے۔ اسی طرح جب قطبیؒ حلب تشریف لے گئے، تو شیخ الاسلام المرعشیؒ نے ان کی بہترین ضیافت کی؛ اس کے باوجود علامہ قطبیؒ نے جو سفر نامہ لکھا ہے، اس میں اہلِ شام سے وہ شاکی نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ''رأیت أهل الشام یغلب علیهم الجفاء والجلافة، والانقباض عن الغرباء، فلم ألف أحدًا منهم''.

''مَیں نے اہلِ شام کو دیکھا کہ ان پر سخت مزاجی غالب ہے، اور وہ اجنبیوں سے دور دور رہتے تھے؛ اس لیے مجھے ان میں سے کسی سے اُنسیت نہیں ہوئی''۔

مگر یہ تاثر عام اہلِ شام کے اخلاق کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ واللہ اعلم!

علامہ قطبیؒ نے علمائے شام میں سے ایک عالم شیخ شمس الدین محمد بن ہلال الحمصیؒ کے بارے میں لکھا ہے: ''له شعر لا بأس به، من أواسط الشعر، فامتدحني بقصیدة، فأرسلت إلیه بکسوة، و معها هذه الأبیات، قصدت بها التعرض بأعیان الشام''.

لافُضَّ فوك ، أديب أهل زمانه نظمًا ، و فاضل عصره و أوانه
أبرزت من بحر القريض جواهرًا وقطفت زهر النظم من أفنانه
لا عيب فيه ، سوى مديح فائق أبصرت قدري قاصرا عن شأنه
و عجبت إذ خالفت أهل الشام في حب الغريب ، وحِرُتُ في إمكانه
وأظن بالتحقيق أنك هاهنا مثلي غريب الدار عن أوطانه (۱)

علامہ قطبیؒ اپنے سفرنامے میں صرف ادبا وعلما کا تذکرہ ہی نہیں فرماتے؛ بل کہ شہروں کے آثاراوران کی دیگر خصوصیات کوبھی بیان کرتے ہیں۔مثلاً شہر حمص کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”و هي بلدة كبيرة جدًا، إلا أن غالبها خراب، و لها حصار عظيم و حصن بها، و يجري بها النهر العاصي، و كانت من محاسن الشام، إلا أنها دثرت الآن، والموجود الآن في دفتر العوارض أربعة ألاف و أربع مأة بيت، و ذالك خارج عن ألف بيت –تقريبًا– ليسوا في الدفتر، لأنهم لا يعطون شيئًا من العوارض. و في نسائهم جمال وحسن ليس في غيرهن من أهل ذالك القطر“.(۲)

ترکی کا سفر: شیخ قطبیؒ نے ۹۶۵ھ میں استنبول کا سفر فرمایا۔ان کا یہ سفر شریف مکہ حسن بن ابی نمیؒ کے نمائندے اور قاصد کی حیثیت سے تھا۔شریف مکہ نے

(۱) مقدمة البرق اليماني: ۲۳، بحواله رحلة القطبي

(۲) مقدمة البرق اليماني : ۲٤، بحواله رحلة القطبي

مدینہ منورہ کے قاضی کو عہدے سے ہٹانے کی سفارش لے کر ان کو سلطان سلیمان القانونیؒ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ قاضی صاحب کے خلاف حجاز کے شریف لوگوں کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کی شکایت تھی، اس نے شیخ قطبیؒ کو قاضی کے معزول کرنے کی درخواست اور بہت سے ہدایا لے کر بھیجا تھا۔ شیخ کے ساتھ شریف کے کچھ اور آدمی بھی تھے؛ مگر یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ علامہ قطبیؒ نے اپنے اس سفر کا حال اپنی کتاب ”الفوائد السنية في رحلة المدينة و الرومية“ میں لکھا ہے۔ شیخ نے یہ سفر محرم الحرام ۹۶۵ھ سے شروع فرمایا تھا، ملکِ شام سے ہوتے ہوئے ۹؍جُمادی الاولیٰ کو ”اذنہ“ سے گزرے، اور شہر ”آق“ میں ۲۳؍جُمادی الاولیٰ کو پہنچے، ۲۵؍جُمادی الاولی کو یہاں سے آگے کا سفر شروع فرمایا۔ شیخؒ نے اس شہر کے قاضی کے بخل کا قصہ بھی اس سفر نامے میں لکھا ہے؛ حالاں کہ ۹۵۴ھ میں قاضی موصوف حج کے زمانے میں شیخ قطبیؒ سے متعارف ہو چکے تھے۔

یکم جُمادی الاخریٰ کو ”قرۃ ایوک“ نامی گاؤں کا رخ کیا؛ تاکہ سلطان سلیمان کے فرزند سلطان بایزیدؒ سے ملاقات کریں۔ سلطان سلیمان نے اپنے اس فرزند کو اس شہر میں نظر بند کر کے رکھا تھا، قطبیؒ نے اس ملاقات کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔

علامہ قطبیؒ اپنا روزنامہ پابندی سے لکھتے اور اس کو ایک جھولے میں رکھ دیتے تھے۔ ”قرۃ ایوک“ سے جب روانہ ہوئے تو یہ بیگ یا جھولا گر گیا۔ شیخ کو اس کا بہت رنج ہوا، تو انہوں نے سلطان بایزید کے جو سپاہی شیخ کے ہمراہ تھے، ان میں سے کسی کو سلطان کی خدمت میں بھیجا؛ تاکہ تلاش کروا کر جھولا واپس کرے۔ سلطانؒ نے مختلف

گاؤں کے چودھریوں کو جمع کر کے اس کی تلاش کا حکم دیا، کافی تلاش اور جد و جہد کے بعد ایک عورت کے پاس سے حاصل کرلیا۔ اس عورت کو انعام دیا گیا، اور یہ امانت شیخ تک پہنچا دی گئی۔ شیخ ۱۱؍ جُمادی الاخریٰ کو استنبول پہنچے اور ۷؍ شعبان تک یعنی پچپن روز مقیم رہے۔ سلطان اور دیگر وزرا سے شرفِ زیارت حاصل کیا۔ علما اور شہر کے سر برآوردہ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ شیخ الاسلام ابوالسعود العمادیؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے، اور ان کی مدح میں عربی قصیدہ کہا، جس کا مطلع یہ ہے:

قبولا ، و إلا خاب سعي الخواطر ☆ و عذرًا ، و إلا ضاق باب المعاذر

یہ قصیدہ ۳۰؍ ابیات پر مشتمل ہے۔ شیخ الاسلامؒ نے اس کو پسند فرمایا، ان اشعار کو ترنم سے پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے: "إن من الكلام لدرًّا، و إن هذا منه"۔

ان کے علاوہ مختلف مسلک و مشرب کے علما سے ملاقاتیں کیں، بہت سے علما ان کی ملاقات کے لیے بھی حاضر ہوتے تھے۔ شیخ قطبیؒ نے سلطان، وزرا اور ملک کے اعلیٰ عہدے داروں کو بہت سے قیمتی ہدیے دیے، جس میں ہندوستان کے قیمتی کپڑے زری لباس بھی تھے۔

علامہ قطبی رحمہ اللہ کو علم و فضل کے سبب اپنے بہت سے ہم عصروں پر بلند مرتبہ حاصل ہوا تھا، اور اس کا طبعی نتیجہ تھا کہ معاصرین میں سے ایک طبقہ حسد و مخالفت کرنے لگا تھا۔

ترکی حکام کے نزدیک ان کی بہت قدر و قیمت تھی؛ چناں چہ ترکی کا کوئی بھی بڑا عہدے دار حج کے لیے آتا تو شیخ قطبیؒ مُطَوِّف کے فرائض انجام دیتے۔ ترکی حکام

ان کے علاوہ کسی اور سے یہ خدمت انجام دلانا پسند نہ فرماتے، یہ اعلیٰ حکام بہت سے قیمتی عطیات سے شیخ کو نوازتے تھے۔ ترکوں نے شیخ کو بہت سے دینی منصب سپرد کر رکھے تھے، درس وتدریس اور افتا وغیرہ امور شیخ کے پاس تھے۔ اور شیخ کی تنخواہ شیخِ حرم کی تنخواہ کے قریب تھی، شیخِ حرم کا مرتبہ شریف مکہ کے بعد سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی وجہ تھی کہ مکہ والے شیخ کو باہر کا آدمی (رجل طارئ) سمجھتے تھے، ان کے نزدیک باہر کا آدمی اس قدر و قیمت اور احترام واکرام کا مستحق نہیں تھا۔

شیخ کے مکان میں آگ کا حادثہ:

علامہ قطبیؒ اپنے روزنامے میں لکھتے ہیں کہ میں ۱۹؍ربیع الاول ۹۵۹ھ بدھ کے روز(۱) ''برکۃ ماجد'' کی طرف بعض دوستوں کے ہمراہ تفریح کے لیے گیا، اس اثنا میں مکہ شریف کے میرے گھر میں آگ لگ گئی، مجھے اس کا سبب معلوم نہیں۔ آگ میرے اسباب وکتب خانہ والے کمرے سے شروع ہوئی۔ میرے کتب خانے میں ۱۵۰۰؍نفیس کتابیں، عمدہ جلدوں میں موجود تھیں۔ ان میں سے بعض کتابیں تو میرے محترم والد صاحبؒ کی طرف سے ملی تھیں، اور بعض بندے نے خریدی تھیں؛ یہ سب کی سب خاکستر ہوگئیں۔ اور گھر کی ہر چھوٹی بڑی اشیا نذرِ آتش ہوگئیں، میرے بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں رہی۔

میرے اہل وعَیال بالائی منزل میں تھے، ان کے لیے سیڑھی سے اترنا ناممکن ہوگیا تو پڑوس کی چھت پر کود کر جان بچالی، اور باسطیہ چلے گئے۔ الحمدللہ!

(۱) البرق الیمانی کے مقدمہ میں صفحہ ۲۸ پر لیلۃ الثلاثاء یعنی منگل کی رات لکھا ہے۔

میرے اہل وعَیال کی جان سلامت رہی۔اس حادثے کے بعد قلب کی تسلی کے لیے مَیں نے فوراً مدینہ منورہ کا سفر کیا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے نقصان کو پورا فرمایا،اوراس سے اچھی کتابیں اوراسباب عنایت فرمادیئے۔بندے نے ''جموم'' کی مسجد کی دیوار پر یہ اشعار دیکھے تو مَیں نے اس کو اپنے لیے غیبی بشارت سمجھا(۱) ؎

ولا تقنط ، إذا أعسرت يومًا فقد أيسرت ، في دهر طويل
ولا تظن بربك ظن سوء فإن اللّٰه أولٰى بالجميل

آگ لگنے کے اسباب:

لکھتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کے علما میں کعبۃ اللہ کی چھت کی اصلاح وترمیم کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا۔کعبۃ اللہ کی چھت میں کمزوری پیدا ہوگئی تھی،تو بعض علما اس کی اصلاح کے جواز کا خیال رکھتے تھے۔علامہ قطبیؒ کی بھی یہی رائے تھی؛مگر بعض اس کو توڑنا اوراصلاح کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

۱۵ر ربیع الاول کو حرم شریف میں علما کی مجلس ہوئی،اوراس مسئلے پر بحث وتمحیص کے بعد قائلینِ جواز کی رائے کو اختیار کیا گیا۔اس مجلس کے تین روز بعد ۱۹ر ربیع الاول کو علامہ قطبیؒ کے گھر میں آگ کا حادثہ ہوا،اس لیے علامہ قطبیؒ کے معاصر شیخ عبدالقادر الجزیری حنبلیؒ مؤلف "درر الفوائد المنظمة" اس آگ کے حادثے کو اسی اختلاف کا سبب بیان کرتے ہیں۔فرماتے ہیں:

---

(۱) هذه الأبيات قد نُسبت إلى أمير المؤمنين علي بن أبي طالبؓ. (علي بن أبي طالب، شخصيته، وعصره. تاليف: علي محمد محمد الصلابي: ص۴۰۷)

"وقع حريق في بيت الشيخ قطب الدين الحنفي، واحترقت كتبه، فزعموا أن ذالك بسبب الفتيا بهدم مايحتاج إليه من عمارة السقف بالبيت الشريف، و تقولوا عليه مالم يكن ...... الخ". (۱)

شیخ عبدالقادر حنبلیؒ نے اس واقعے کی پوری تفصیل لکھی ہے۔

علامہ قطبیؒ کا کتابوں کا شوق:

اس دور میں جس عالم کے پاس ۱۵۰۰ر نفیس کتابوں کا ذخیرہ موجود ہو، وہ یقیناً بہترین کتب خانہ کہے جانے کا مستحق ہے۔ علامہ قطبیؒ صاحبِ ثروت تھے، اس لیے آسانی سے عمدہ کتابیں خرید کر جمع کر لیتے تھے۔ علامہ شوکانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"وكانوا – يقصد الأتراك – يعطونه العطاء الواسع، و كان يشتري بما يحصله منهم نفائس الكتب، و يبذلها لمن يحتاجها، واجتمع عنده منها ما لم يجتمع عند غيره". (۲)

اور وہ لوگ – یعنی ترکی – ان کو بڑے بڑے ہدایا دیتے تھے۔ شیخ رحمہ اللہ ان ہدایا سے عمدہ کتابیں خریدتے تھے، اور ضرورت مندوں پر بھی خرچ کرتے تھے؛ اس لیے ان کے پاس ایسی کتابیں جمع تھیں جو دوسروں کے پاس نہیں تھیں۔

اور پھر علامہ قطبیؒ کا جو رتبہ تھا، اور جن بڑے بڑے مناصب پر فائز تھے، اس کی وجہ سے بھی حرمین شریفین کے کتب خانوں سے استفادہ اور نقل کی سہولتیں ان کو مُیَسَّر تھیں۔ ان کتب خانوں میں سے سلطان قائتبائیؒ کے قائم کردہ دو کتب خانے

(۱) درر الفوائد: ص ۲۲

(۲) البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع: ۲/۵۲

زیادہ معروف اور قیمتی تھے۔ خود علامہ قطبیؒ رقم طراز ہیں کہ:

"و قد استولت عليها أيدي المستعيرين، وضيعوا منها جانبًا كبيرًا، و بقي منها ثلاث مـأة مجلد، و هي تحت تكلم مؤلف هذا الكتاب، صنتها، و كملت بعض مافات منها، و جلدت منها ما يحتاج إلى التجليد، واستخلصت بعض ما وجدته، وأعددته إلى الوقف".

اسی مدینہ منورہ کے سفر کے تذکرے کے ذیل میں وہاں کے کتب خانے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

"وكان نزولي في خزانة كتب الأشرف قايتبايي رحمه الله، و نزل الأولاد و الخدم عند الصهر العزيز البرهاني إبراهيم بن أحمد المالكي".(۱)

علامہ قطبیؒ کے برادر قاضی محبّ الدین بن علاء الدین کا کتب خانہ اور گھر کا سارا اثاثہ لوٹ لیا گیا تھا۔ علامہ قطبیؒ اپنے ایک عربی قصیدے میں۔ جس کا مطلع یہ ہے:

الدنّ لی والكأس والقرقف ☆ و للفقيه الكتب والمصحف

تحریر فرماتے ہیں: "ذهبت القصيدة مع مسوداتي و رسائلي و كتبي في الحريق الواقع ۹۵۹هـ".

مگر اللہ تعالیٰ نے علامہ رحمہ اللہ کو دوسری بہترین کتابوں کا بدل مرحمت فرما دیا تھا۔ بعض قیمتی مخطوطات جن پر ان کا نام یا تعلیقات ہیں، مختلف کتب خانوں میں

(۱) رحلة القطبيؒ المخطوطة: صفحة: ۸

پائے جاتے ہیں۔ بعض کتابیں حادثے کے بعد لکھی گئیں، اور بعض کو دوبارہ لکھوایا گیا، اس کا مختصر ذکر آیندہ صفحات میں ہوگا۔

علامہ کے اقتصادی حالات:

علامہ کے والدِ مرحوم اور خود ان کو سلاطینِ گجرات کی طرف سے عطیات ملتے تھے، اور مکہ معظّمہ کے مدرسے اور رباط کے اہتمام ونگرانی کے سبب بھی سلاطین ان کی خدمت کرتے تھے۔ پھر ترکوں نے بھی ہر طرح ان کی قدرشناسی کی، اور جیسے علامہ شوکانیؒ نے لکھا: "**يعطونه العطاء الواسع**" ترک قیمتی ہدایا پیش کرتے تھے۔ اسی طرح مکہ مکرمہ کے امرا اور اعلیٰ حکام سے بھی بہت قریبی روابط تھے، اسی لیے شیخ کو قسطنطنیہ کی سفارت کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ اس لیے شیخ خوشحالی کی زندگی گزارتے تھے، اور دوستوں، نیز اہلِ تعلق پر بھی خرچ کرتے تھے۔ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں:

"كان كثير التنزهات في البساتين، وكثيرًا ما يخرج إلى الطائف، يستصحب معه جماعة من العلماء والأدباء، و يقوم بكفاية الجميع". (۱)

ترکی سلاطین نے ان کی تنخواہ شیخِ حرم کے مشاہرے کے قریب قریب مقرر کی تھی۔ اور انھوں نے جب "مدرسہ سلطانیہ" کی بنیاد ڈالی تو فقہِ حنفی کا شعبہ شیخ قطبیؒ کے سپرد ہوا، ان مدارس پر حکام بے دریغ مال خرچ کرتے تھے۔ نیز ترکی حکام وولاۃ میں سے کوئی حج یا عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ آتے تھے تو شیخ ہی ان کو طواف کراتے تھے، اور وہ حکام قیمتی بخششوں سے ان کو نوازتے تھے۔

---

(۱) البدر الطالع: ۵۲/۲

علامہ قطبیؒ سلطان سلیمان القانونیؒ کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”و قد أهلني لأن قبلت يده، و ألبسني تشريفة التشريف، وشملني بإحسانه الوافر الوريف، مما أنا إلى الآن أتقلب في جزيل إنعامه، وأعيش إلى الآن في فائض تفضلاته و إكرامه، وأترحم على ذاته كلما ذكرت إحسانه“۔ اورفرماتے ہیں کہ: ”إنه خصص له مرتب يومي عندما عهد إليه بالتدريس في مدرسة الأحناف ”السليمانية“ بلغ ستين عثمانيا في اليوم، و هذا مبلغ يعتبر في ذالك العهد ضخمًا“.(۱)

علامہ قطبیؒ کی تالیفات:

علامہ قطبیؒ نے مذہب، ادب اور تاریخ وغیرہ مختلف موضوعات اورفنون کی کتابیں تالیف فرمائی تھیں۔ان میں سے کچھ دستیاب ہیں، اوربعض ناپید ہوچکی ہیں، بعض تالیفات اوررسائل توان کی زندگی میں ہی آگ میں جل کرخاکستر ہوگئے تھے۔

(۱) ”الإعلام بأعلام بيت الله الحرام“

یہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے،اس کے اخیری صفحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب سلطان مراد بن سلیم (۹۸۲-۱۰۰۳ھ) کے زمانے میں لکھی گئی ہے۔اس کو بہت پہلے لکھنا شروع کردیا تھا،اور بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے۔اگرچہ کتاب مکہ مکرمہ کی تاریخ ہے؛ مگراخیری قسم میں سلاطینِ عثمانیہ کی مفصل تاریخ، ابتدا سے سلطان مراد تک لکھ دی گئی ہے۔

(۱) الإعلام بأعلام بيت الله الحرام:۱۹۷ على حاشية خلاصة الكلام

(۲) "البرق اليماني في الفتح العثماني"

(۳) "تاريخ مرتب على السنين"

سنین کی ترتیب سے یہ تاریخ مرتب ہوئی ہے، اس کا تذکرہ شیخ عبداللہ میرداد ؒ نے اپنی کتاب "نورالزهر" میں کیاہے،انہوں نے اس کو اپنی کتاب کے مصادر میں سے شمار کیا ہے۔مصادر کے ذکر میں لکھاہے: "تاريخ العلامة قطب الدين المكي الحنفي المرتب على السنين"۔

شیخ عبداللہ میرداد ؒاسی صدی کے عالم ہیں،۱۳۴۳ھ میں شہید کردیئے گئے تھے۔اسی طرح شیخ عبدالوہاب الدہلوی ؒ نے حرمین شریفین، طائف اور جدہ میں تالیف کردہ کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے بارے میں لکھاہے:

"إنه غير "الإعلام" المطبوع، وإنه كان موجودًا بمكة عند الشيخ عبد الله ميرداد أبوالخير".

(۴) "تذكرة النهروالي"

اس کتاب کے بارے میں سید محمد بن عبداللہ الحسینی المعروف بکبریت نے اشارہ فرمایاہے: "وله تذكرة جامعة" ۔متقدمین کے نزدیک "تذکرہ" وہ کتاب ہوتی تھی جس میں کوئی عالم اہم اور ضروری باتیں لکھ دیتے تھے، جس کو ضرورت کے وقت دیکھا جائے، اوراس کی طرف رجوع ہوسکے۔

علامہ قطب الدین ؒ کا تذکرہ ان کے قلم سے لکھا ہوا موجود ہے، ظاہر ہے کہ یہ تذکرہ کتب خانے کے خاکستر ہونے کے بعد لکھا ہوا ہوگا۔اس کی ابتدا اس طرح ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم، اللهم لا سهل إلا ما جعلته سهلا، وأنت إذا شئت جعلت الحزن سهلا۔ مما وقع من افتقاد الله تعالیٰ لی إنی توجهت ليلة الثلاثاء تاسع عشر ربيع الأول ۹۵۹ھـ إلى بركة ماجد، مع بعض الأصحاب للتنزه، فوقع الحريق في داري بمكة، ولا أدري كيف وقع؟ غير أنه ابتدأ من القاعة التی بها أسبابي وكتبي، وكانت زهاء ألف وخمس مأة مجلد من نفائس الكتب التي ملكتها، و ورثت بعضها عن أبي رحمه الله، فذهبت كلها.

اس تذکرے میں ان کے مدینہ منورہ کے متعدد سفر، استنبول کا سفر وغیرہ کا تذکرہ بھی ہے۔اوراس کے علاوہ اس میں بہت سے تاریخی واقعات اوران کے عربی فارسی قصائد، نیز دیگر شعرا کے اچھے قصائد جمع کر دیئے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ علامہ قطبی رحمہ اللہ کے پاس ایک بڑا دفتر تھا جس میں وقتاً فو قتاً نوادرات ومعلومات بغیر ترتیب کے لکھتے تھے۔

(۵) ”التمثيل والمحاضرة بالأبيات المفردة النادرة“

یہ ادب کی کتاب ہے،علامہ قطبیؒ نے اس کی تالیف فرما کر مغربِ اقصیٰ کے سلطان الغالب بأمر اللہ الشریف عبداللہؒ کی خدمت میں پیش کی تھی۔اس کتاب کی ابتدااس طرح ہے: ”أحسن حمد لله وأكمله وأتمه في بيوت أذن الله أن ترفع ويذكر فيها اسمه“.

خطیب اور مقرر کو جن ابیات کی ضرورت پیش آتی ہے اور علمی مجالس میں جن

اشعار سے استشہاد کیا جاتا ہے، ایسے اشعار عرب شعرا کے دیوانوں سے منتخب کرکے جمع کردیئے ہیں۔اس کتاب کا ایک نام "تمثال الأمثال النادرة" بھی ہے،اس کا ایک قلمی نسخہ جو۱۰۶۳ھ کا لکھا ہوا ہے، اور جس کے حاشیے پر بعض تعلیقات ہیں "دارالکتب المصریۃ" میں موجود ہے۔

(۶) "الجامع لكتب السنة الستة في الحديث"

علامہ شریف ابومحمد مصطفیٰ بن سنان بن احمد الحسینی الہاشمیؒ جو حنابی سے مشہور ہیں،انہوں نے اپنی کتاب "تاريخ الحنابي" میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔شاید یہ ان کتابوں میں سے ہے جو جل گئی ہیں؛ اس لیے کہ مختلف کتب خانوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں ملتا۔

(۷) "زيادات على دستور الأعلام"

اصل کتاب ابن عزمؒ کی ہے، جس میں علامہ قطبیؒ نے کچھ اضافے کیے ہیں۔اس کا ایک نسخہ حرمِ مکی کے مکتبے میں اور دوسرا استنبول میں موجود ہے۔

(۸)"طبقات الحنفية"

علامہ قطبیؒ نے حنفی علما کے حالات میں یہ کتاب لکھی تھی؛ مگر یہ بھی آگ میں جل گئی،جیسا کہ مصنف "الكواكب السائرة" نے لکھا ہے۔"تاريخ الحنابي" میں لکھا ہے کہ یہ کتاب چار جلدوں میں تھی۔

(۹) "الفتوحات العثمانية للأقطار اليمانية"

ترکی سلطنت نے یمن کی فتح کے لیے جو فوج کشی کی تھی،اس کا تذکرہ علامہ

قطبیؒ نے اس کتاب میں کیا ہے۔اس کو لکھ کر سلطان سلیم خانؒ کی خدمت میں پیش کی تھی، پھر اس کا نام تبدیل کر کے "البرق اليماني في الفتح العثماني" رکھ دیا۔ اس کتاب میں "البرق اليماني" کی بہ نسبت سلاست وروانی زیادہ ہے۔ "البرق اليماني" میں کچھ اضافے ہیں۔اس کتاب کا ایک عمدہ نسخہ ۹۸۶ھ کا لکھا ہوا ہے، یعنی مصنفؒ کی حیات میں لکھا ہوا "ویانا" کی پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

(۱۰) "الفوائد السنية في رحلة المدينة و الرومية"

یہ کتاب علامہ قطب الدینؒ کی اہم تالیفات میں شمار کی جاتی ہے۔اس میں مختلف اور متنوع معلومات ہیں، اور علم ومعرفت کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔مختلف شہروں اور مقامات کا تذکرہ اور مؤلف کے مشاہدات درج ہیں۔اسی طرح مختلف شہروں کے علما، ادبا اور ان کے آثار کا تذکرہ کیا گیا ہے۔۹۶۵ھ کے ترکی کے سفر کے دوران یہ کتاب لکھی گئی ہے؛ ایک صفحے میں تقریباً ۳۵ر سطریں باریک فارسی رسم الخط میں ہے،اور نسخہ مصنفؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

(۱۱) "كنز الأسماء في فن المعمى"

یہ بھی ادبی کتاب ہے،اس کتاب کے نسخے اسکوریال، برلن اور "جامعة الحكمة" بغداد (عراق) کے کتب خانے میں ہیں۔

(۱۲) "معيار المريدين"

اس کتاب کا ایک نسخہ "مکتبۃ الفاتح" استنبول المجموعہ ۵۲۹۳ مخطوطہ ۱۱۷۸ھ ہے۔اس کی ابتدا اس طرح ہے: "أما بعد! فهذا ذكر الفرق التي غلطت في

الإباحة، و الحلول، و الاتحاد، و التجسيم، و بيان عوّارهم، والرد عليهم" ۔ یہ کتاب ۴۵ رصفحات میں ہے، ہر صفحہ پندرہ سطروں پر مشتمل ہے، اور بہترین خطِ نسخ میں موجود ہے۔

(۱۳) "مناسک الحج"

علامہ قطب الدین رحمہ اللہ نے مناسکِ حج کے موضوع پر یہ کتاب تالیف فرمائی ہے۔ان کے علاوہ ان کی دیگر تالیفات عربی اور فارسی زبان میں ہیں۔ انہوں نے "الإعلام" میں لکھا ہے کہ مصطفیٰ پاشا کی "شرح فقہ اکبر" کو ترکی سے عربی میں؛ پھر فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔

علامہؒ کے اشعار:

علامہ اپنے دور کے اچھے شعرا میں شمار کیے جاتے تھے۔مصنفِ "الكواكب السائرة" نے لکھا ہے کہ "إن شعره في غاية الرقة" اور اس کے کچھ نمونے ذکر فرمائے ہیں(۱)۔اسی طرح "النور السافر" کے مصنف نے بھی کچھ اشعار نقل فرمائے ہیں۔ ان کے عمدہ اشعار وہ ہیں جو غزل میں ہیں۔ حِکَم میں بھی اچھے اشعار ہیں۔ علامہؒ کے بعض آثار آگ میں جل گئے، بعض بھائی کے کتب خانے سے لوٹ لیے گئے، اور بعض نفیس کتابوں کو استنبول کے سفر کے دوران فروخت کرنا پڑا۔

(واللہ اعلم)

---

(۱) الكواكب السائرة: ۴۷/۳

علامہ کی وفات:

عبدالملک العصامیؒ- جو مکہ مکرمہ کے مؤرخ ہیں- اور دیگر مؤرخین نے آپ کی تاریخ وفات بروز ہفتہ بوقتِ اذانِ فجر بتاریخ ۲۶/ربیع الثانی ۹۹۰ھ لکھی ہے۔ بعض مکی فضلا نے "قدمات قطب الدين أجل علماء مكة" سے تاریخِ وفات نکالی ہے، جس سے ایک سال زائد معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے بعض لوگوں نے سنہ وفات ۹۹۱ھ کو شمار کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

علامہ قطبیؒ کے خاندان کے بعض فضلا:

(۱) یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ علامہ قطب الدینؒ کے والد مکہ مکرمہ ہجرت سے پہلے بعض اہم دینی منصبوں پر فائز رہ چکے تھے، اور مکہ مکرمہ میں بھی بعض مدارس اور رباط کا اہتمام وانتظام ان کے سپرد ہوا تھا؛ علاوہ ازیں مسجد حرام میں ان کے درس بھی ہوتے تھے۔

(۲) علامہ قطبیؒ کے بھائی شیخ محبّ الدین بن حبیب اللہ بڑے قابل عالم تھے، عثمانی سلاطین کے یمن پر قابض ہونے کے بعد یمن کے بعض علاقوں کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ علامہ قطبیؒ سے قبل ان کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ پر ان کے لڑکے عبدالکریم قطبیؒ کو قاضی مقرر کرنے کی سفارش کی گئی، جن کا ذکر ابھی آتا ہے۔

بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ علامہ قطبیؒ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، صرف چار لڑکیاں تھیں۔ عصامیؒ نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ:

"أما قطب الدين فلم يعقب سوى أربع بنا ت لا غير".

مگر ایک کتاب -جس کا نام "**ابتھاج الزمن**" ہے،جس کے مؤلف کا نام محمد بن قطب الدین محمد بن علاء الدین احمد بن خوردار، النہروالی القادری الخرقانی الحنفی لکھا ہوا ہے۔ اس کتاب کی سنہ تصنیف یکم ربیع الاول ۱۰۰۵ھ ہے، اور مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ نسخہ مکتبہ عباسیہ بصرہ (مکتبہ باش أعیان) ۱۶۰/ر پر موجود ہے۔ اور اس نسخے کی اور نقول بھی ہوئی ہیں، بعض لوگوں نے اس کتاب کی نسبت علامہ قطبیؒ کی طرف کی ہے؛ مگر یہ صحیح نہیں- سے ان کے لڑکے محمد کا پتہ چلتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قطبیؒ کے اس فرزند کی زیادہ شہرت نہ ہوئی ہو، اور اس وجہ سے عصامیؒ نے اولادِ ذکور کا انکار کردیا ہو۔

(۳) عبدالکریم بن محبّ الدینؒ: یہ قطبی گھرانے کے مشہور عالم تھے، علامہ قطب الدینؒ کے بعد ان ہی کا درجہ تھا۔ ۹۶۱ھ میں احمد آباد میں ولادت ہوئی، پھر اپنے والد کے ہمراہ مکہ مکرمہ تشریف لائے، اور اپنے عالم چچا علامہ قطب الدینؒ کی صحبت میں رہ کر علوم کی تکمیل فرمائی۔ علامہ قطب الدینؒ کی وفات کے بعد ان کے قائم مقام بن کر مفتیٔ مکہ کے منصب کو سنبھالا، اور اعیانِ حکومت سے بھی اچھے روابط پیدا کیے۔ اسی لیے مکہ کے اشراف بعض معاملات میں ان کے توسط سے کام نکالتے تھے، ان کے اثر ورسوخ کے سبب امامت کا مسئلہ بھی حل ہوا۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کی مساعی سے مکہ کے حنفی مفتی کی تنخواہ جدہ بندر کی آمدنی میں سے مقرر ہوئی۔ ان کے لیے بعض خلعتیں مصر سے اور بعض رومی علاقے سے آتی تھیں۔ اس کے ساتھ سو دینار سالانہ بھی ملتے تھے، اور یہ سلسلہ عثمانی سلاطین کے حجاز پر حکومت قائم کرنے تک رہا۔

علامہ عبدالکریمؒ کی مؤلفات میں "النهر الجاري على البخاري" ہے؛ مگر وہ نامکمل ہے۔ "الإعلام" پر بھی بعض اضافات ہیں؛ مگر اس میں اہم واقعات مندرج ہیں۔ یہ کتاب استاذ عبدالعزیز الرفاعی اور استاذ محمد احمد جمال کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۶۹ء میں طبع ہو چکی ہے۔

ان کے والد شیخ محبّ الدین کی وفات کے بعد ان کے چچا نے یمن کی قضا کے لیے ان کی سفارش کی تھی؛ مگر وہاں کے حالات میں مسلسل گڑبڑ اور سیاسی ابتری کے سبب شاید وہ اس عہدے پر زیادہ دن کام نہیں کر سکے؛ مگر اس کے بعد مکہ مکرمہ میں اس سے زیادہ اہم عہدوں پر مقرر کیے گئے۔

شیخ عبدالکریمؒ کو کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، ان کے چچا کا قیمتی کتب خانہ ورثے میں ملا تھا، اس کے علاوہ اور بھی بہترین کتابیں جمع فرمائیں، یہاں تک کہ ان کے کتب خانے میں چودہ ہزار کتابیں جمع ہو گئیں۔ ان سے میں کوئی ایک، کوئی دو اور کوئی تین یا اس سے زائد جلدوں میں تھیں۔ بعض کاتب ان کے گھر کے قریب ہی رہتے تھے، شیخ عبدالکریمؒ کو جس کتاب کی ضرورت ہوتی وہ اس کو نقل کر دیتے تھے۔ (۱،۲)

---

(١) قلت: قيل إنها سميت نسبةً إلى جدة بن جرم، حفيد قضاعة بن معد بن عدنان. وزعم كثير من الناس أنها مقبرة الجدة حواء؛ فلذلك فتحوا جيمها. والعوام من الناس ينطقونها بكسر الجيم، والصواب أنها بضم الجيم كما ذكره النووي و الحموي و صاحب "مراصد الاطلاع" وغيرهم من المحققين. قال النووي في تهذيب اللغات: ص٧٧، الجُدَّة شاطئ البحر و به سُمّيت جُدة المدينة المعروفة على ساحل البحر، بقرب مكة شرفها الله تعالٰى. اهـ ! و في "المعالم الأثيرة في السنة والسيرة": و ليس صحيحًا ما يقال: إنها مقبرة الجُدة حواء الخ: ص٧٨. (إسماعيل عفى عنه) (٢) نظم الدرر في اختصار نور الزهر، تاليف: شيخ عبد الله غازيؒ: ص ٤١، نسخة الشيخ محمد نصيف في جُدَّة.

ذی الحجہ ۱۰۱۴ھ کے نصف میں مکہ مکرمہ میں انتقال فرمایا، اور قبرستان "جنة المَعُلاة" میں مدفون ہوئے۔ رحمه الله تعالیٰ رحمةً واسعةً!

(۴) شیخ اکمل الدین بن عبدالکریمؒ: تذکرہ نگاروں نے ان کو مفتیٔ مکہ لکھا ہے، اور علمائے مکہ میں ان کا شمار کیا ہے؛ مگر ہم کو ان کی علمی خدمات واہلیت کا صحیح علم نہ ہوسکا۔ ۹۸۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی ہے، کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شریفِ مکہ فہید اور ادریس کے درمیان جب اختلاف ہوا تو انہوں نے مداخلت کی، اور فہید کی حمایت میں رہے؛ مگر اس اختلاف میں ادریس غالب رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عالم "الأعاضيد" نامی طائف کے ایک گاؤں میں قتل کردیئے گئے۔ صاحبِ "خلاصة الأثر" نے تاریخِ وفات ۱۰۰۹ھ لکھی ہے، مگر یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خود صاحبِ "خلاصة الأثر" لکھتے ہیں کہ: انہوں نے والدؒ کے بعد حرم کی امامت کا منصب سنبھالا تھا، اور ان کے والد کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا ہے۔ اور دونوں شریفوں (فہید اور ادریس) میں اختلاف اس کے چھ سال بعد ہوا ہے، اس لیے تاریخِ وفات ۱۰۱۹ھ ہوگی۔[1]

(۵) عبدالکریم بن شیخ اکمل الدینؒ: تذکرہ نگاران کو بھی مکہ مکرمہ کے بڑے علما میں شمار کرتے ہیں۔ حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر تصوف کا شدید غلبہ ہوگیا تھا، ان کی ایک کتاب "شرح الفصوص للقونوي" ہے۔ ان کی وفات ۱۰۵۵ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی ہے۔

---

(۱) مقدمة البرق اليماني: ۵۸

(۶) ابو محمد بن شیخ علاؤ الدینؒ: یہ علامہ قطب الدینؒ کے بھائی ہیں۔ علامہ قطبیؒ نے اپنی کتاب میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ۹۲۹ھ میں پیدا ہوئے تھے، والدؒ کے انتقال کے بعد علامہ قطبیؒ کی نگرانی اور کفالت میں رہے، اور ان ہی سے شرفِ تلمذ بھی حاصل رہا۔ بلادِ روم کا سفر کیا، اور دوبارہ مکہ مکرمہ تشریف لائے، پھر ہندوستان کا سفر فرمایا۔ ۹۷۷ھ میں ان کے بھائی علامہ قطب الدینؒ کے اصرار پر یمن کے شہر زَبید کے قاضی مقرر کیے گئے، اخیری عمر تک پھر وہاں مقیم رہے۔ ۹۷۹ھ میں وفات ہوئی۔

(۷) خلیل اللہ ابن حبیب اللہؒ: یہ شیخ قطبیؒ کے بھتیجے ہیں، یمن میں ''تعز'' شہر کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ ۹۸۲ھ میں انتقال ہوا۔

علامہ قطبیؒ حرم شریف کے قریب ہی رہتے تھے، اب تک وہاں ایک دروازے کا نام ''بابِ قطبی'' ہے۔ اس خاندان کے سارے افراد انتقال کر گئے، صرف ایک عورت سُعادہ نام کی تھی جن کو لڑکا ہوا، اور وہی اس خاندان کے اثاثے کا وارث ہوا۔(۱) (واللہ اعلم بالصواب)

عمر رضا کحالہ نے علامہ قطب الدینؒ کے حالات کے لیے مندرجۂ ذیل کتب کا حوالہ لکھا ہے:

(۱) شذرات الذهب لابن العماد

(۲) النور السافر للعيدروس

---

(۱) تاریخِ مکہ: ۲/۱۰۶

(۳) البدر الطالع للشوكاني

(٤) كشف الظنون لحاجي خليفه

(٥) فهرس الفهارس

(٦) کتب خانہ سندھ کوہرمی زادہ۔نورعثمانیہ کتب خانہ

(٧) فهرس مخطوطات الظاهرية، يوسف العش

(٨) هدية العارفين للبغدادي

(٩) إيضاح المكنون

اس کے علاوہ بعض انگریزی کتابوں کے بھی نام ہیں۔(معجم المؤلفین)

بلغ العُلٰی بِکمالہ

کشف الدجٰی بجمالہ

حسُنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ و آلہ

علامہ ابوبکر طرطوشی(۱) مالکیؒ
اور ان کی کتاب ''سراج الملوک''(۲)

اندلس (اسپین) میں سلاطین بنوامیہ نے بلنسیہ اور قرطبہ کے مشرق میں پہاڑوں کے دامن میں ایک مضبوط فصیل والا بلند شہر بسایا تھا جس کا نام طرطوش تھا، اس شہر کے اطراف میں پہاڑوں پر صنوبر کے اونچے اونچے اور موٹے تنے والے درخت کثرت سے ہوتے تھے، ان کی لکڑیاں دنیا بھر میں مشہور تھیں، اس لکڑی کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں کیڑے نہیں لگتے تھے، اس بنا پر اس شہر میں کشتیاں بنانے کی صنعت قائم کی گئی تھی، بلند پہاڑوں اور اونچے درختوں کی موجودگی اور سمندر کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی خوب صورتی دوبالا ہوگئی تھی۔

اس پُرفضا مقام اور معروف شہر طرطوش میں علامہ ابوبکر مالکیؒ ۴۵۰ھ یا ۴۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے ان کو طرطوشی کہا جاتا ہے۔

---

(۱) علامہ سمعانیؒ نے الأنساب: ۴/ ۶۲، اور علامہ جزریؒ نے اللباب في تهذيب الأنساب: ۲/ ۲۸۰ پر اِس کا ضبط بایں الفاظ فرمایا ہے: ''الطرطوشي: بسكون الراء، بين الطائين المهملتين المضمومتين، و بعدهما الواو، و في آخرها الشين المعجمة''۔

(۲) یہ مضمون ''تراث الإنسانية'' نامی مجلّہ میں مصر کے ڈاکٹر جمال الدین نے لکھا ہے، اس کی اردو ترجمانی میں حسبِ ضرورت حذف واضافہ سے کام لیا گیا ہے۔

ابتدائی تعلیم:

شیخ کی ابتدائی تعلیم طرطوش کی بڑی مسجد میں ہوئی، جب عمر کچھ بڑی ہوئی تو علم کی طلب میں اندلس کے دوسرے شہروں کا رخ کیا، اسی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے انہوں نے سرقسطہ نامی شہر کا بھی سفر کیا اور وہاں کے بڑے بڑے علما سے استفادہ فرمایا، اس وقت سرقسطہ میں قاضی ابوالولید باجیؒ کی علمی شہرت بام عروج پر پہنچی ہوئی تھی اور وہ گروہِ علما کے سرخیل تھے، شیخ ابوبکرؒ نے ان سے شرف تلمذ حاصل کر کے فقہی مسائل اور دیگر علوم حاصل کیے اور علامہ باجیؒ نے ان کی اعلیٰ صلاحیت دیکھ کر اجازت سے بھی مشرف فرمایا۔ اس وقت علامہ باجیؒ جیسا بلند پایہ عالم اور کوئی نہیں تھا، علامہ ابن حزمؒ وفات پا چکے تھے، اس لیے تشنگانِ علوم نبوت کے قافلے مشرق ومغرب سے علامہ باجیؒ ہی کے پاس آتے تھے۔

تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوبکرؒ ۴۷۰ھ میں بیس سال کی عمر میں علامہ باجیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چار سال بعد ۴۷۴ھ میں علامہ باجیؒ کی وفات ہوگئی، ان کی وفات کے بعد دیگر علما سے استفادہ کرتے رہے۔ پھر اپنے زمانے کے علما کی طرح ان کو بھی مشرقی ممالک کے سفر اور وہاں کے علمی حلقوں سے فیض حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا، اس لیے انہوں نے حج اور طلب علم کے لیے سفر کرنے کا قصد کرلیا، شاید اس شوق کو بڑھانے میں ان کے استاذ علامہ باجیؒ کی زندگی کے احوال بھی معاون رہے ہوں گے؛ اس لیے کہ علامہ باجیؒ بھی حج کے سفر کے بعد تین سال مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے تھے اور اس کے بعد بغداد، موصل،

دمشق کا سفر کرکے وہاں کے علما واکابر سے فیض حاصل کر چکے تھے۔ علامہ باجیؒ تیرہ سال تک علما سے سیراب ہوتے رہے اور علمی دست گاہ حاصل کرکے ہی وطن واپس ہوئے تھے؛ چناں چہ جب وہ اندلس واپس ہوئے تو ان کی علمیت اور وسعتِ معلومات کی وجہ سے اندلس کے علمی حلقوں میں شور سا برپا ہوگیا، تو پھر ایسے عظیم استاذ کی پیروی شاگرد کیوں نہ کرتا؟

مشرق کا سفر:

علامہ ابوبکر طرطوشیؒ نے ۴۷۶ء میں وطن کو خیر باد کہا جب کہ ان کی عمر پچیس سال کی تھی(۱)، اور اس بھرپور جوانی میں انھوں نے مشرق کا سفر شروع کیا، سب سے پہلے وہ کہاں اور کس راستہ سے گئے(۲) اس کی تفصیلات کا سراغ نہیں ملتا، بس یہ پتہ چلتا ہے کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد مکہ معظّمہ میں مقیم ہوئے اور درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری فرمایا، ان کے ایک رفیق درس نے جو علامہ باجیؒ کے اسباق میں طرطوشی کے ساتھ تھے ان کو مکہ معظّمہ میں تعلیمی کاموں میں مصروف پایا، اور اس کا انھوں نے تذکرہ کیا ہے۔

علامہ طرطوشیؒ مکہ معظّمہ میں زیادہ دن نہیں رہے بل کہ جلد ہی انھوں نے دیگر ممالک کا رخ کیا، چوں کہ بغداد اس زمانہ میں اسلامی دنیا میں علم کا سب سے بڑا مرکز

---

(۱) مرآت الجنان و عبرة اليقظان في معرفة حوادث الزمان: ۲/۲ (۲) مرآت الجنان میں یافعی اور سیر اعلام النبلاء میں علامہ ذہبیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حج کے ارادے سے نکلے، حج کیا، پھر بغداد اور بصرہ کا سفر فرمایا۔
(سير أعلام النبلاء: ۱۹/ ۴۹۰، مرآت الجنان و عبرة اليقظان في معرفة حوادث الزمان: ۲/۲)

تھا اور علما مشرق و مغرب سے سفر کر کے بغداد آیا کرتے تھے اس لیے حج کا فریضہ ادا کرنے اور کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعد طرطوشیؒ بھی اسی مرکز علم و علما کا قصد سفر کر کے بغداد پہنچے اور بغداد کے مشاہیر علما سے بھرپور علمی استفادہ کیا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ سلجوقی شہنشاہوں کے وزیر با تدبیر نظام الملک کے ہاتھوں میں مشرق کی باگ ڈور تھی، نظام الملک کے بارے میں آتا ہے: ''و هو وزير يحب العلم والعلماء و يقربهم إليه و يغدق عليهم العطايا'' یہ وزیر علم و علما کو چاہنے والا تھا، علما کو اپنی مجلس میں قریب رکھتا تھا اور ان پر انعام و اکرام کی بارش کرتا تھا۔

نظام الملک کا عظیم کارنامہ:

تاریخ نے نظام الملک کا یہ کارنامہ قلم بند کیا ہے کہ اسلامی ممالک میں یہ پہلا شخص ہے جس نے باقاعدہ مدارس کی بنیاد ڈالی، اس سے پہلے مسجدیں ہی درس گاہیں تھیں اور مسجد کے حلقوں میں لوگ شریک ہو کر علم حاصل کرتے تھے، نظام الملک نے طلبہ اور اساتذہ کے لیے رہائش اور وظائف کا انتظام کیا اور اس کے لیے بڑے بڑے اوقاف وقف کیے، مختلف مدارس کے الگ الگ نام رکھے، ان مدارس کو ''مدارسِ نظامیہ'' کہا جاتا تھا۔ ان میں سب سے بڑا اور مشہور مدرسہ بغداد کا مدرسہ نظامیہ تھا جو علامہ طرطوشی کے بغداد پہنچنے سے قبل ہی تعمیر ہو چکا تھا، طرطوشی نے اس مدرسہ کو اس وقت دیکھا جب یہ بام عروج پر تھا اور ان کو وہاں کے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ شیخ طرطوشی نے اپنی کتاب ''سراج الملوک'' میں اس مدرسہ کے حالات، اس کی تعمیر کی تاریخ اور دیگر تفصیلات ذکر کی ہیں۔

مدرسہ نظامیہ بغداد میں سب سے پہلے ابونصر عبدالسید بن محمود الصباغ نامی عالم کا تدریس کے لیے تقرر ہوا تھا، ان کے بعد فقہائے شافعیہ میں سے کئی جلیل القدر علما وہاں تدریس کے لیے مقرر ہوئے؛ ان میں ابواسحاق شیرازیؒ، ابوسعد عبدالرحمٰن بن مامون المتولی، ابوبکر محمد بن احمد الشاشی اور حجۃ الاسلام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمہم اللہ تعالیٰ بہت معروف ہیں۔(۱)

شیخ کے اساتذہ:

شیخ ابوبکر طرطوشیؒ مالکی المذہب تھے اس کے باوجود انہوں نے فقہائے شافعیہ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ان سے استفادہ کیا، ان کے علاوہ بعض علمائے حنابلہ سے بھی کسب فیض کیا۔ حمیری نے "صفة جزيرة الأندلس" نامی کتاب میں لکھا ہے: "وسكن بغداد وتفقه على أبي بكر الشاشي وسمع بها الحديث" بغداد میں قیام پذیر ہوئے اور شیخ ابوبکر الشاشی سے علم فقہ حاصل کیا اور بغداد ہی میں علم حدیث بھی حاصل کیا(۲)۔ یاقوت معجم البلدان میں رقم طراز ہیں:

و دخل بغداد و البصرة، فتفقه عند أبي بكر الشاشي و أبي سعد بن المتولي و أبي أحمد الجرجاني أئمة الشافعية، ولقي القاضي أبا عبد الله الدامغاني، و سمع ببغداد من أبي محمد التميمي الحنبلي وغيرهم.

بغداد اور بصرہ تشریف لے گئے اور شیخ ابوبکر الشاشی، ابوسعد بن المتولی اور ابواحمد جرجانی وغیرہ ائمہ شافعیہ سے فقہ کا علم حاصل کیا؛ نیز قاضی ابوعبداللہ دامغانی

(۱) الإنباء في تاريخ الخلفاء:۳۱۳ (۲) صفة جزيرة الأندلس:۴۵

سے بھی ملاقات فرمائی اور بغداد میں شیخ ابومحمد تمیمی حنبلی وغیرہ علما سے سماع حدیث سے مشرف ہوئے۔(۱)

شام کا سفر:

علامہ طرطوشیؒ بصرہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں ابوعلی محمد بن احمد التستری سے کسب فیض کیا اوراس کے بعد انہوں نے ملک شام کا رخ کیا، چوں کہ علامہ بغداد وبصرہ میں تکمیل علم کے بعد شام تشریف لائے تھے اوراب وہ فکری اعتبار سے بھی پختہ ہوکر تدریس کے قابل بن گئے تھے،علم کے ساتھ زہداورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے اوصاف بھی ان میں راسخ ہو گئے تھے اس لیے شام میں داخل ہونے کے وقت سے حیات کے آخری لمحہ تک ایک زاہد عالم کی حیثیت سے جانے پہچانے گئے۔ان کا زہدعلم پر غالب تھا، عالم زاہد کی بجائے ان کو زاہد عالم کہنا لوگ پسند کرتے تھے،ابن فرحون اپنی کتاب ”الدیباج المذھب“ میں لکھتے ہیں کہ بعض بڑے بڑے علما ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ ”شیخ ابوبکر طرطوشی کے پاس جوعلم ہے وہی علم لوگوں کے پاس بھی ہے؛مگر جو چیز ان کے پاس ہےاوردوسروں کے پاس نہیں، وہ ان کی دین داری اورتقویٰ ہے“۔(۲)

حمیری نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”وزھدہ أکثر من علمہ“(۳) ان کا زہدعلم سے بڑھاہوا تھا۔

---

(۱) معجم البلدان:۴/۳۰ (۲) الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب :۱۴۶

(۳) صفة جزيرة الأندلس:۴۵

ملک شام میں مقبولیت:

تمام مراجع اس پر متفق ہیں کہ شیخ طرطوشی کو شام میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی، لوگوں نے ان سے بہت فیض حاصل کیا اور ان کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی، انھوں نے شام میں ایک عالم زاہد کی زندگی گزاری، لوگوں سے ملنا جلنا علمی حلقوں کے علاوہ بہت کم ہوتا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ بیت المقدس کے علاوہ شام کے اور کس کس شہر میں ان کا جانا ہوا؛ مگر یہ یقینی ہے کہ شام کے قیام میں انھوں نے کئی شہروں کا سفر کیا، اخیر میں وہ حلب تشریف لے گئے تھے اور وہاں سے انطاکیہ کا سفر کیا اس لیے کہ "سراج الملوك" میں انھوں نے ایک حادثہ کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انطاکیہ تشریف لے گئے تھے۔(۱)

مصر کا سفر:

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوبکر طرطوشی جب مصر پہنچے تو وہاں اس وقت افضل شہنشاہ بن بدر الجمالی کی وزارت کا دور تھا، افضل نے اپنے والد کی وفات کے بعد ۴۸۷ھ میں وزارت کا عہدہ سنبھالا تھا، علامہ طرطوشی ۴۸۰ھ میں شام تشریف لے گئے تھے، اس وقت ان کی عمر تیس سال تھی، پھر ۴۹۰ھ میں انھوں نے شام کو خیر باد کہا اس وقت وہ چالیس کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔

مصر کے شہر اسکندریہ میں قیام پذیر ہونے کے بعد تھوڑا ہی وقت گزرا تھا کہ ان کی شہرت زور پکڑنے لگی اور طلبا و علما ان کے حلقۂ درس میں کشاں کشاں آنے لگے۔

---

(۱) سراج الملوك: ۱٤۲

اسکندریہ میں نکاح:

جب اسکندریہ میں انہوں نے ایک مال دار عورت سے شادی کرلی اس کے بعد ان کی مالی حالت بھی درست ہوگئی، ان کی بیوی نے ایک بڑا مکان بطور عطیہ پیش کردیا، شیخ نے اس مکان کے اوپر کی منزل میں سکونت اختیار کی اور نیچے کے حصہ کو مدرسہ بنادیا، جہاں روزانہ ان کا درس ہونے لگا۔(۱)

قاہرہ کا سفر:

جب اسکندریہ میں پرسکون زندگی میسر ہوگئی تو انہوں نے قاہرہ کا سفر کیا، قاہرہ میں انہوں نے وزیر افضل جمالی سے ملاقات کی، شیخ نے وزیر کے دبدبے اور اس کے ظلم واستبداد کے قصے سن رکھے تھے، اس لیے وہ کسی دادودہش اور عطیہ لینے کی غرض سے نہیں بل کہ اس کو نصیحت کے کلمات کہنے تشریف لے گئے تھے، ان کا مقصد نہ تو مدح سرائی تھا نہ دنیا طلبی بل کہ خالصۃً لوجہ اللہ امر بالمعروف کی غرض تھی اور بس۔

وہ چاہتے تھے کہ وزیر رعیت کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے اور عدل سے کام لے، اپنے محل کے دروازے ہر مظلوم اور فریادی کے لیے کھلے رکھے، شیخ نے وزیر کو جو نصیحتیں کیں، ان کو اپنی کتاب "سراج الملوك" میں درج کردیا ہے جسے مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ قاہرہ سے دوبارہ اسکندریہ تشریف لائے؛ تاکہ تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع ہوسکے، اب طلبا کی بہت کثرت ہونے لگی اور ان کی مقبولیت روزافزوں ہونے لگی۔

---

(۱) الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب: ۱۴۶

تعلیم کا جدید طریقہ:

شیخ نے نوجوانوں کی تعلیم کا ایک جدید طریقہ شروع کیا جو آج کل کے جدید طریق تعلیم سے بہت ملتا جلتا ہے، انھوں نے صرف حلقۂ درس پر اکتفا نہیں کیا کہ طلبہ حاضر ہوں اور سبق پڑھ کر منتشر ہو جائیں؛ بل کہ وہ طلبہ کو لے کر شہر سے باہر باغات اور پر فضا مقامات پر جاتے اور وہاں کی صاف اور پاکیزہ ہوا میں ان کے ساتھ قیام کر کے ان کے محفوظات اور آموختہ کا مذاکرہ کراتے، طلبہ کو یہ طریقہ بہت پسند آیا اور شیخ کی طرف رجوع بڑھنے لگا، یہاں تک کہ تذکرہ نویس لکھتے ہیں:

”وكثر عددهم حتى إذا خرج في رحلة من هذه الرحلات خرج في كوكبة لاتقل عن أربع مائة طالب“.(۱)

طلبہ کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ وہ جب اس طرح کے کسی علمی سفر پر نکلتے تو چار چار سو طلبہ کا قافلہ ان کے ساتھ ہوتا؛ مگر طلبا کا یہ رجوع اور یہ مقبولیت شیخ کے لیے وبال بن گئی، اسکندریہ کے قاضی ابن حدید ان کے مخالف ہو گئے، قاضی صاحب کو کچھ ایسے فتاویٰ کا علم ہو گیا جو شیخ طرطوشی کی طرف سے لکھے گئے تھے اور ان میں سے بعض ملکی قوانین کے خلاف تھے (۲)۔ مثلاً انھوں نے روم سے منگوا کر جو پنیر مصر میں فروخت

---

(۱) یہ ڈاکٹر جمال الدین صاحب کی عبارت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رفقا کی تعداد چار سو سے کم نہیں ہوتی تھی؛ مگر ابن فرحون نے ”الدیباج المذہب“ میں علامہ ابوبکر طرطوشیؒ کے شاگرد ابوعبداللہ التجیبی کے حوالے سے لکھا ہے: ”وخرجنا معه في بعض النزه، فكنا ثلاثة مائة وستين رجلا، لكثرة الآخذين عنه، المحبين في صحبته وخدمته“۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر جمال الدین صاحب نے چار سو کا عدد تخمیناً تحریر فرمایا ہے۔

(الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب :١٤٦)

(۲) الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب :١٤٦

کی جاتی تھی اس کی حرمت اور عدم جواز کا فتویٰ دیا تھا، اور اس کی حرمت پر ایک مختصر رسالہ لکھا تھا، اسی طرح وہ بہت سے رسم ورواج جو مصر میں جاری تھے ان کو اسلامی تعلیم کے منافی بتلا کر سخت تنقید فرماتے تھے، اس سلسلہ میں بھی "بدع الأمور و محدثاتها" نامی رسالہ لکھا۔ قاضی ابن حدید نے یہ فتاویٰ اور رسائل جمع کر کے وزیر افضل جمالی کے پاس بھیج دیئے اور شیخ طرطوشی کے بارے میں اس کو بھڑکاتے ہوئے لکھا کہ:

"لو أن هذا العالم الزاهد الثائر ظل على سياسته هذه ينتقد المجتمع، وينتقد الحاكم، وينتقد القاضي، وأحكامه، و ينتقد القواعد والنظم المالية المتبعة، ويحرم الجبن الرومي وغيره من المأكولات التي تأتي من أوربا، فإنه سيسبب للدولة متاعب كثيرة، وينقض من هيبتها في أعين الناس والشعب، و سيحرض هذا الشعب على مقاطعة التجار الأجنبية فتنقص إيرادات الدولة بنقصان الضرائب التي تؤخذ على هذه التجارة الواردة".

اگر یہ انقلابی اور دنیا بیزار عالم اسی طرح معاشرے اور فرماں روا پر، قاضی اور اس کے فیصلوں اور مروجہ مالی قواعد وضوابط پر تنقید ونکتہ چینی کرتے رہے اور رومی پنیر اور یورپ سے آنے والی کھانے کی دوسری اشیا کو حرام قرار دیتے رہے تو حکومت کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی، عوام کی نظر میں حکومت کا دبدبہ کم ہو جائے گا اور اس کی وجہ سے لوگ بیرونی تجارت کا بائیکاٹ کرنے لگیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ درآمدات پر عائد کیے جانے والے ٹیکس سے حکومت کو جو آمدنی ہوتی ہے وہ کم ہو جائے گی۔

وزیر افضل جمالی کو تو موقع ہاتھ آ گیا، اس نے قاضی ابن الحدید کے اس خط کے بعد فیصلہ کرلیا کہ معاملہ آگے بڑھنے سے قبل ہی اس کی جڑ کاٹ دی جائے؛ چناں چہ اس نے اسکندریہ کے گورنر کو حکم دیا کہ شیخ طرطوشی کو قاہرہ بھیج دیا جائے، حاکم کا آدمی آیا اور اس نے چاہا کہ شیخ کو کچھ تیاری کا موقع دے، اس لیے اس نے کہا "یسر حوائجك فإنك تمشي يوم كذا" آپ اپنی ضروریات کا نظم کرلیں، آپ کو فلاں دن سفر کرنا ہے۔ شیخ نے فوراً فرمایا: "وأي حوائجي معي! ريشي رباشي وطعامي في حوصلتي"(۱) میری ضروریات ہی کیا ہیں؟ میرے بال، میرا لباس ہے اور میرا کھانا میرے پوٹے میں ہی ہے (یہ ایک عربی مثل ہے)۔

وزیر افضل جمالی نے قاہرہ میں شیخ کا بظاہر اچھا استقبال کیا؛ مگر ان کو فسطاط شہر میں ہی قیام کرنے کا حکم کر دیا اور فسطاط میں بھی صرف مسجد الرصد میں قیام کی اجازت دی اور چند دینار ماہوار مقرر کر دیئے جو یہودیوں کے جزیہ کی آمدنی سے ان کو ملتے تھے، اور صرف ایک خادم کو ساتھ رہنے کی اجازت ملی۔(۲)

شیخ طرطوشی اس نظر بندی کی حالت میں کئی ماہ مقیم رہے، بالآخر اس طرح کی زندگی سے وہ تنگ آ گئے اور وزیر سے سخت ناراض اور بد دل ہو گئے، شیخ کو اس نظر بندی سے اس وقت نجات ملی جب وزیر افضل جمالی قتل کر دیا گیا۔(۳)

(۱،۲) الديباج المذهب في معرفة أعيان علماء المذهب: ١٤٦

(۳) تذکرہ نویس لکھتے ہیں: "وكان الشيخ يكره الأفضل، فلما طال مقامه به أي بالمعتقل، ضجر وقال لخادمه: إلى متى نصبر؟ اجمع لي المباح من الأرض، فجمع له فأكله ثلاثة أيام، فلما كان عند صلاة المغرب قال لخادمه: رميته الساعة "فلما كان من الغد ركب الأفضل فقتل". (الوافي بالوفيات:٢/١٥٤)

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

کتبِ تاریخ کے مطابق افضل جمالی عید الفطر کے اگلے روز ۵۱۵ھ میں قتل ہوا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی نظر بندی اور قید کا زمانہ ۵۱۴ھ کے اواخر یا ۵۱۵ھ کے اوائل سے شوال ۵۱۵ھ تک کا رہا ہوگا۔ افضل جمالی کے قتل کے بعد شیخ کو رہائی نصیب ہوئی؛ کیوں کہ جمالی کا جانشین مامون البطائحی ہوا، اور اس کو افضل جمالی اور شیخ کے درمیان جو معاملات تھے اس کا پورا علم تھا، اس لیے اس نے شیخ کو رہا کر کے بہت اکرام اور اعزاز بخشا اور اپنے خاص لوگوں میں شامل کرلیا۔

اسکندریہ واپسی:

شیخ اسکندریہ واپس تشریف لائے اور درس وتدریس کا سلسلہ دوبارہ اسی آب وتاب سے شروع ہوگیا، اس قید وبند کی مشقت سے شیخ کے مزاج میں کوئی فرق نہیں آیا؛ چناں چہ اب بھی وہ پہلے ہی کی طرح ہر خلافِ شریعت کام کے خلاف آواز اٹھاتے اور اس کی تبدیلی کا مطالبہ بلند کرتے۔ شیخ کو یہ خیال ہوا کہ کہیں مامون بھی جمالی کا رنگ نہ پکڑ لے اور اس کے طور طریق اپنا کر مخلوقِ خدا کو ظلم واستبداد کا نشانہ- نہ بنانے لگے، اس لیے انہوں نے سیاست وحکمرانی کے موضوع پر ایک کتاب تالیف کرنے کا تہیہ کرلیا جس میں راعی اور رعیت کے حقوق و واجبات کا ذکر کیا گیا ہو، شیخ نے اس کتاب کو ایک سال میں مکمل کیا اور اس کا نام ''سراج الملوک'' رکھا۔

شوال ۵۱۶ء میں کتاب کو لے کر قاہرہ پہنچے؛ تاکہ اس کو مامون کی خدمت میں پیش کریں اور ملک میں جو خلاف شرع چیزیں ہورہی تھیں ان کی طرف مامون کو متوجہ کریں، تقریباً دو ماہ قاہرہ میں قیام کیا، وزیر موصوف کا اس کے حسن سلوک پر

شکریہ ادا کیا اور آخری ملاقات میں اپنی ایک خواہش کا اظہار فرمایا، وہ یہ کہ اسکندریہ میں ساحل سمندر ایک مسجد تعمیر کرانے کی درخواست کی، وزیر نے فوراً شیخ کی درخواست کو قبول کرلیا، اور اسکندریہ کے قاضی کو فوری طور پر مسجد کی تعمیر شروع کرنے کا حکم دیا اور مسجد کی تعمیر کے لیے جگہ کے انتخاب کا اختیار شیخ طرطوشی کو سونپ دیا، افسوس کہ اس وقت مسجد کے آثار بھی ختم ہوگئے ہیں۔

وفات:

شیخ طرطوشی کی وفات (۱) سنیچر کی شب ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۵۲۰ھ میں ہوئی اور وعلہ نامی اسکندریہ (مصر) کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

تالیفات:

تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ علامہ طرطوشی کی زیادہ تر تالیفات اسکندریہ میں قیام کے زمانے کی ہیں، اس لیے کہ اس سے قبل اندلس، حجاز، عراق اور شام کے اسفار کے دوران طلب علم اور درس و تدریس کی مشغولیت کے سبب ان کو زیادہ فرصت نہیں ملی ہوگی، اسکندریہ آنے کے بعد ایک تو ان کی عمر چالس تک پہنچ گئی تھی جو فکری پختگی کی عمر ہے اور دوسرے یہاں ان کو ایک نیک اور مال دار بیوی مل جانے کی وجہ

(۱) آپ کی وفات کے سلسلے میں تھوڑا سا اختلاف ہے۔ علامہ بشکوال کے قول کے مطابق آپ کی وفات شعبان میں ہوئی (دیکھئے کتاب الصلۃ: ۱/ ۱۸۷)۔ مگر دیگر حضرات کی توضیح کے مطابق آپ کی وفات جمادی الاولیٰ میں ہوئی، پھر تاریخِ وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ ابن العماد الحنبلی نے شذرات الذهب في أخبار من ذهب: ٤/ ٦٣ پر تحریر فرمایا ہے کہ آپ کی وفات ۱۶/ جمادی الاولیٰ کو ہوئی؛ لیکن علامۃ الوفیات علامہ ابن خلکانؒ نے آپ کی تاریخِ وفات ۲۶/ جمادی الاولیٰ سنیچر کی شب ذکر فرمائی ہے اور یہی درست ہے۔ (اسماعیل کوثر غفرلہٗ)

سے کچھ سکون واطمینان کی زندگی میسر آ گئی تھی، اس لیے یہی خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثر تالیفات قیام اسکندریہ کے زمانے کی ہیں۔ علامہ کی تالیفات کے جو تذکرے ملتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک کثیر التصانیف عالم تھے، تقریباً ۲۲ رکتابوں کا ذکر ملتا ہے جو طرطوشی کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) مختصر التفسير الثعالبي (۲) الكتاب الكبير في مسائل الخلاف (۳) شرح لرسالة الشيخ ابن أبي زيد القيرواني في الفقه المالكي (٤) كتاب الأسرار (٥) كتاب نقد إحياء علوم الدين للغزالي (٦) رسالة في تحريم جبن الروم (٧) بدع الأمور و محدثاتها (۱) (٨) كتاب الفتن (٩) كتاب بر الوالدين (١٠) كتاب سراج الملوك. (۲)

سراج الملوک پر ایک نظر:

علامہ طرطوشی مالکیؒ کی کتابوں میں سب سے اہم اور قیمتی کتاب ''سراج الملوک'' ہے، اوپر ذکر آ چکا ہے کہ علامہ نے یہ کتاب فسطاط کی قید سے رہائی کے بعد لکھی ہے، ۵۱۵ھ میں کتاب کی تالیف کا آغاز کیا اور تقریباً ایک سال اس کی تکمیل میں صرف ہوا، کتاب مکمل کرنے کے بعد شوال ۵۱۶ھ میں اس کو لے کر قاہرہ گئے اور وہاں وزیر مامون البطائحی کی خدمت میں پیش کی، علامہ نے کتاب کو وزیر مامون کے نام منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

(۱) اکثر مؤرخین نے اس کتاب کا نام ''الحوادث والبدع'' ذکر کیا ہے۔ (۲) عمر رضا کحالہ نے معجم المؤلفین: ۱۲/ ۹۶ پر ''كتاب الدعاء'' اور علامہ زرکلی نے الاعلام: ۷/ ۱۳۴ پر ''المجالس'' نامی کتاب کا بھی تذکرہ فرمایا ہے۔

''جب میں نے دیکھا کہ اللہ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو مامون بالقابہ جیسا وزیر دیا ہے جو اپنی رعایا کا خیال رکھتا ہے، عوام وخواص کو نوازتا ہے، حق کی تلاش اور اجر وثواب کی جستجو میں رہتا ہے اور عدل وانصاف کے راستے پر چلنے کی کوشش کرتا ہے تو میری خواہش ہوئی کہ اپنی یہ کتاب ان کی نذر کروں؛ تاکہ اس کے محاسن اور خوبیوں کا ذکر تا قیامت باقی رہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

الناس یهدون علی قدرهم لکنني أهدي علی قدري(۱)

لوگ اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ دیتے ہیں؛ لیکن میں اپنی حیثیت کے مطابق ہدیہ دے رہا ہوں۔

یهدون ما یفنی فأهدي الذي یبقی علی الأیام والدهر

لوگ فنا ہو جانے والی چیزیں ہدیہ میں دیتے ہیں اور میں ایسا ہدیہ پیش کر رہا ہوں جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

اس کے بعد علامہ نے کتاب کو وزیر مامون کے نام معنون کرنے کا سبب تحریر کرتے ہوئے علما کے ساتھ اس کے بہتر سلوک کا تذکرہ کیا ہے اور مامون کو اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ علما ہی حکام کو ظلم وزیادتی سے روک سکتے ہیں اور گمراہیوں میں بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں، علامہ لکھتے ہیں:

''إن العلم عصمة الملوك والأمراء، ومعقل السلاطین والوزراء، لأنه یمنعهم من الظلم، ویردهم إلی الحلم، ویصدهم عن الأذیة، ویعطفهم

(۱) سراج الملوك: ص۲

على الرعية، فمن حقهم أن يعرفوا حقه، ويكرموا حملته، ويستبنطوا أهله". (۱)

''علم، امرا وبادشاہوں کی حفاظت کا ذریعہ اور سلاطین ووزرا کی پناہ گاہ ہے، کیوں کہ علم ہی ان کو ظلم سے روکتا ہے' حلم وبردباری پر آمادہ کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھتا ہے' اس لیے ان کا فرض ہے کہ علم کی قدر ومنزلت پہچانیں، اہلِ علم کا اکرام کریں اوران کو خود سے قریب رکھیں''۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ علامہ طرطوشی ان معدودے چند علمائے متقدمین میں سے ہیں جنہوں نے فن سیاست اور طرز حکومت کو اپنی تصنیفات کا موضوع بنایا، ان سے پہلے بہت کم علما نے اس فن کی طرف توجہ دی ہے، جن علما نے اس موضوع پر لکھا ہے ان میں امام غزالیؒ کی "التبر المسبوك في نصيحة الملوك"، شیزری کی "المنهج المسلوك في سياسة الملوك" اورابن طباطبا کی "الفخري في الأداب السلطانية" شامل ہیں؛ لیکن اس موضوع پر سب سے بہتر علامہ ابن خلدون کا ''المقدمۃ'' ہے۔

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں طرطوشی کی کتاب ''سراج الملوک'' کی طرف اشارہ کیا ہے اوراس بات کا اعتراف کیا ہے کہ طرطوشی ان چند مفکرین میں سے ایک ہیں جنہوں نے فن سیاست اور علم عمران پر کتاب لکھی اور یہ کہ ان کو ابن خلدون پر سبقت حاصل ہے؛ لیکن ''سراج الملوک'' کے بارے میں ابن خلدون کا تبصرہ ہے کہ طرطوشی نے موضوعات تو بہت مقرر کیے؛ مگران پر کما حقہ نہیں لکھ سکے۔

(۱) سراج الملوك: ص۳

ابن خلدون کے الفاظ یہ ہیں: ”حوم علی العرض و لم یصادفه ولا تحقق قصده ولا استوفی مسائله“(۱) یعنی طرطوشی منزل کے اردگرد گھومتے رہے؛ لیکن منزل تک پہنچ نہیں سکے، وہ نہ تو اپنے مقصد تالیف کو پورا کر سکے اور نہ موضوع کا گہرائی سے جائزہ لے سکے۔

علامہ طرطوشی نے اپنی کتاب کو۶۴/ابواب پر تقسیم کیا ہے، پہلے باب کا عنوان ”مواعظ الملوك“ (بادشاہوں کے لیے نصیحت کی باتیں) دوسرے باب میں ”مقامات العلماء عند الأمر اء والسلاطين“ (امرا اور سلاطین کے نزدیک علما کا مقام) پر گفتگو کی ہے، ایک باب میں اقتدار کے فائدے اور نقصانات (منافع السلطان ومضاره) بیان کیے گئے ہیں، ایک اور باب میں حکم رانی کے لیے مطلوبہ اوصاف (معرفة الخصال التي هي قواعد السلطان) کا ذکر کیا گیا ہے، اسی طرح ایک باب میں رعیت کے کیسے اخلاق اور کیسا رویہ ہونا چاہیے اس پر بحث کی گئی ہے۔

طرطوشی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر باب میں پہلے ان اخلاقی اصول و مبادی کا ذکر کرتے ہیں جن سے آراستہ ہونا حاکم کے لیے ضروری ہے چاہے وہ بادشاہ ہو، وزیر ہو، والی ہو یا قاضی ہو، پھر ان اصولوں کی مختصر تشریح کرتے ہیں، اس کے بعد اس کی تائید میں بہت سے حکم و امثال اور حکایات بیان کرتے ہیں۔

---

(۱) یہ علامہ ابن خلدون کی عبارت کا خلاصہ ہے، بعینہ الفاظ نہیں ہیں۔ علامہ ابن خلدون کے الفاظ ہیں: ”حوم القاضي أبوبكر الطرطوشي في كتاب سراج الملوك، و بوّبه على أبواب تقرب من أبواب كتابنا هذا، و مسائله، لكنه لم يصادف فيه الرمية، ولا أصاب الشاكلة، و لا استوفى المسائل.

(مقدمہ تاریخ ابن خلدون:۱/۴۰)

شیخ طرطوشی اپنی اس کتاب میں دوسرے اسلامی مفکرین ہی کی طرح سیاست اور اخلاق میں فرق نہیں کرتے بل کہ دونوں کو لازم وملزوم سمجھتے ہیں، یونان کے قدیم فلاسفہ کا بھی یہی نظریہ تھا، جب کہ دورِ جدید کے فلاسفہ ہیگل، مارکس وغیرہ سیاست اور اخلاق میں تفریق کے قائل ہیں اور سیاست کے بارے میں ان کا طرزِ فکر اخلاقی معاملات سے بالکل الگ ہوتا ہے۔ طرطوشی کی کتاب میں ایک قیمتی باب وہ ہے جس میں انصاف پسند حکام کی اہمیت وفضیلت اور برکتیں اور ظالم حکم راں کی زیادتیوں کے دوررس اثرات بیان کیے گیے ہیں، لکھتے ہیں:

"ليس فوق رتبة السلطان العادل رتبة لأن خيره يعم، كذالك ليس دون رتبة السلطان الشرير الجائر رتبة لشرير لأن شره يعم، وكما أن بالسلطان العادل تصلح البلاد والعباد، كذالك بالسلطان الجائر تفسد البلاد والعباد، وتقترف المعاصي والآثام. وذالك أن السلطان إذا عدل انتشر العدل في رعيته فأقاموا الوزن بالقسط، وتعاطوا الحق فيما بينهم، و إذا جار السلطان انتشر الجوروعم العباد، فرقت أديا نهم واضمحلت مروئاتهم، ففشت فيهم المعاصي، وذهبت أمانتهم، فضعفت النفوس وقنطت القلوب، فمنعوا الحق، وتعاطوا الباطل، وبخسوا المكيال والميزان، فرفعت منهم البركة وأمسكت السماء غيثها"۔(۱)

''سلطان عادل کے مرتبے سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں ہے کیوں کہ اس کی نیکی کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے، اسی طرح ظالم وفتنہ پرور حاکم سے برا کوئی اور شخص نہیں ہے:

(۱) سراج الملوك: ص۳۵، بتغيير يسير

کیوں کہ اس کی برائی کے نتائج سب کو بھگتنے پڑتے ہیں۔ سلطان اگر عادل ہو تو ملک اور رعیت دونوں کے حالات میں سدھار اور بہتری آتی ہے اور اگر وہ ظالم اور جابر ہو تو ملک اور رعیت دونوں میں ابتری پھیلتی ہے اور گناہ اور معصیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ حاکم اگر عدل وانصاف سے کام لیتا ہے تو اس کی رعیت میں بھی انصاف کو فروغ ملتا ہے اور لوگ اپنے آپس کے معاملات میں انصاف اور حق پسندی سے کام لیتے ہیں اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ اگر حاکم ظالم ہو تو رعایا میں ظلم وزیادتی کا رجحان پھیلتا ہے، لوگوں پر مذہب کی گرفت کمزور پڑ جاتی ہے اور ان کی انسانیت اور ضمیر مردہ ہونے لگتے ہیں، نتیجتاً گناہوں کا ارتکاب عام ہو جاتا ہے، امانت و دیانت ناپید ہونے لگتی ہے، طبیعتوں پر پژمردگی اور دلوں پر مایوسی و مردنی چھا جاتی ہے، لوگ حق کا خون اور ناحق کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں، ناپ تول میں کمی کی جانے لگتی ہے بالآخر برکت ختم ہو جاتی ہے اور آسمان بارش برسانا بند کر دیتا ہے"۔

سلطان کے عدل وظلم کے اثرات کے تعلق سے علامہ طرطوشی اپنا ذاتی مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے اسکندریہ میں دیکھا کہ جب رعایا کو خلیج میں شکار کرنے کی کھلی چھوٹ تھی تو اس میں مچھلیوں کی اتنی کثرت تھی کہ پانی جوش مارتا تھا اور راور نادان بچے بھی شکار کر لیا کرتے تھے، پھر اسکندریہ کے گورنر نے خلیج کو حکومت کی نگرانی میں لے لیا اور لوگوں کو اس میں شکار کرنے سے منع کر دیا تو مچھلیاں غائب ہو گئیں اور آج تک اس میں ایک بھی مچھلی نظر نہیں آتی۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وهكذا تتعدى سرائر الملوك و عزائمهم ومكنون ضمائرهم إلى الرعية، إن خيرا فخير وإن شرا فشر“.(۱)

یعنی حکام کی نیت اوران کے باطن کا اثر رعایا پر بھی پڑتا ہے، اگر ان کا باطن اچھا ہو تو اچھا اثر پڑتا ہے، ورنہ برا۔

سلطان اور صاحب اقتدار کی ذمے داری کتنی اہم اور نزاکتوں سے بھری ہوتی ہے، اس کے بارے میں لکھتے ہیں ”عام آدمی کو ایک دشمن کا خوف ہوتا ہے تو حکم راں کو ہزار دشمنوں کا سامنا ہوتا ہے، اول الذکر پر ایک گھر کو سنبھالنے کی ذمے داری ہوتی ہے اور یہ ذمے داری بھی بڑی مشکل سے سنبھلتی ہے، جب کہ آخر الذکر کے کندھوں پر پورے ملک کے لوگوں کی ذمے داری ہوتی ہے، وہ ایک سوراخ کو بند کرتا ہے تو دوسرا سوراخ کھل جاتا ہے، ایک پیوند لگا کر فارغ ہوتا ہے تو کپڑے کا دوسرا حصہ بوسیدہ ہو جاتا ہے۔

رعایا کے معاملات کی نگرانی اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے حکومت کا وجود کتنا اہم اور ضروری ہے، اس کے بارے میں علامہ طرطوشیؒ لکھتے ہیں:

”لوگوں کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے لیے انصاف حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن دوسروں کو انصاف دینا نہیں چاہتے، حکم راں کے بغیر رعایا کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سمندر میں مچھلیاں، کہ بڑی چھوٹی کو نگل جاتی ہے، جب تک کوئی حکم راں نہ ہو

---

(۱)سراج الملوك: ص۳۶

لوگوں کے معاملات درست نہیں ہو سکتے''۔(۱)

یہ عجیب بات ہے کہ طرطوشی نے ایک طرف امام غزالی کی کتاب ''إحياء علوم الدين'' پر سخت نقد کیا ہے اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے؛ مگر دوسری طرف وہ سراج الملوک میں امام غزالیؒ کے افکار سے متاثر اور متفق نظر آتے ہیں۔غزالی کی ''التبر المسبوك في نصيحة الملوك'' اور ''سراج الملوك'' کا تقابلی مطالعہ کریں تو دونوں کا نہج ایک ہی معلوم ہوتا ہے، دونوں کی سیاسی فکر اخلاقی فکر کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، بعض عبارتوں میں اتنی مشابہت پائی جاتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے غزالی ہی کی کتاب کا ٹکڑا ہے، مثلاً امام غزالیؒ علما کے مقام کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''أيها السلطان، خطر الولاية عظيم، وخطبها جسيم، و لا يسلم الوالي إلا بمقارنة علماء الدين ليعلموه طرق العدل، و يسهلوا عليه خطر هذا الأمر''۔(۲)

اے سلطان! حکم رانی کی ذمے داری بڑی نازک اور اس کی مشکلات بہت زیادہ ہیں، حاکم تبھی محفوظ رہ سکتا ہے جب وہ علمائے دین سے قریب رہے؛ تا کہ علما اس کو عدل وانصاف کے طریقے سکھائیں اور اس ذمے داری کی مشکلات اس کے لیے کم کردیں۔

علامہ طرطوشیؒ اسی بات کو اس طرح کہتے ہیں: ''علم امرا اور بادشاہوں کی حفاظت کا ذریعہ اور سلاطین اور وزرا کی پناہ گاہ ہے، کیوں کہ علم ہی ان کو ظلم سے روکتا

(۱) سراج الملوك: ص٣٦ (٢) التبر المسبوك في نصيحة الملوك: ٤

ہے، حلم و بردباری پر آمادہ کرتا ہے اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھتا ہے، اس لیے ان کا فرض ہے کہ علم کی قدر و منزلت پہچانیں، اہلِ علم کا اکرام کریں اور ان کو خود سے قریب رکھیں۔

امام غزالی رحمہ اللہ سلطان عادل اور ظالم حکم راں کے اثرات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ينبغي أن تعلم أن عمارة الدنيا و خرابها من الملوك، فإذا كان السلطان عادلا عمرت الدنيا وأمنت الرعايا، وإذا كان السلطان جائرا خربت الدنيا". (۱)

یعنی دنیا کی آبادی اور بربادی بادشاہوں کے دم سے ہے، اگر سلطان عادل ہے تو دنیا آباد اور رعایا محفوظ رہتی ہے اور اگر حکم راں ظالم ہے تو دنیا برباد ہو جاتی ہے۔

علامہ طرطوشیؒ بھی یہ بات تقریباً انہی الفاظ میں فرماتے؛ چناں چہ سطور بالا میں "سراج الملوک" کا یہ اقتباس گزر چکا ہے کہ "سلطان عادل کے مرتبے سے اونچا کوئی مرتبہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس کی بھلائی اور نیکی کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے، سلطان اگر عادل ہو تو ملک اور رعیت دونوں کے حالات میں بہتری آتی ہے اور اگر وہ ظالم و جابر ہو تو ملک اور رعیت دونوں برباد ہوتے ہیں"۔

تاہم اس طرح کی مشابہتوں کے باوجود امام غزالیؒ اور علامہ طرطوشیؒ کی کتابوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ امام غزالی کی "التبر المسبوك" بہت مختصر اور صرف سات ابواب پر مشتمل ہے جب کہ "سراج الملوك" بہت مفصل اور

(۱) التبر المسبوك في نصيحة الملوك: ۱٦

۶۴/ابواب پر مشتمل ہے، اس میں ایسے بہت سے موضوعات اور بحثیں ہیں جو امام غزالیؒ کی کتاب میں نہیں ہیں؛ اسی طرح امثال وحکم، حکایات ونوادر اور مسائلِ فقہیہ کا جو ذخیرہ سراج الملوک میں ہے، وہ غزالی کی کتاب میں مفقود ہے۔

ذیل میں ''سراج الملوک'' کے چند اقتباسات مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر درج کیے جاتے ہیں، جی تو چاہتا ہے کہ عربی عبارتیں بھی درج کر دی جائیں تا کہ اہلِ علم زبان و بیان کی سلاست و بلاغت کا بھی لطف اٹھا سکیں؛ لیکن طوالت کے خوف سے محض ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ علامہ طرطوشیؒ نے مصر کے فرماں روا افضل بن بدر الجمالی کے دربار میں حاضری کے وقت اس کو اس طرح نصیحت کی تھی:

''اے فرماں روائے مملکت! اللہ نے تم کو بہت بلند مقام عطا کیا ہے اور تمہیں اپنی وسیع وعریض مملکت کے ایک حصے کا حاکم بنا کر گویا اپنی حکومت میں شریک کیا ہے، اللہ نے یہ پسند نہیں کیا کہ کسی اور کا حکم تمہارے حکم سے بالا ہو اس لیے تم بھی یہ پسند مت کرنا کہ کوئی اور تم سے زیادہ اللہ کا شکر گزار ہو، اللہ نے خلق کو تمہاری اطاعت کا پابند بنایا ہے، اس لیے تمہیں بھی چاہیے کہ کوئی اور تم سے زیادہ اللہ کا اطاعت گزار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنا شکر گزار رہنے کا حکم دیا ہے اور شکر زبان سے نہیں بل کہ حسنِ عمل سے ادا ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ نے آلِ داؤد سے فرمایا: "اِعْمَلُوْآ اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا" (۱) (اے آلِ داؤد عمل کے ذریعہ شکر ادا کرو)، اور یاد رکھو کہ یہ حکم رانی جو تمہیں ملی ہے، یہ پہلے کسی اور کے پاس تھی جس کے مرنے کے بعد

(۱) سورۃ السباء:۱۳

تمھیں نصیب ہوگئی، یہ جس طرح تمھارے پاس آئی ہے، اسی طرح تمھارے ہاتھ سے نکل جائے گی، اس لیے اللہ نے تم کو امت کی جو ذمے داری سونپی ہے اس کے بارے میں سوال کرے گا، جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: "فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ o عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (۱) (قسم ہے تیرے پروردگار کی، ہم سب کے اعمال کا حساب ضرور لیں گے) نیز فرمایا کہ: "وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَاط وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ" (۲) اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اس کو سامنے لائیں گے اور ہم سے بہتر حساب رکھنے والا اور کون ہوسکتا ہے)۔

اے فرماں روا! اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان بن داوٗد علیہما السلام کو پوری دنیا کی حکومت عطا کی تھی، انسان، جنات، شیاطین اور چرند پرند سب کو ان کے قابو میں کر دیا تھا، یہاں تک کہ ہوا کو بھی ان کے لیے مسخر کر دیا تھا جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔ پھر اللہ نے ان پر یہ نوازش بھی کی کہ ان کو حساب و کتاب سے بری کر دیا؛ چناں چہ ان سے فرمایا کہ: "هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (۳) (یہ ہمارا عطیہ ہے لے لو اس کا کوئی حساب نہیں ہوگا) لیکن اس کے باوجود حضرت سلیمانؑ نے اس وسیع حکومت کو تم لوگوں کی طرح اعزاز و اکرام نہیں سمجھا بل کہ ان کو یہ خوف دامن گیر رہا کہ کہیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے آزمائش نہ ہو؛ چناں چہ انھوں نے فرمایا:

"هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ قف لِيَبْلُوَنِىْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ" (۴)

(یہ میرے رب کا فضل ہے جس نے مجھے اس لیے نوازا ہے؛ تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں)

(۱) سورة الحجر: ۹۲، ۹۳ (۲) سورة الأنبياء: ۴۷ (۳) سورة ص: ۳۹ (۴) سورة النمل: ۴۰

اس لیے اے فرماں روائے مملکت! اپنا دروازہ کھلا رکھو، اپنے اور رعیت کے درمیان حجاب کم کر دو اور مظلوم کی دادرسی کرو"۔(۱)

"حسنِ سیاست" کے عنوان کے تحت علامہ طرطوشیؒ حکم راں کو حسبِ ذیل نصیحت کرتے ہیں:

"جان لو کہ نرمی اور حسنِ تدبیر آدمی کو محبوب بناتی ہے اور سختی اور درشتی مقبولیت کو ختم کر دیتی ہے، دوست کو ملی نعمت پر اس سے حسد کرنا کم ہمتی کی بات ہے اور انجام پر نظر رکھنا نجات کا راستہ ہے، جلد بازی ندامت کا سبب بنتی ہے اور صبر کرنے والا بالآخر مراد پاتا ہے۔ جو شخص اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے وہ راہ سے بھٹک جاتا ہے اور جو شخص نیکی کے بیج بوتا ہے وہ خوشی کی فصل کاٹتا ہے، اگر تمھیں کوئی بات معلوم نہ ہو تو پوچھ لو، اگر کہیں پاؤں پھسل جائیں تو واپس لوٹ آؤ، اگر کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو پشیمان ہو جاؤ اور پشیمانی کے بعد اس برائی سے رک جاؤ، کسی پر احسان کرو تو اس کو چھپانے کی کوشش کرو اور کسی کو انکار کرنا ہو تو خوش اسلوبی کے ساتھ انکار کرو، اگر کسی کو کچھ دو تو فراخی اور کشادہ قلبی کے ساتھ دو اور کسی پر غصہ آئے تو بردباری سے کام لو۔

"بردباری شرفا کی خصلت ہے، صبر کامیابی کی کنجی ہے، بھلائی کرنا گویا خزانہ جمع کرنا ہے اور بدتمیزی بے وقوفی ہے، نیکی اور حسنِ سلوک سے عزت اور تعریف وتوصیف ملتی ہے، اپنے ہم نشین کی عزت کرو تمھاری مجلس آباد رہے گی، اپنے نفس کو

(۱) سراج الملوك: ص ۲۷

انصاف کا خوگر بناؤ تو لوگ تم پر بھروسہ کریں گے، اخلاق بد سے دور رہو کہ اس سے عزت و بزرگی کی عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے، چار باتوں پر عرب وعجم کے حکما متفق ہیں، ایک یہ کہ اپنے شکم پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو، دوسری یہ کہ ایسا کام مت کرو جس سے تمہیں کوئی نفع نہ ہو، تیسری یہ کہ کسی عورت کے دھوکے میں مت آؤ، چوتھی یہ کہ مال پر بھروسہ مت کرو چاہے کتنا بھی زیادہ ہو۔(۱)

حاکم اور رعیت کی ایک مثال بیان کرتے ہوئے علامہ طرطوشیؒ حکم راں سے اس طرح مخاطب ہیں:

''اے فرماں روا! حکومت کی مثال ایک آدمی کی سی ہے جس کا پھیپھڑا خود تم ہو اور اس کا دل تمہارا وزیر ہے، اس کے ہاتھ تمہارے معاونین ہیں اور اس کے پاؤں تمہاری رعیت ہے اور اس کی روح تمہارا عدل وانصاف ہے، اگر روح نہ ہو تو جسم کی بقا ممکن نہیں، عدل وانصاف کے تعلق سے یہ بات یاد رکھو کہ رعیت میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں، بڑے چھوٹے اور درمیانی عمر کے، بڑوں کے ساتھ باپ کا معاملہ کرو، ادھیڑ عمر کے لوگوں کو بھائی سمجھو اور چھوٹوں کے ساتھ اپنی اولاد کا سا معاملہ کرو، باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، بھائی کا اکرام کرو اور اپنے بیٹے کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرو''۔(۲)

ان اقتباسات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سراج الملوک میں ارباب اقتدار اور حکم رانوں کے لیے کیسی کیسی حکمت ونصیحت کی باتیں درج ہیں۔

---

(۱) سراج الملوك: ص۴۷ (۲) سراج الملوك: ص۲۳

علامۃ الشام جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ

(۱۲۸۳ھ۱۳۳۲ھ-۱۸۶۶ء۱۹۱۴ء)

تاریخ نے ہزاروں علما، صلحا اور عبقری شخصیتوں کے تذکرے محفوظ کیے ہیں، ان تذکروں کے مطالعہ سے ہمیں بہت روشنی مل سکتی ہے، خصوصاً آج کے دور میں جب کہ طلبا کی ہمتیں پست ہوگئی ہیں اور حصول علم کے لیے مجاہدہ کم سے کم درجہ پر آ گیا ہے، ان بزرگانِ سلف اور صاحبِ عزیمت علما کے تذکرے بار بار پڑھنے اور سنانے کی ضرورت ہے، ان بزرگوں نے دنیا کی لذتوں اور راحتوں کو قریب بھی نہیں آنے دیا اور علم اور کتابوں سے ایسا عشق ومحبت کا برتاؤ کیا جیسے دنیا کے غافل لوگ مال ودولت اور چمک دار چہروں کے ساتھ کرتے ہیں۔

انہیں صاحبِ عزیمت علما میں علامۃ الشام شیخ جمال الدین القاسمیؒ کی ذاتِ گرامی بھی ہے، جنہوں نے اگرچہ پچاس سال ہی کی عمر پائی؛ مگر اس مختصر سی زندگی میں امت کے لیے بہت بڑا علمی ذخیرہ چھوڑ گئے، ان کا کچھ تذکرہ ان سطروں میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اسم گرامی:

شیخ جمال الدین محمد بن سعید(۱) بن قاسم بن صالح بن اسماعیل بن ابی بکر القاسمی، ان کے دادا کا اسم گرامی قاسم تھا جو قاسم حلاق کے نام سے مشہور تھے، بڑے صالح اور فقیہ تھے، زندگی بھر علمی مشغلہ جاری رہا۔

ولادت:

علامہ جمال الدین القاسمیؒ کی ولادت ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۳ھ بروز پیر بوقت چاشت ہوئی، ان کے والد فقیہ تھے اور ادیب بھی، شعر وشاعری اور موسیقی کا بہت شوق تھا، موسیقی کے نغموں سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے ایک دل چسپ کتاب بھی لکھی، جس کا نام "قاموس الصناعات الشامية" ہے، اس میں حرف سین تک پہنچے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی، پھر اس کی تکمیل ان کے فرزند جمال الدین القاسمی اور خلیل العظم نے کی، ان کے دادا کے بارے میں تذکرہ نگاروں نے " فقيه الشام و صالحها في عصره" کے الفاظ لکھے ہیں۔(۲)

پرورش:

شیخ جمال الدین القاسمی کی پرورش دینی اور علمی ماحول میں ہوئی، گھر میں

---

(۱) وقع في الأعلام:۲/۱۳۵، و معجم المؤلفين:۳/۱۵۷، و مقدمة قواعد التحديث: ص۱، والوجازة في الأثبات والإجازة: ص۱۷۷: محمد سعيد.

(۲) ترجمة الشيخ جمال القاسمي بقلم ولده ظافر القاسمي في بداية موعظة المؤمنين: ص۹، قاموس الصناعات الشامية:۲/۱۹۱

علومِ دین کے ساتھ علم وادب کا بھی چرچا رہتا تھا، ان کے والد کی نگرانی اور تربیت نے بھی بڑا کام کیا۔

استاذ ظافر القاسمی کے الفاظ ہیں:

”نشأ في جو من حرمة الدين وجلاله، وهداه وسلطانه، ورقة الأدب و روائه، وتهذيبه وصفائه.... فتح عينيه على النور فأعانه هذا كله“.(۱)

تعلیم:

علامہ قاسمی نے قدیم علما کے طرز پر تعلیم حاصل کی؛ چناں چہ انہوں نے ہر فن کو اس کے ماہر اساتذہ سے پڑھا، قرآن مجید شیخ عبدالرحمٰن مصری - جو دمشق میں مقیم تھے - سے سیکھا۔ اور تجوید شام کے شیخ القرا شیخ احمد الحلوانی سے حاصل کی، شیخ احمد شام کے مشہور قرا میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور اسی طرح دیگر علوم تفسیر' حدیث' فقہ' اصول' نحو' صرف' بلاغت وغیرہ ماہر اساتذہ سے پڑھتے رہے اور آخر میں شیخ محمود حمزاوی سے سند حاصل کی، شیخ طاہر الآمدی اور شیخ محمد الطنطاوی ازہری ثم دمشقی وغیرہ علما نے بھی خصوصی سندیں عنایت فرمائیں۔

بیعت:

علومِ ظاہری کے ساتھ ساتھ مشائخِ وقت کی صحبت میں رہ کر تزکیۂ نفس بھی فرماتے رہے، ان کے مشائخ میں شیخ محمد الخانی النقشبندی کا ذکر ملتا ہے۔

خود علامہ نے لکھا ہے:

---

(۱) قاموس الصناعات الشامية: ۲/۱۹۲

”وكان رحمه اللّه لقنني ذكر الطريقة النقشبندية، و لازمت حلقته مدة“ (مرحوم ہی نے مجھے سلسلۂ نقشبندیہ کے طریق پر اذکار کی تعلیم فرمائی تھی اور میں نے ان کے حلقہ کی ایک عرصہ تک پابندی کی)۔

اسی طرح ان کے والد کے ماموں شیخ حسن جبینہ رحمہ اللہ کی صحبت سے مستفید ہوئے جو دسوقی سے معروف تھے، فرماتے ہیں: ”وقد انتفعت بصحبة هذا الأستاذ، وتهذبت بآدابه و إرشاداته ونوادره عن الأقدمين“ (میں نے شیخ موصوف کی صحبت سے بہت فائدہ اٹھایا اور ان کی تربیت، ہدایت وارشاد اور خصوصیات سے سلیقہ سیکھا)۔(۱)

تعلیمی انہماک:

ان مشائخ اور اساتذہ کے حلقۂ درس میں بہت سے طلبا آتے تھے اور اپنے اپنے ظرف اور اپنی اپنی ہمت کے مطابق علم حاصل کرتے تھے؛ مگر شیخ جمال الدین اپنی جد وجہد اور علم کے لیے فنائیت کے سبب ایسے چمکے کہ ان کا کوئی ساتھی ان کے مقام کو نہ پہنچ سکا، وقت کی پابندی، محنت اور کام کی لگن میں سب رفقائے درس میں ممتاز تھے۔

خود تحریر فرماتے تھے:

”وقد حبب المولىٰ إلي من حداثتي القراء ة و المطالعة و نسخ الكتب وتأليف الرسائل“(۲) (اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے میرے دل میں پڑھنے لکھنے کے کاموں کی محبت ڈال دی تھی)۔

---

(۱) موعظۃ المؤمنین: ص ۱۱۲ (۲) جمال الدین القاسمی: ص ۳۰

آگے فرماتے ہیں:

”وأذهب المولٰى بفضله عن عبده حب البطالة و صرف الأوقات سدى، فطالعت من كتب الأدب و التاريخ ما لا أحصي“(۱) (اللہ پاک نے اپنے اس بندے کولغو، لایعنی میں اضاعتِ اوقات سے محفوظ رکھا تھا، جس کی برکت سے میں نے تاریخ وادب کی بے شمار کتابوں کا مطالعہ کیا ہے)۔

سرعتِ مطالعہ کی نادر مثال:

شیخ جمال الدین کے علمی شغف اور بڑی بڑی کتابوں کو چند دنوں میں پڑھ لینے کا حال پڑھ کرتو ہم جیسوں کو واقعی حیرت اور تعجب ہوجاتا ہے، فرماتے ہیں:

”و قد اتفق لي بحمده تعالٰى قراء ة صحيح مسلم بتمامه رواية ودراية في أربعين يومًا، و قراء ة سنن ابن ماجه كذالك في واحد و عشرين يومًا، و قراء ة الموطإ كذالك في تسعة عشريومًا، وقراء ة تقر يب التهذيب مع تصحيح سهو القلم فيه وتحشيته في نحو عشرة أيام، فدع عنك الكسل، واحرص على عزيز وقتك بدرس العلم و إحسان العمل“.(۲)

(اللہ کے فضل سے مجھے یہ توفیق ملی کہ میں نے پوری صحیح مسلم روایت و درایت دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے صرف چالیس دن میں پڑھ لی، اسی طرح سنن ابن ماجہ اکیس دن میں، امام مالکؒ کی مؤطا انیس دن میں پڑھ لی، اسی طرح تقریب التہذیب دس روز میں پڑھ لی جب کہ دورانِ مطالعہ اس کی قلمی غلطیوں کو درست بھی

(۱) جمال الدین القاسمی: ص ۶۸ (۲) موعظۃ المؤمنین: ص ۱۱

کیا اور حاشیہ بھی ساتھ لکھتا گیا، پس اے طالب علم! میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ سستی وکاہلی ترک کرو اور اپنے اوقات عزیز کو حصولِ علم اور حسنِ عمل کی محنتوں میں کھپاؤ)۔

سبحان اللہ! کیسی محنت اور لگن رہی ہوگی کہ ایسی بڑی بڑی کتابیں چند دنوں میں تحقیق کے ساتھ مطالعہ کر لیتے تھے۔

آثارِ علمیہ:

شیخ جمال الدین کی تصنیفات پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایک فن میں نہیں بل کہ کئی کئی فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ان کا علم علومِ شرعیہ تک ہی محدود نہیں تھا بل کہ علم اجتماع، علم لغت اور علوم جدیدہ اور اکتشافات حدیثہ (نئی تحقیقات) میں بھی گہری نظر رکھتے تھے، ان تمام علوم کے ذریعہ انہوں نے دین کی زبردست خدمت انجام دی۔

اخلاق:

علم کی اس بلندی کے ساتھ شیخ جمال الدین اعلیٰ اخلاق سے بھی متصف تھے، مخالف سے مخالف شخص کے بارے میں کبھی ان کی زبان وقلم سے ثقاہت سے گرے ہوئے الفاظ نہیں نکلتے تھے۔ شام کے مشہور عالم شیخ محمد بہجۃ البیطار کے سامنے جب بھی ان کا ذکر آتا تو آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے، شیخ کے حسن اخلاق اور طلبا سے ان کی محبت وشفقت کا حال سماعت فرمائیے:

”لقد ترك القاسمي في نفوس طلابه بل وفي نفوس كثيرمن الذين كانوا يردون مجلسه، و ينهلون من معين أدبه وعلمه الثر أثرًا باقيًا،

لـقـد كـان مربيًا لطيف المعشر، كريم الخلق، كبير القلب، بادي الحب، لا يـرى مـنـه الـنـاس إلا وجهًا طلقًا، وجانبًا لينًا، وأُنسًا ممتعًا، إلى جانب العلم الغزير، والأدب الوفير، والإحاطة بالمكتبة العربية قديمها و حديثها في عصره، و تتبع ينابيعها الغنية في المطبوع منها والمخطوط". (۱)

وقت کی قدر:

شیخ اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کی قدر فرماتے تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، گھر میں ہوں یا مسجد میں، مسلسل مطالعہ اور تالیف کا کام جاری رکھتے تھے، سوانح نگاروں نے لکھا ہے:

"مـضـى رحمه الله يكتب دون انقطاع في الليل وفي النهار، في الـقـطـار، في النزهة، في العربة، في المسجد، في سدته، في بيته، وأظن أن الـطـريـق وحـده هـوالذي خلامن قلمه، وقدكان في جيبه دفتر صغير وقلم يقيد الفكرة الشاردة إذا عنت له حيث ما كان". (۲)

جو لوگ بازاروں میں چائے خانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے رہتے ہیں ان کو دیکھ کر حسرت فرماتے اور عجیب بات فرماتے تھے، تذکرہ نگار لکھتے ہیں:

"وقـد تـحسـر مـرة وهوواقف أمام مقهى قدامتلأ بأناس فارغين يـزجـون الوقت في اللهو والتسلية، فقال لبعض محبيه: آه! كم أتمنى أن يكون الوقت ممايباع لأشتري من هٰؤلآء جميعًا أوقاتهم". (۳)

---

(۱) موعظۃ المؤمنین: ص ۱۲ (۲) موعظۃ المؤمنین: ص ۱۵ (۳) موعظۃ المؤمنین: ص ۱۵

کاش کہ ہم لوگ ان واقعات سے سبق حاصل کریں اور اپنے قیمتی اوقات کو علم وعمل میں صرف کریں۔

تصنیفات:

شیخ جمال الدین نے اپنی مختصر زندگی میں بہت قیمتی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان کی مشہور کتابیں یہ ہیں:

(۱) ”تفسير محاسن التأويل“ جوسترہ جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔

(۲) دوسری بہت مفید کتاب ”قواعد التحديث“ ہے، علم حدیث کے طلبا کے لیے اہم مرجع ہے۔

(۳) ”موعظة المؤمنين“ جوامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ”إحياء العلوم“ کی بہترین تلخیص اوراس کا لب لباب ہے، ”دار النفائس“ بیروت سے دوبار طبع ہوچکی ہے۔ (٤) تعطير المشام في مآثر دمشق الشام، ضخیم چار جلدوں میں ہے، (٥) شمس الجمال على منتخب كنز العمال، ایک جلد ہے، (٦) الفضل المبين على عقد الجوهر الثمين، اربعین عجلونیہ کی بہترین شرح سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی تالیفات چھوڑی ہیں۔

وفات:

شیخ نے مختصر حیات پائی۔ ۲۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ بروز ہفتہ علم وفضل کا آفتاب غروب ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، دمشق کے باب صغیر کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ رحمه الله رحمة واسعة! وأجزل ثوابه في الجنة. آمين!

زیرِ نظر مقالہ ''جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ'' میں

علامہ محمد یوسف بنوریؒ

اور

خدماتِ حدیث

۱۳/ویں اور ۱۴/ویں صدی ہجری میں

کے عنوان سے منعقدہ دوروزہ بین الاقوامی مذاکرۂ علمی میں

بتاریخ: ۲۹، ۳۰/صفر المظفر ۱۴۲۸ھ - ۲۱، ۲۲/مارچ ۲۰۰۷ء

بہ عنوان

''دورحاضر کے حافظ ابن حجر عسقلانی وانورشاہ کشمیری ثانی،

علمِ حدیث کے رمز شناس، محدث جلیل

علامہ محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور خدمات حدیث''

پیش کیا گیا۔

علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور خدماتِ حدیث

ہندوستان اور علمِ حدیث:

تیرہویں صدی اور چودہویں صدی ہجری میں برصغیر ہند کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت رہی کہ ان دونوں صدیوں میں بے شمار علمائے محدثین وفقہا پیدا ہوئے، جنہوں نے اس فنِ شریف کی تدریس وتالیف اور اس کی طباعت ونشر کے ذریعے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔

یہ علمائے محدثین اپنے بلند علمی مقام کے ساتھ تقویٰ وطہارت، اخلاص وللّٰہیت اور دعوت الیٰ اللہ کے کاموں میں بھی امتیازی شان کے حامل تھے۔ ان کی انتھک محنت اور شبانہ روز جدو جہد کے سبب پورے عالمِ اسلام میں ان کے عظیم کارناموں کا اعتراف کیا گیا۔ نیز علمِ حدیث میں ان کے انہماک کے سبب شروحاتِ حدیث میں ان کی تالیفات کا قابلِ ذکر ذخیرہ وجود میں آ گیا، جس کو پورے عالمِ اسلام کے علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔ ان محدثین کے قابلِ فخر تلامذہ اور مسترشدین نے علمِ حدیث کی نشرواشاعت اور دعوت وتبلیغ کی زبردست خدمات انجام دیں اور یہ سلسلہ الیٰ یومنا ہذا بفضلہٖ تعالیٰ جاری وساری ہے۔

ان ہی عظیم محدثین میں حضرت علامہ، محدث عصر، سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی ذاتِ گرامی بھی شامل ہے، جنہوں نے تقریباً نصف صدی تک علومِ

اسلامیہ اور خصوصاً سنتِ نبویہ (علٰی صاحبها ألف ألف صلاة) کی اہم خدمت انجام دی اور تدریس و تالیف کے ذریعے اس فنِ شریف میں قابلِ قدر اضافہ فرمایا۔

فجزاه الله عنا و عن جميع المسلمين خير الجزاء!

مختصر حالاتِ زندگی:

محدثِ عصرِ حاضر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ ۶ / ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء میں، ضلع ''مردان'' کے ایک چھوٹے گاؤں ''مہابت آباد'' میں ایک علمی اور دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا امیر احمد خان بڑے ذی وجاہت بزرگ تھے، ان کے محلے میں صرف وہی شخص سکونت کر سکتا تھا جو نماز کا پابند ہو۔ آپ کی دادی صاحبہ سیدہ فاطمہ بھی ولیہ تھیں، حضرت بنوریؒ فرماتے تھے، مجھے دعاؤں کا ذوق اپنی دادی صاحبہ سے حاصل ہوا۔ مَیں نے بہت چھوٹی عمر میں ''ظفر جلیل شرح حصن حصین'' پڑھ لی تھی، اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی۔

آپ کے والد ماجد سید زکریا نجیب الطرفین سید تھے اور صاحبِ حال بزرگ، جید عالمِ دین، حاذق طبیب اور تعبیرِ رؤیا کے امام تھے، کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ والدہ محترمہ قبیلہ محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تھیں۔

ابتدائی تعلیم:

محدثِ عصر رحمۃ اللہ علیہ اپنی خودنوشت سوانحِ حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

''قرآنِ پاک اپنے والد ماجد اور ماموں سے پڑھا۔ امیر حبیب اللہ خان کے دور میں افغانستان کے دارالحکومت کابل کے ایک مکتب میں علمِ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں

پڑھیں۔اس دور کے مشہور استاذ شیخ حافظ عبداللہ بن خیر اللہ پشاوری شہید (۱۳۴۰ھ) ہیں؛ علاوہ ازیں فقہ، اصولِ فقہ، منطق، معانی وغیرہ مختلف فنون کی متوسط کتابیں پشاور اور کابل کے اساتذہ سے پڑھیں۔(۱)

دارالعلوم دیوبند میں:

کابل سے واپسی کے بعد ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخلہ لیا، یہاں آپ نے ''مشکاۃ المصابیح'' کے درجے میں داخلہ لیا، ''دارالعلوم دیوبند'' میں آپ نے اپنے وقت کے مشہور اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھیں۔آپ کے اساتذہ میں مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ، مولانا غلام رسول خانؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ، مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور خاتم المحدثین مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ۔ایسے اساطینِ علم وفضل اور نابغۂ روزگا شخصیات شامل ہیں۔

''دارالعلوم'' میں جب کچھ اختلاف شروع ہوا اور علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے بعض رفقا کے ساتھ مستعفی ہوکر گجرات کے مشہور مدرسہ ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل سملک، ضلع سورت تشریف لے گئے تو مولانا بنوریؒ بھی اپنے محبوب استاذ کے ہمراہ ڈابھیل روانہ ہوگئے اور ''جامعہ ڈابھیل'' میں دورہ کی تکمیل فرمائی۔

علامہ سید محمد انور شاہؒ نے چند ہی دنوں میں آپ کی صلاحیتوں اور اعلیٰ استعداد کا اندازہ لگالیا، اور استاذ شاگرد میں ایسا قوی تعلق پیدا ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کشمیریؒ کے علوم کا آپ کو وارث بنادیا۔علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کو اللہ

(۱) بینات کا بنوری نمبر: ص۹

تعالیٰ نے غیر معمولی قوتِ حافظہ، ذکاوت، متون وشروح حدیث کی وسیع معلومات، رجال وتاریخ، جرح وتعدیل، طبقات رواۃ کی واقفیت، تقویٰ وزہد کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔ علامہ بنوریؒ نے اپنی خداداد صلاحیت کے سبب اپنے استاذ کے ان علوم سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

علامہ کوثریؒ کے علوم سے استفادہ:

ہندوستان کے ان نابغۂ روزگار اساتذہ کے علاوہ علامہ بنوریؒ نے عالمِ اسلام کے معروف عالم اور محقق علامہ محمد زاہد الکوثریؒ سے بھی بھرپور فیض اٹھایا۔

علامہ بنوریؒ نے لکھا ہے کہ: ''میں شیخ سے اس زمانے میں ملا جب میں ''مجلس علمی ڈابھیل'' کی طرف سے ''فیض الباری'' اور ''نصب الرایۃ'' کی طباعت کے لیے مصر گیا، مَیں نے شیخ سے علمائے ہند کا تعارف کرایا۔

علامہ بنوریؒ نے شیخ زاہد الکوثریؒ کے بارے میں لکھا ہے:

''وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعتِ علمی، حیران کن مہارت، دقتِ نظر، خارقِ عادت حافظہ، محیرانہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ ساتھ علوم روایت کے تمام انواع واقسام، علمِ درایت کے تمام مقاصد ومدارک، مکارمِ اخلاق، خصائلِ حمیدہ، تواضع، قُوتِ لا یموت پر قناعت، زہدوتقویٰ، مصائب پر صبر واستقامت، کریمانہ ذات، اپنے خزائنِ علمیہ اور معارفِ گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسیطۂ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے؛ مزید برآں دین کی آبرو کی حفاظت پر حمیت

وغیرت اور ملتِ اسلامیہ تک حق بات پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے"۔(۱)

اسی سفر میں شیخ الاسلام مصطفیٰ صبریؒ سے بھی ملاقات کی اور ان کی خدمت میں اپنے استاذ شاہ محمد انور رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "مـــــرقـــاۃ الطارم فی حدوث العالم" پیش کی۔ شیخ صبریؒ اس سے بہت محظوظ ہوئے اور اپنی کتاب "موقف العقل والنقل" میں اس کا ذکر کیا۔

اجازتِ حدیث:

علامہ بنوریؒ کو حدیث شریف کی اجازت مندرجۂ ذیل مشایخ ومحدثین سے حاصل تھی:

(۱) امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ
(۲) حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہویؒ
(۳) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۴) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
(۵) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندیؒ
(۶) شیخ حسین بن محمد الطرابلسیؒ
(۷) الشیخ العلامہ محمد زاہد الکوثریؒ
(۸) الشیخ عمر حمدان المقدسی المالکیؒ
(۹) الشیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الشنقیطیؒ

(۱) مقدمۂ مقالاتِ کوثری بحوالہ خصوصی نمبر:۱۳۱

(۱۰) الشیخ خلیل الخالدی المقدسیؒ

(۱۱) الشیخۃ امۃ اللہ بنت الشیخ عبدالغنی مہاجرۂ مکہ مکرمہ(۱)

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں اس لطیفے کا ذکر بے محل نہ ہوگا کہ دیوبند کے مورثِ اعلیٰ دو بزرگ ہیں: ایک علمِ حدیث میں اور دوسرے طریقت وسلوک میں۔ چناں چہ علمائے دیوبند کا علمی رشتہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی ثم مدنیؒ سے وابستہ ہے، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ ان کے بلاواسطہ شاگردِ رشید ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری ثم مدنیؒ کو ان کے بالواسطہ تلمیذ اور بلا واسطہ اجازتِ حدیث حاصل ہے۔ دیوبند کا سلسلۂ طریقت قطبِ عالم، سیدالطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے پیوستہ ہے، دورِ اول اور دورِ دوم کے سارے اکابرِ دیوبند حضرت حاجی امداداللہؒ کے خلفا ومسترشدین ہیں۔

حضرت بنوریؒ زمانے کے لحاظ سے تو اکابر دیوبند کے طبقۂ چہارم میں آتے ہیں؛ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ انہیں حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے صرف ایک واسطے سے اجازتِ حدیث حاصل ہے؛ عن المحدثۃ أمۃ اللّٰہ بنت الشاہ عبد الغنی عن أبیھا۔ اور حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بھی صرف ایک واسطے سے اجازت و خلافت حاصل ہے (یعنی آپ کو حضرت نگینویؒ سے اور انہیں حضرت حاجی صاحبؒ سے۔ نیز آپ کو حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اور ان کو حضرت حاجی صاحبؒ

(۱) بینات خصوصی نمبر: ص ۲/۷۴۷

سے)۔ حضراتِ محدثین کی اصطلاح کے مطابق علوِ سند کا یہ شرف اس زمانے میں بہت کم حضرات کو حاصل ہوگا۔(۱)

وہ مشائخِ کرام جن کو بنوریؒ نے روایتِ حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی:

(۱) شیخ حسن مشاط المالکی، متوفی ۱۳۹۹ھ

(۲) شیخ ابراہیم الختنی، متوفی ۱۳۸۹ھ

(۳) شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن الصنیع، ۱۳۹۷ھ

(۴) شیخ عبدالعزیز عیون السود الحمّصی

(۵) شیخ دکتور مصطفیٰ السباعی، متوفی ۱۳۸۳ھ

(۶) شیخ دکتور تقی الدین الندوی

(۷) شیخ عبدالفتاح ابوغدہ الحلبی

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی شہادت وتزکیہ:

علامہ عثمانیؒ نے آپ کو جو اجازت حدیث مرحمت فرمائی اس میں تحریر فرمایا کہ:

”وهو في ما أرى – ولا أزكي على الله أحدًا – صالح، راشد، مسترشد، مستقيم السيرة، جيد الفهم، ذو مناسبة قوية بالعلوم، مستعد لتدريسها“.

اور اس سے قبل تحریر فرمایا ہے:

”فجد واجتهد في اكتساب علم السنة والقرآن، وبرع فيه،

(۱) خصوصی نمبر: ص ۷۳۱، ۷۳۲

وفاق أقرا نه ما شاء الله".

حضرت عثمانیؒ نے اپنے ایک گرامی نامے میں تحریر فرمایا:

''مجھے جو قلبی تعلق آپ کے ساتھ ہے وہ خود آپ کو معلوم ہے، مجھے بہت سی علمی توقعات آپ کی ذات سے ہیں۔ ''سنن ابی داوٗد'' کے درس سے میری تمنا پوری ہوئی، میں مدت سے چاہتا تھا کہ اس درجے کا کوئی سبق آپ کے ہاں ہو، الحمدللہ آپ کا درس مقبول ہے''۔(۱)

امیرِ شریعت شاہ عطاء اللہؒ کے تاثرات:

ایک بار حضرت بنوریؒ ملتان تشریف لے گئے، حضرت امیر شریعت علیل تھے، عیادت کے لیے ان کے درِ دولت پر حاضری دی۔ حضرت امیر شریعت خود باہر تشریف لائے، آپ سامنے کھڑے ہیں؛ مگر شاہ جی پوچھتے ہیں: کون؟ آپ نے سمجھا کہ شاید علالت کی وجہ سے پہچان میں فرق آ گیا، اس لیے عرض کیا: محمد یوسف بنوری۔ شاہ جی نے پھر پوچھا: کون؟ آپ سمجھے کہ شاید مرض کی وجہ سے سماعت میں بھی فرق آ گیا ہے؛ اس لیے ذرا بلند آواز سے کہا: محمد یوسف بنوری۔ فرمایا: نہیں، نہیں، بل کہ انور شاہ؛ یہ کہہ کر آپ سے لپٹ گئے۔

درس وتدریس:

اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوری رحمہ اللہ کو ہر فن میں مہارت تامہ عطا فرمائی تھی، عربی زبان وادب میں ایسی مہارت تھی کہ آپ کی تحریر وگفتگو سن کر عرب علما متعجب ہو کر

(۱) خصوصی نمبر: ص ۳۹۷

جھوم جھوم جاتے تھے؛ مگر آپ کا خصوصی ذوق فنِ تفسیر اور حدیثِ پاک میں اشتغال تھا۔ آپ نے حدیثِ پاک کی جن کتابوں کا گہرائی اور توجہ سے مطالعہ فرمایا اس کی فہرست طویل ہے، شاید ہمارے دور کے بہت کم اہلِ علم نے ان کتب کا مطالعہ کیا ہوگا۔

مجلسِ علمی ڈابھیل سملک:

حضرت مولانا احمد رضا بجنوریؒ تلمیذ رشید حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ تحریر فرماتے ہیں: ''راقم الحروف کو مولانا محمد میاں سملکیؒ نے ۱۳۴۹ھ میں ڈابھیل بلایا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی سرپرستی میں ''مجلس علمی'' کی بنیاد ڈال کر اس کے کام احقر کے سپرد کردیئے؛ پھر کچھ عرصہ قیام کرکے وہ بھی افریقہ چلے گئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۱۳۵۲ھ کے بعد ''مجلس علمی'' کی سرپرستی ان کے جانشین علامہ محقق مولانا عثمانیؒ نے منظور فرمائی، اس وقت احقر نے مولانا بنوریؒ کو پشاور سے ''جامعہ ڈابھیل'' بلانے کی تحریک کی، اور مہتمم صاحب جامعہ کی منظوری حاصل کرکے وہاں بلالیا۔

موصوف نے درسی خدمات کے ساتھ ''مجلس علمی'' کے کاموں میں بھی میری اعانت وشرکت کی، حضرت شاہ صاحبؒ کی مکمل سوانح عمری اعلیٰ درجے کی فصیح وبلیغ عربی میں تالیف کی جو مجلس سے اسی وقت شائع ہوگئی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہی حضرت مولانا بدر عالم صاحبؒ نے ''مجلس علمی'' کی تحریک پر ''فیض الباری'' مرتب کی، اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالہؒ نے ''نصب الرایۃ'' کی تصحیح وتحشیہ کی خدمت انجام دی۔ ان تینوں کتابوں کو لے کر احقر اور مولانا بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ حرمین شریفین ہوتے ہوئے

مصر گئے، اور وہاں نو دس ماہ رہ کر ان کو طبع کرایا۔ ساتھ ہی وہاں کے اکابر علمائے کرام اور کتب خانوں سے استفادہ بھی کرتے رہے؛ مصر کا یہ سفر ۱۳۵۷ھ میں ہوا تھا۔ مصر سے واپسی کے دوران حجازِ مقدس جانا ہوا، وہاں سعودی فرماں روا ملک عبدالعزیز سے ملاقات ہوئی، انہوں نے حجاز کے علما اور کتب خانوں کے لیے ''فیض الباری'' کے سو نسخے خریدے۔

مصر سے واپس ہو کر یہ طے کیا گیا کہ مولانا بنوری ''العرف الشذی'' پر کام کریں؛ تاکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم وکمالات کو زیادہ سے زیادہ بہتر صورت میں نمایاں کیا جاسکے''۔

غیر معمولی تلاش وجستجو:

حضرت محدث بنوریؒ نے تلاش وتفحص اور مظان وغیر مظان سے اپنے شیخ کے علوم کی تخریج وتوضیح کا حق ادا کر دیا ہے۔ محدثِ کشمیریؒ بحرِ بے کراں تھے، آپ کے درس میں حدیث کی روایت، درایت اور دوسرے مسائل کے سلسلے میں دوسرے علوم وفنون کے حوالے آجاتے تھے۔ کہیں صرف ونحو کا مشکل حوالہ آجاتا، کہیں علمِ منطق وفلسفہ کا کوئی مسئلہ زیرِ بحث آجاتا، پھر ایسی کتابوں کے حوالے آجاتے جو عام طور پر اہلِ علم کے یہاں متداول نہیں تھیں۔ مولانا نے متداول اور غیر متداول کتابوں سے مسائل نکالنے میں کسر نہیں اٹھا رکھی اور اس کے لیے بے نظیر محنت کی شاندار مثال قائم کی۔ چند مسئلوں کی تحقیق کے لیے کئی کئی کتابوں کی ورق گردانی کرنی پڑی تب جا کر مسئلہ دستیاب ہوا۔

خود فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی قوت وطاقت تخریج و ماخذ سے مطلع ہونے پر پوری طرح صرف کی؛ ورق گردانی، مظان اور غیر مظان سے مسئلہ نکالنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ کبھی میں ایک مسئلہ کی تلاش میں گھڑیاں ہی نہیں' کئی کئی راتیں اور دن گزار دیتا، اور اس کے لیے ایک ایک کتاب کی مجلدات پڑھتا اور جب مجھے اپنی متاعِ گم گشتہ مل جاتی تو میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہتا۔ شیخ نے دورانِ درس جس کتاب کا حوالہ دیا ہوتا، اس سے مسائل نکالنے کا التزام رکھا تھا؛ لہٰذا میں کتابِ سیبویہ، رضی، شرح کافیہ، دلائل الاعجاز، اسرار البلاغہ، عروس الافراح، کشف الاسرار دیکھنے پر مجبور تھا؛ جس طرح شروحِ حدیث کی اہم کتابیں فتح الباری، عمدۃ القاری اور فقہِ مذاہب میں شرح مہذب، مغنی لابن قدامہ اور رجال میں کتب رجال دیکھنے پر مجبور تھا۔ اگر میری جوانی، بحث وجستجو کا شوق اور شیخ کے جواہر پارے سمیٹنے کا عشق نہ ہوتا تو میں اس بارِ گراں کا اہل نہیں تھا۔ حدیث کی اہم کتابوں میں سے کسی کتاب کی شرح میرے لیے اس کٹھن کام سے بہت زیادہ آسان تھی۔

ڈابھیل میں قیام اور خدمتِ حدیث:

حضرت بنوریؒ کے عزیز رفیق اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگردِ رشید مولانا محمد میاں سملکی ثم افریقی(۱) نے اپنے استاذ کے علمی کاموں کی اشاعت کی نسبت سے

---

(۱) حضرت مولانا محمد میاں بن موسیٰ میاں صاحب سملکیؒ: سملک کے باشندے تھے، خاندانی طور پر زمین وجائداد کے مالک، ان کے والد افریقہ منتقل ہوگئے تھے، پھر خدا تعالیٰ نے وہ دولت عطا فرمائی کہ دوکان، مکانات، فیکٹریاں؛ بل کہ سونے کی کان تک کے مالک رہے۔ مولانا نے ''دار العلوم دیوبند'' سے ۱۳۴۴ھ میں فراغت پائی۔ آپ ہی 'مجلس علمی' =

سملک ڈابھیل میں ''مجلس علمی'' قائم کی، تو نگاہِ انتخاب علامہ بنوریؒ پر پڑی اور ''مجلس علمی'' کی طرف سے وہاں قیام اور خدمت کی پیش کش ہوئی؛ چناں چہ آپ نے اس کو قبول فرمایا۔ ''مجلس علمی'' میں جو کام سپرد ہوا وہ خاصا دشوار اور کٹھن تھا، یعنی ''العرف الشذی'' کے حوالوں کی تخریج اور انہیں مکمل طور پر نقل کرنا۔ حضرت مولانا (بنوریؒ) فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ایک ایک حوالے کے لیے بسا اوقات مجھے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑتا تھا اور اس کی دو مثالیں پیش فرماتے تھے:

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی موقع پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ ''ہر راوی نے وہ بات ذکر کردی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی'' اس کے بعد فرمایا کہ یہ بڑا اہم قاعدہ ہے؛ مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اس کو ذکر نہیں کیا؛ البتہ حافظؒ نے ''فتح الباری'' میں کئی جگہ اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔

مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مَیں نے ان مقامات کی تلاش کے لیے پوری ''فتح الباری'' کا مطالعہ کیا، تب معلوم ہوا کہ حافظ (رحمۃ اللہ علیہ) نے پوری کتاب میں دس سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔

= (سملک وکراچی) کے بانی تھے۔ آپ امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کے سعید ترین اور رشید ترین تلامذہ میں سے تھے۔ شاہ صاحبؒ سے عشق تھا، اپنے دور کے اکابر میں سے خاص عقیدت اور مناسبت حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے تھی۔ جن حضرات کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ دین یا علمِ دین کی فلاں خدمت کررہے ہیں، ان کو بڑے اکرام کے ساتھ مسلسل ہدیے بھیجتے تھے۔ ۱۳۸۲ھ کو جنوبی افریقہ (جوہانسبرگ، ٹرانسوال) میں دارِ فانی سے دارِ بقا رحلت فرما گئے۔ اللّٰھم اغفرلہ وارفع درجتہ! (ماہنامہ الفرقان ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ)

(۲) حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اختلافِ صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ''ابوزید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا کہ جب کسی مسئلے میں صحابۂ کرام کا اختلاف ہوتو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے''۔

مولانا فرماتے تھے کہ اس حوالے کی تلاش کے لیے مَیں نے دبوسی کی کتاب ''تاسیس النظر'' پوری پڑھی؛ مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا۔ خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دوسری دو کتابوں ''أسرار الخلاف'' یا ''تقویم الأدلة'' میں ہوگا؛ مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں۔ پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا تو شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب ''کشف الأسرار'' کے حوالے سے ہوگا، یا ابن امیر الحاج کی ''شرح التحریر'' کے واسطے سے؛ چناں چہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا حصہ مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کو اس تخریج میں کتابوں کی کس قدر ورق گردانی کرنا پڑی اور اس کے لیے اپنی کتنی صلاحیتیں وقف کرنا پڑیں، اس طرح ''العرف الشذی'' کی تحقیق وتخریج میں ''معارف السنن'' کا مصالحہ تیار ہوگیا، اور اس تخریج کو آپ نے جدید طرز پر مدون کرکے ''معارف السنن'' تالیف فرمائی۔

ڈابھیل میں شیخ الحدیث کے منصب پر:

مولانا بنوریؒ جب سفرِ مصر سے واپس آئے تو گجرات کے مشہور مدرسہ ''جامعہ ڈابھیل'' میں صدارتِ تدریس کے لیے آپ کا انتخاب ہوا، اور اس طرح آپ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی مَسندِ درسِ حدیث کے وارث

ہوئے۔ مولانا نے بخاری شریف اور بعض دیگر صحاح کی کتابوں کا درس شروع فرمادیا۔

راقم الحروف جامعہ کے درجۂ عربی پنجم کا طالب علم تھا، اس سال کے دورہ کے طلبہ نے سنایا کہ حضرت بنوریؒ جب جامعہ کے دارالحدیث میں مَسْندِ درس پر تشریف لائے، تو اپنے استاذ کی یاد تازہ ہوگئی اور سبق شروع کرنے سے پہلے زار وقطار رونے لگے۔ فرماتے تھے کہ یہ بھی ''اشراط الساعۃ'' میں ہے، کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ایسے علم کے سَمُنْدَر کی مَسْنَد پر آج مجھ جیسا ادنیٰ طالب علم بیٹھا ہے۔ اور جس جگہ پر بیٹھ کر حضرت شاہ صاحب درس دیتے تھے، اس سے تھوڑا ہٹ کر بیٹھ کر درس شروع کرایا۔ یہ ان کے بلند اخلاق اور اپنے اساتذہ کی عظمت وتوقیر کی نشانی تھی۔

حضرت بنوریؒ کے درس کی شہرت دور دور پھیل چکی تھی، اطراف کے مدارس کے بعض اساتذۂ حدیث بھی ڈابھیل تشریف لاکر اپنے اشکالات حل کرتے تھے۔ اس طرح حضرت بنوریؒ کا وجودِ مسعود پورے علاقے کے علما وفضلا کے لیے باعثِ خیر و برکت تھا۔

حضرت بنوریؒ نے بعض ذی استعداد جوان علما کی علمی رہنمائی کرکے انہیں بہترین اساتذہ کی فہرست میں کھڑا کردیا۔

پاکستان کا سفر اور دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار میں علمِ حدیث کی خدمت:

پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں کچھ حالات ابتر رہے اور مدارس میں طلبہ کی تعداد بھی کم رہ گئی، اس لیے کہ پنجاب، سندھ، سرحد سے طلبا، دوسری طرف مشرقی بنگال کے طلبا کی آمد بند ہوگئی۔ ادھر پاکستان میں علامہ عثمانیؒ، مولانا مفتی محمد

شفیع صاحبؒ، مولانا احتشام الحق تھانویؒ ودیگر علمائے کرام ''دارالعلوم دیوبند'' کے طرز کی درسگاہیں قائم کرنے کے منصوبے بنارہے تھے؛ چناں چہ ان ہی اکابرین کی نظرِ انتخاب حضرت بنوریؒ پر بھی پڑی اور حضرت کو وہاں بلایا گیا۔

ٹنڈوالٰہ یارخان میں شیخ التفسیر کے منصب پر:

حضرت بنوریؒ ٹنڈوالٰہ یار میں شیخ التفسیر کے منصب سے خدمت انجام دیتے رہے، نیز حدیثِ پاک کے اسباق بھی جاری رہے؛ مگر قدرت کو حضرت بنوریؒ سے اور کام لینا تھا، اس لیے دارالعلوم ٹنڈوالٰہ یارخان میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ علامہ مستعفی ہوکر کراچی تشریف لائے۔

کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ کی تاسیس:

کراچی تشریف لاکر سخت بے سروسامانی کی حالت میں توکلاً علی اللہ ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی۔ حضرت بنوریؒ اس سلسلے میں کن کن مراحل سے گزرے اس کی تفصیل آپ کی مفصل سوانح میں موجود ہے، اس مختصر مقالے میں اس کو ذکر کرنا بے فائدہ ہے۔

تخصّص فی الحدیث:

''جامعۃ العلوم الاسلامیۃ'' کا جو نصاب مقرر ہوا، اس میں حدیث شریف اورعلومِ حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی گئی، اور ابتدا ہی سے اپنے جامعہ میں ''تخصص فی الحدیث'' کا شعبہ قائم فرماکر اس فن شریف کی اہم خدمت انجام دی۔ ''جامعۃ

العلوم الاسلامیۃ'' کے جن فضلا کو مختلف عنوانات پر کام سپرد ہوا، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:.........................

نمبر	نام مختص	عنوان مقالہ
۱	مولوی محمد اسحاق سلہٹی	كتابة الحديث وأدوار تدوينه
۲	مولوی عبدالحکیم سلہٹی	وسائل حفظ الحديث وجهود الأمة فيه
۳	مولوی محمد زمان ڈیروی	الكتب المدونة في الحديث وأصنافها وخصائصها
۴	مولوی عبدالحق ڈیروی	مصطلح الحديث وأسماء الرجال والجرح
۵	مولوی حبیب اللہ سرحدی	الصحابة وما رووه من الأحاديث
۶	مولوی حبیب اللہ مختار دہلوی	السنة النبوية والقرآن الكريم
۷	مولوی عبدالرؤف ڈھاکوی	السنة النبوية والإمام الأعظم أبوحنيفةؒ
۸	مولوی محمد انور شاہ بنوری	المسائل الستة من مصطلح الحديث
۹	مولوی مفیض الدین ڈھاکوی	حاجة الأمة إلى الفقه والاجتهاد
۱۰	مولوی مہر محمد سیانوالوی	الكوفة وعلم الحديث
۱۱	مولوی عبدالغفور سیالکوٹی	الإمام الطحاوي وميزته في الحديث بين محدثي عصره
۱۲	مولوی عبدالقادر کھلنوی	الإمام الطحاوي وميزته في الحديث بين محدثي عصره (اردو)

۱۳	مولوی عبدالحق بریسالی	عبد اللّٰه بن مسعود من بين فقهاء الصحابة وامتيازه في الفقه
۱۴	مولوی محمد امین اورکزئی	مسانيد الإمام الأعظم أبي حنيفةؒ ومروياته من المرفوعات والآثار
۱۵	مولوی اظہار الحق چاٹگامی	مشايخ أبي حنيفة وأصحابه
۱۶	مولوی محمود الحسن میمن شاہی	الإمام أبو يوسف محدثا و فقيها(۱)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت بنوریؒ علمِ حدیث میں کیسے رجال کار تیار کرنے میں مصروف تھے۔

محدثِ عصر علامہ بنوریؒ نے علمِ حدیث میں حسبِ ذیل کام چھوڑا ہے:

(۱) معارف السنن (۲) عوارف المنن مقدمہ معارف السنن

(۳) مقدمہ فیض الباری (۴) مقدمہ نصب الرایۃ

(۵) مقدمہ اوجز المسالک (۶) مقدمہ لامع الدراری

(۷) جامع الترمذی کی تقریر 'العرف الشذی' کی تصحیح فرمائی جس کا نسخہ محفوظ ہے۔

ان کے علاوہ اپنے دو ہونہار اور فاضل شاگردوں سے امام طحاوی کی ''مشکل الآثار'' اور امام ترمذی کی سنن میں ''و في الباب'' پر ''لب اللباب'' کے نام سے عظیم الشان کام کروایا ہے۔

---

(۱) خصوصی نمبر: ص ۲۶۰

شرح معانی الآثار کی اہمیت شیخ بنوریؒ کی نظر میں:

مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ رقم طراز ہیں: ''حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ امام طحاویؒ کی عبقریت اور فقہ و حدیث میں ان کی مہارت و حذاقت کے بڑے مداح تھے۔ فرماتے تھے کہ ان کے معاصرین میں بھی ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا، اور بعد کے محدثین میں بھی کسی کو ان کے مقامِ رفیع تک رسائی نصیب نہیں ہوئی۔ حضرت نے ''تخصص فی الحدیث'' کے بعض شرکاء کو مقالہ نویسی کے لیے یہ موضوع دیا تھا "الإمام الطحاوي وميزاته بين معاصريه" یعنی امثال و نظائر سے یہ ثابت کیا جائے کہ امامِ طحاوی رحمہ اللہ کو ابن جریر، ابن خزیمہ، محمد بن نصر وغیرہ معاصرین پر کن کن امور میں فوقیت حاصل ہے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ دار قطنی، بیہقی اور خطیب تینوں مل کر حدیث میں طحاوی کے ہم سنگ ہوتے ہیں؛ مگر تفقہ اور عقلیت میں طحاوی کا پلہ پھر بھی بھاری رہتا ہے۔

امام طحاویؒ کی تالیفات میں ''شرح معانی الآثار'' امت کے سامنے موجود ہے جو فقہ و حدیث کا مجمع البحرین ہے؛ مگر افسوس ہے کہ اب تک دیگر کتبِ حدیث کی طرح اس کی خدمت نہیں ہوسکی، اور اگر ہوئی ہو تو امت کے سامنے نہیں۔ حافظ بدرالدین عینیؒ نے مدۃ العمر اس کا درس دیا اور اس کی تین شرحیں لکھیں؛ لیکن حیرت ہے کہ ان میں سے کوئی بھی حلیۂ طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔ (۱)

---

(۱) علامہ عینیؒ کی ایک شرح "نخب الأفكار" اُنیس جلدوں میں دارالنوادر سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوچکی ہے۔ علامہ عینیؒ کی دوسری شرح "مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار" محمد حسن اسماعیل کی =

(الحمد للہ! اب دارالعلوم دیوبند کے استاذِ حدیث، صاحب زادۂ محترم حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا محمد ارشد مدنی مدظلہٗ نے علامہ عینی رحمہ اللہ کی شرح کی طباعت کا سلسلہ شروع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم خدمت پر ان کو اجرِ عظیم عطا فرماوے اور جلد از جلد مکمل کتاب طبع ہوکر علمی حلقوں میں پہنچ جائے۔ (آمین))(۱)

اور بھی کئی نامور اہلِ علم نے اس پر کام کیا ہے؛ مگر کسی کی محنت منظرِ عام پر نہیں آئی(۲)۔ حضرتؒ محسوس فرماتے تھے کہ اس پر مندرجۂ ذیل پہلو پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔

☆......(الف): رجال سند کی تحقیق جس کی روشنی میں حدیث کا مرتبہ متعین ہوسکے۔

☆......(ب): متون کی تخریج جس سے ایک طرف تو امام طحاویؒ کی ہر روایت کے متابعات وشواہد سامنے آجائیں اور طحاوی کی احادیث کے قبول کرنے میں بعض لوگوں کو کھٹکا ہوتا ہے وہ دور ہوجائے۔ اسی کے ساتھ دیگر کتبِ حدیث میں اس حدیث کی

= تحقیق کے ساتھ تین جلدوں میں دارالکتب العلمیہ بیروت نے ۲۰۰۶ء میں نشر کردی ہے اور علامہ کی تیسری کتاب "مباني الأخبار" کے مخطوطات دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں؛ البتہ اس کی طباعت کا ابھی تک علم نہیں ہوا۔

(۱) نخب الافکار حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق کے ساتھ دارالمنہاج سے تیئیس جلدوں میں ۲۰۱۷ء میں شائع ہوکر خراجِ تحسین وصول کرچکی ہے۔

(۲) حضرت مولانا حکیم سید ایوب صاحب سہارن پوریؒ سابق سرپرست جامعہ مظاہرعلوم سہارن پور کا عربی حاشیہ ہند و پاک کے متعدد مطابع سے شائع ہوکر متداول ہے؛ البتہ آپ نے "تراجم الأحبار" کے نام سے پانچ جلدوں میں طحاوی شریف کے رجال پر بہت ہی محقق کام کیا ہے جو مدت ہوئی شائع بھی ہوچکا ہے لیکن عصر حاضر کے تقاضوں کے مدنظر اُسے پھر تحقیق ونظرثانی کے بعد شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ ع مردے از غیب بروں آید وکارے کند

نشان دہی کرنے سے ان کتابوں کی شروح کی طرف مراجعت آسان ہو جائے۔ دوسرے حدیث کے متعدد طرق میں واردشدہ الفاظ بیک نظر سامنے آنے سے حدیث کی مراد بھی واضح ہو جائے۔

☆......(ج): امام طحاویؒ ائمہ احناف کے مسلک کی تصریح کر جاتے ہیں اور دیگر مجتہدین کے مذاہب کی طرف اجمالاً اشارہ کر جاتے ہیں؛ مگر ہر مذہب کے قائلین کی تصریح نہیں فرماتے، ضرورت ہے کہ اس اجمال کو رفع کیا جائے۔

☆......(د): امام طحاویؒ نے قریباً ہر مسئلے میں احادیث وآثار کے علاوہ وجہ النظر کے ذیل میں عقلی دلیل کا التزام فرمایا ہے جو خاصی دقیق اور مشکل ہوتی ہے، اس کی تہذیب وتنقیح کرکے مقصد کی توضیح کی جائے۔

☆......(ھ): حضراتِ متقدمین کے کلام میں اکثر طوالت ہوتی ہے جس سے بعض دفعہ مبتدی کو فہمِ مطالب میں دقت پیش آتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ طحاوی کے ہر باب کے مقاصد کی تلخیص کی جائے۔ یہ کام متقدمین میں سے حافظ زیلعیؒ کر چکے ہیں؛ لیکن ان کی یہ تالیف دستیاب نہیں۔ اور ماضی قریب میں حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ نے بھی اس کی تلخیص کی؛ مگر بہت زیادہ اختصار کی وجہ سے مفیدِ عام نہ ہوسکی۔

☆......(و): یہ بھی ضرورت ہے کہ ہر باب کی احادیث وآثار کی فہرست مرتب کردی جائے کہ اتنی مرفوع ہیں، اتنی مراسیل، اتنی موقوف اور اتنی مکرر۔

☆......(ز): اور سب سے زیادہ اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ ''شرح معانی الآثار'' کے متن کی تصحیح کی جائے؛ کیوں کہ اس میں بکثرت اغلاط ہیں۔ بعض اغلاط تو ایسے ہیں

کہ جن سے عبارت ناقابل فہم بن گئی ہے، یا مفہوم بالکل مسخ ہو چکا ہے۔ اور تعجب ہے کہ حافظ جمال الدین زیلعیؒ اور ان جیسے دوسرے اکابر بھی بعض جگہ ان غلطیوں سمیت نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے جو نسخہ تھا اس میں بھی یہ اغلاط موجود تھے۔

حضرتؒ چاہتے تھے کہ مندرجۂ بالا امور کو پیش نظر رکھ کر طحاوی شریف پر کام کیا جائے؛ چناں چہ آپ نے اپنے تلمیذ سعید مولانا امین صاحب زید مجدہٗ کو اس کام پر مامور فرمایا۔

مولانا نے حضرتؒ کی رہنمائی میں جو کام کیا اس کا انداز یہ ہے:

اولاً: ہر باب کی تلخیص۔

ثانیاً: اس تلخیص کے ضمن میں مذاہبِ ائمہ کا بیان۔

ثالثاً: ائمۂ اربعہ کے مذاہب ان کی کتبِ فقہ سے بقید حوالہ نقل کرنا۔

رابعاً: زیرِ بحث باب کے آثار کی تعداد اور تفصیل۔

خامساً: نمبروار باب کی ہر حدیث کی تخریج۔

سادساً: اصل کتاب کی حتی المقدور تصحیح۔

سابعاً: حضرت اقدسؒ کی خواہش کے مطابق ہر باب کے آخر میں اس بحث کے متعلق حنفیہ کی مؤید احادیث وآثار کا اضافہ جو ''شرح معانی الآثار'' میں نہیں ہے۔

مولانا محمد امین صاحب نے بڑی محنت وجانفشانی سے کام کیا اور اس سلسلے میں مندرجۂ ذیل کتب کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا:

(۱) تاریخِ بغداد، خطیب بغدادی، ۱۴ر مجلدات

(۲) حلیۃ الاولیاء، ابونعیم اصفہانی، ۱۰ر مجلدات

(۳) طبقاتِ ابن سعد، ۸ر مجلدات

(۴) تاریخِ کبیر، امام بخاریؒ، ۸ر مجلدات

(۵) الکنی، ابی بشر دولابی، ۲ر جلدیں

(۶) معجمِ صغیر، طبرانی، ایک جلد

(۷) تاریخِ جرجان، ایک جلد

پھر ان سات کتابوں کی تمام احادیث وآثار کو کتبِ حدیث وفقہ کی ترتیب پر مرتب کیا۔ مولانا موصوف نے تو صرف اپنی تخریج کے لیے یہ کام کیا تھا؛ مگر یہ بجائے خود ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس پر علمی دنیا کو ممنون ہونا چاہیے۔(۱)

سننِ ترمذی پر عربی زبان میں ایک گراں قدر مضمون:

امام ترمذیؒ کی کتاب پر حضرت بنوریؒ کا دمشق کے "مجلة المجمع العلمي العربي" میں ایک اہم مضمون شائع ہوا تھا، جس میں شیخ نے امام ترمذی کی کتاب کی خصوصیات پر محدثین وائمہ کے کلام کو سامنے رکھ کر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے؛ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

☆......(۱): امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں احادیثِ نبویہ کو آٹھ قسموں میں جمع کر دیا ہے:

(۱) خصوصی نمبر: ص ۲۶۷

(۱) عقائد و دینی اصول

(۲) شرعی احکام، عبادات و معاملات اور حقوق العباد سے متعلق احادیث

(۳) تفسیرِ قرآن (۴) آداب و اخلاق

(۵) سیرت و شمائلِ نبوی (۶) مناقبِ صحابہ رضی اللہ عنہم

(۷) رقاق، وعظ و نصیحت اور ترغیب و ترہیب سے متعلق احادیث (جسے کتاب الزہد کا نام دیا جاتا ہے) اور ترمذی کی ''کتاب الزہد'' کی نظیر صحاحِ ستہ میں نہیں ملتی۔

(۸) علاماتِ قیامت سے متعلق احادیث

یہ اقسام اگرچہ صحیح بخاری میں بھی ہیں؛ لیکن وہ شروط کی سختی کے سبب احادیث کے ذخیرے کو جمع نہ کر سکے۔ ترمذی کی ''کتاب الزہد''، ''کتاب الدعوات''، ''کتاب التفسیر'' کا مقابلہ بخاری شریف کے ان ابواب سے کریں، حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

☆ ......(۲): امام ترمذیؒ نے احادیث پر صحت، حسن، غرابت اور ضعف کے اعتبار سے جو حکم لگایا ہے وہ پڑھنے والوں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے بہت نافع اور اہم چیز ہے۔

☆ ......(۳): امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب میں ائمہ کے مذاہب اور امت کے تعامل کو خوب عمدگی سے اس طرح بیان کیا ہے کہ اختلافی مسائل بیان کرنے والی دیگر کتب احکام وغیرہ بہت سی کتابوں سے مستغنی کر دے۔ امام ترمذیؒ کی یہ ایک خصوصیت ہے جس میں کوئی بھی ان کا شریک نہیں۔ صحابہ و تابعین کے مذاہب پر مطلع ہونا اور ایسے

مذاہب جن پر عمل متروک ہو چکا ہے، جیسے کہ شام کے امام اوزاعیؒ، عراق کے امام سفیان ثوریؒ، خراسان کے امام اسحاق ابن ابراہیم مروزیؒ وغیرہ حضرات کے مذاہب پیش کرنا؛ یہ بڑا دقیق و نادر علم ہے، جس پر لوگ صرف امام ترمذیؒ اور ان کی کتاب کے ذریعے ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔

☆......(۴): امام ترمذیؒ نے فقہائے امت کے مذاہب کو دو قسموں پر تقسیم کیا، اور ہر قسم کے لیے الگ باب قائم کیا جس میں اس مسئلے کو ثابت کرنے والی حدیث کو ذکر کیا ہے، اور اس طرح سے احکام سے متعلق متعارض احادیث کو دو باب میں تقسیم کر دیا۔ امام ترمذیؒ بسا اوقات ایک قسم کی تائید کرتے ہیں اور اس کو تفقہ یا تحدیث یا تعامل کے اعتبار سے راجح قرار دیتے ہیں، یا دونوں میں جمع ہو سکے تو تطبیق دیتے ہیں۔

☆......(۵): سند میں مذکور رواۃ اگر کنیت کے ساتھ ہوں، تو ان کا نام بتلا دیتے ہیں، اور اگر نام سے مذکور ہوں، تو ان کی کنیت۔ عام طور سے ایسا اس مقام پر کرتے ہیں جہاں غموض اور خفا، یا ضرورت ہو۔ علمائے حدیث نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن میں دولابی کی کتاب "الکنی و الأسماء" سب سے عمدہ ہے۔

☆......(۶): روایات ذکر کر کے امام ترمذیؒ جرح وتعدیل کرتے ہیں اور کسی خاص شرط کے پابند نہ ہونے کی تلافی اس جرح وتعدیل سے کیا کرتے ہیں، اور حدیث کا درجہ، صحت، حسن اور غرابت کے اعتبار سے متعین کر کے اس کی کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔

☆......(۷): امام ترمذیؒ حدیث نقل کرنے کے بعد بسا اوقات نہایت عمدہ حدیثی ابحاث اور اسنادی فوائد لاتے ہیں جو اور کتابوں میں نہیں پائے جاتے؛ چناں چہ

حدیث کے موصول، مرسل، موقوف اور مرفوع ہونے کو بتلاتے ہیں کہ راویٔ حدیث صحابی ہے یا تابعی، اور حدیث کا درجہ کیا ہے؟

☆......(۸): عام طور سے امام ترمذیؒ ہر باب میں حدیث کے متعدد طرق اور ساری روایات ذکر کرنے کے بجائے صرف ایک حدیث ذکر کرتے ہیں اور ایک طریق ہی لاتے ہیں، خصوصاً احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث میں۔ اسی لیے ''جامع ترمذی'' میں احادیثِ احکام کا ذخیرہ کم ہے؛ البتہ اس کی تلافی وہ اس طرح کرتے ہیں کہ اس باب میں اور موضوع سے متعلق دیگر جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں، ان کو ذکر کردیتے ہیں۔ اور اس طرح سے اس باب میں جتنے صحابہ سے احادیث ہوتی ہیں، ان کی تعداد معلوم ہوجاتی ہے، جو ائمۂ نقد و محققین کے یہاں بڑی قابلِ قدر خدمت ہے، اور ذوقِ قدیم وجدید دونوں کے لیے بڑی پرکیف خدمت ہے۔ وہ ''في الباب عن فلان وفلان'' کہہ کر اسی استیعاب سے نام گنوادیتے ہیں کہ جس کی تفتیش وتخریج کے لیے ہزاروں صفحات اور بیسیوں بڑی بڑی جلدوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے؛ لیکن پھر بھی بعض اوقات وہ حدیث نہیں ملتی۔

امام ترمذیؒ کی ''و في الباب'' والی احادیث کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ''اللباب'' نامی کتاب میں کی؛ لیکن سیوطیؒ اس کو ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ مجھے وہ کتاب مل نہ سکی۔ حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے حرمین شریفین، قاہرہ اور آستانہ کے عظیم الشان کتب خانوں میں اسے تلاش کیا؛ لیکن ''اللباب'' نہ مل سکی۔ حافظ ابن حجرؒ سے پہلے ان کے شیخ حافظ عراقیؒ نے بھی امام ترمذی

رحمہ اللہ کی ”و في الباب“ والی احادیث کی تخریج کی تھی، وہ بھی کہیں دستیاب نہیں۔ حافظ ابن سید الناس یعمری اور حافظ عراقیؒ نے اپنی شروح میں ”ما في الباب“ کی تخریج کا التزام کیا ہے۔

☆……(۹): امام ترمذیؒ مشکل احادیث کی گاہے بہ گاہے تفسیر و تاویل بھی کرتے جاتے ہیں، کبھی اپنے الفاظ میں اور کبھی ائمۂ فن کے کلام سے؛ جیسے کہ کتاب الزکوٰۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ”إن اللّٰہ یقبل الصدقة ویأخذها بیمینه ……الخ“ (۱) ذکر کی اور فرمایا: اہلِ علم اس حدیث اور اس جیسی ذات و صفات سے متعلق احادیث کے بارے میں یہ فرماتے ہیں: ”ان احادیث میں جس طرح آیا ہے، اسی طرح تسلیم کیا جائے گا، اس کی کیفیت نہیں معلوم کریں گے۔ امام مالک بن انسؒ، سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ حضرات اس جیسی صفاتِ الٰہیہ سے متعلق احادیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بغیر کیفیت و حقیقت بیان کیے اسی طرح اس کو مان لو، یہی علمائے اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ہے۔

☆……(۱۰): امام ترمذیؒ باب میں غریب احادیث لاتے ہیں اور صحیح اور مشہور احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں، اور ”وفي الباب عن فلان وفلان“ میں اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ یہ کوئی عیب نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث میں جو ضعف اور عیب ہوتا ہے، امام ترمذیؒ اس کی صراحت کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح امام نسائی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں جب حدیث کے طرق بیان کرتے ہیں تو پہلے

(۱) الترمذي، باب ماجاء في فضل الصدقة، الرقم:٦٦٢

جو کمزور یا غلط ہوتا ہے اسے لاتے ہیں، پھر اس کے مخالف صحیح اور قوی کو لاتے ہیں۔(۱)

عوارف المنن مقدمۂ معارف السنن:

حضرت بنوریؒ نے ''معارف السنن'' کا ایک مفصل مقدمہ لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا؛ مگر اس کی ایک جلد کتابی شکل میں طبع ہوسکی، اس مقدمے کا دوتہائی حصہ مکمل ہو چکا تھا؛ مگر افسوس کہ بقیہ کام ادھورا ہی رہ گیا۔ و للّٰہ الأمر من قبل ومن بعد!

معارف السنن شرح جامع الترمذی:

یہ کتاب حضرت علامہ بنوریؒ کا ایک عظیم کارنامہ شمار ہوتی ہے، طلبۂ حدیث شریف اور اہلِ علم کے لیے نادر تحفہ ہے۔ اس شرح کی تالیف میں جو نہج انہوں نے اختیار کیا ہے، وہ اس طرح ہے:

باب کو ذکر کرنے کے بعد وہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں جو ترجمۃ الباب سے مستنبط ہوتا ہے، پھر ائمۂ کرام کے اقوال کی روشنی میں مسئلہ کا مالہا وما علیہا بیان فرماتے ہیں۔ کبھی حدیث الباب کے دیگر مدلولات ومصداقات ذکر فرماتے ہیں، اور کبھی شروع میں راوی کے حالات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں؛ نیز الفاظِ حدیث کی شرح فرماتے ہیں۔ کبھی ترجمۃ الباب قائم کرنے سے امام ترمذیؒ کے مقصد کو بیان فرماتے ہیں۔ اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر حفظہ اللہ تعالیٰ نے بہت جامع تبصرہ فرمایا ہے۔ موصوف ''معارف السنن'' کے مقدمے میں رقم طراز ہیں:

إنــه أوسع شرح لمذاهب الأئمة المتبوعين من مصادرها

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ''مجلة المجمع العلمي العربي'': ج۳۲/ص۳۰۸

الموثوقة و بيان تعامل الأمة، وأوثق مصدر لأدلة الإمام أبي حنيفة رحمه اللّٰه في الخلافيات بين الأئمة، وأكمل شرح لجامع الترمذي من جهة استيفاء المباحث حديثا وفقها وأصولا، و ما إلى ذلك من مهمات علمية. وأحسن شرح لحل المشكلات وتوضيح المغلقات بعبارات أدبية وأسلوب رائع، وأجمل شرح لأقوال إمام العصر، مسند الوقت، الشيخ محمد أنور شاه الكشميري رحمه اللّٰه في شرح الحديث، في أماليه ومؤلفاته ومذكراته المخطوطة و رسائله المطبوعة، وأشمل كتاب يحتوي على فوائد من شتى العلوم و نفائس الأبحاث رواية ودراية، فقها و حديثا، عربية وبلاغة. وأبدع تاليف جمع بين جمال التعبير وحسن الترتيب، و متانة البحث و رزانة البيان، واستقصاء كل باب من غرر النقول لأولي الألباب. وصلى اللّٰه على سيدنا محمد واله وأصحابه وسلم".

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ بنوریؒ کی تصانیف میں ''جامع ترمذی'' کی شرح ''معارف السنن'' ساڑھے تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے، چھ ضخیم جلدوں میں نہایت اہم تصنیف ہے''۔

''شیخِ جامعہ ازہر'' فضیلۃ الاستاذ شیخ عبدالحلیم محمودؒ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، فرماتے ہیں: ''ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ عینیؒ کی شروح حدیث پر ''معارف السنن'' کی اعلیٰ توجیہات، بے مثال طرزِ استدلال اور ادب ومعانی نے سبقت حاصل کرلی ہے۔ نیز انہوں نے شیخ بنوریؒ کے فن حدیث میں بلند مقام کو ان الفاظ سے سراہا: ''یہ

مردِ مجاہد جب مصر آتا ہے تو ہم ان کا ایک چوٹی کے عالم اور محدث کی حیثیت سے استقبال کرتے ہیں‘‘۔

مولانا سلیم اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائی دو جلدوں کے مطالعے سے اس شرح کی جو خصوصیات ہمارے سامنے آئیں، وہ بالاختصار پیشِ خدمت ہیں:

(۱) علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی قیمتی آراء اور سنہری تحقیقات کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ حسین پیرائے میں پیش کیا گیا ہے۔

(۲) ’’العرف الشذی‘‘ کے مبہم یا مُوہِم مقامات کا تشفی بخش حل پیش کرتے ہوئے امام الحدیث علامہ کشمیریؒ کے نقطۂ نظر کی عمدہ تشریحات کی گئی ہیں۔

(۳) حافظ ابن حجرؒ، علامہ شوکانیؒ، مولانا مبارک پوریؒ اور دیگر حضرات کی طرف سے احناف پر کیے گئے اعتراض کا نہایت ہی خوش اسلوبی سے ازالہ کیا گیا ہے۔

(۴) اسنادی مباحث میں معرکۃ الآرا موضوعات پر انتہائی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، اور اختلاف کی صورت میں قولِ فیصل بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۵) فقہی اور اسنادی تحقیقات کے علاوہ بعض نحوی، لغوی، کلامی اور اصولی مسائل پر نفیس اور عمدہ تحقیقات اور قیمتی فوائد-اس شرح کی زینت ہیں۔

(۶) متقدمین مثل امام طحاویؒ وغیرہ اور متاخرین مثل شاہ ولی اللہؒ و مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، علامہ نیمویؒ اور شیخ لکھنویؒ کی تحقیقات وآرا کو بھی اس شرح میں مولانا مرحوم بہت اہتمام کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(۷) بعض حضراتِ صحابہ وتابعین وائمۂ فقہ وحدیث کے احوال اس شرح میں اس قدر بسط وتفصیل کے ساتھ آگئے ہیں کہ یکجا کسی دوسرے مقام پر اتنی تفصیل کے ساتھ ملنا دشوار ہے۔

(۸) خاص خاص مسائل پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان کا بہت اچھا تعارف کرایا ہے، جس کو دیکھ کر قاری میں ان کتابوں کے مطالعے کا شوق کروٹیں لیتا ہے۔

(۹) نقلِ مذاہب میں یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ اصل ماخذ سے ہی ان کو لیا گیا ہے، مثلاً شوافع کا مذہب کتبِ شوافع کی مراجعت کے بعد درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہ احتیاط حنابلہؒ اور مالکیہؒ کے مذاہب کا ذکر کرتے وقت کی گئی ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تسامح فی النقل کی وہ خامی جو دوسرے مذاہب کو نقل کرتے وقت بالعموم پیش آجاتی ہے، اس سے یہ شرح محفوظ ہے۔

(۱۰) احناف کے اقوال نقل کرتے وقت عموماً متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کیا گیا ہے، نیز احناف میں صرف ان حضرات کی تحقیقات کو نقل کیا گیا ہے جن کا مرتبہ حدیث میں مسلم ہے، جیسے امام طحاویؒ، عینیؒ اور صاحبِ بدائع وغیرہ۔

تلك عشرة كاملة! (۱)(☆)

---

(۱) اس کے علاوہ بھی کچھ خصوصیات ذکر کی جاسکتی ہیں، مثلاً: ۱- کبھی سنن ترمذی کے نسخوں میں واقع اختلاف کی نشاندہی فرماتے ہیں۔ ۲- کبھی کبھی عللِ حدیث پر بھی محققانہ کلام فرماتے ہیں۔ ۳- کبھی دو مختلف حدیثوں میں توافق وتطابق کی سعی فرماتے ہیں۔ ۴- کبھی محدثین کی فروگذاشت کی نشاندہی فرما کر اس کو ٹھیک طور پر بیان فرماتے ہیں۔

منه حفظه الله و رعاه!

(☆) خصوصی نمبر: ۹۵-۳۹۴

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ تلمیذ شیخ محمد انور شاہ کشمیریؒ جنھوں نے ''ندوۃ العلما'' میں ترمذی شریف کا درس دیا ہے، تحریر فرماتے ہیں: ''معارف السنن کے مطالعے سے مولانا بنوری مرحوم کی علمی خصوصیات اور خاص کر فنِ حدیث میں ان کے رسوخ وتبحر اور وسعتِ مطالعہ کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت الاستاذ الامام الکشمیری قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خاص تحقیقات سے واقفیت کا سب زیادہ مستند ذریعہ بھی اس عاجز کے نزدیک ''معارف السنن'' ہی ہے''۔(۱)

خود علامہ بنوریؒ نے ''معارف السنن'' کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

"فهذه هي "معارف السنن"، وما أدراك ما هي "معارف السنن"؟ شرح لأنفاس إمام العصر، المحدث الكبير، الكشميري في درس "جامع الترمذي" و توضيح لأماليه، وجمع درره المبعثرة في مذكراته و تآليفه، بتعبير قاسيت فيه العناء، و ترتيب طال لأجله الرقاد، و استيفاء لكل موضوع من غرر النقول عثرت عليها بعد بحث طويل ....الخ"۔(۲)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوریؒ کو اس دور میں علمی ودینی خدمات کے لیے نہ صرف چن لیا تھا؛ بل کہ ان کے کاموں میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی۔ ان کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہکار ان کی ''جامع ترمذی'' کی شرح ''معارف السنن'' ہے جو تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے، اور چھ جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔

(۱) خصوصی نمبر: ص ۶۸۰ (۲) خصوصی نمبر: ص ۲۰۴

چوں کہ پچھلے سات سال سے ''دار العلوم کراچی'' میں ''جامع ترمذی'' کا درس احقر کے سپرد ہے؛ اس لیے بفضلہٖ تعالیٰ مولانا کی اس کتاب کے مطالعے کا خوب موقع ملا۔ اور اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ احقر کو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے؛ لہٰذا میں بلاخوفِ تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے محدثانہ مذاق کی جھلک کسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے تو وہ ''معارف السنن'' ہے۔ افسوس ہے کہ علم وفضل کا یہ خزانہ تشنۂ تکمیل رہ گیا اور کتاب الج کے بعد اس کی تصنیف آگے نہ بڑھ سکی....الخ۔(۱)

ردفتنۂ پرویزیت:

حضرت شیخؒ نے جہاں ردقادیانیت میں کمر کسی تھی، وہاں فتنۂ انکارِ حدیث (پرویزیت) کے رد میں بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

حنفیت اور امام ابوحنیفہؒ:

مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

ہم نے لکھا ہے کہ مولانا بنوریؒ نے اس کتاب کے ذریعہ حنفیت کی بے بہا خدمت کی ہے، اور مسائلِ خلافیہ میں حنفیہ کے موقف کو روایت ودرایت کی پوری قوت سے ثابت کیا ہے۔ اس سلسلے میں چند نمونے پیش ہیں:

☆......(۱) مسئلۂ تیمّم معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ امام احمد اور جمہور محدثین ایک طرف

(۱) خصوصی نمبر: ص ۶۹۱

ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ دوسری جانب۔ احادیثِ صحاح جمہور محدثین کی مؤید ہیں۔ احادیثِ حسان اور قیاس فقہا کے ساتھ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی ان احادیثِ صحاح سے متاثر ہیں، اور تقریباً امام شافعیؒ کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ مولانا بنوریؒ سب سے پہلے حافظ پر شدید تعقبات کرتے ہیں، اور ان کے کلام کا فاضلانہ رد کرتے ہیں، اور فقہا کے مسلک کو روایت و درایت سے ثابت کرتے ہیں۔ اور ''حدیث عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ'' جو بقولِ محدثین اصح مافی الباب ہے، اس میں اضطراب ثابت کر کے دوسری روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت عمارؓ کے دو واقعے ہیں، اس کی فاضلانہ تحلیل کرتے ہیں اور مسئلہ منقح ہو جاتا ہے، اور فقہائے کبار کا مسلک روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔(۱)

☆......(۲) مسئلہ آخرِ وقتِ ظہر: یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآراء ہے۔ حدیثِ جبریل بظاہر حجازیین کی مؤید ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلے میں مختلف روایات ہیں، ان میں جمع و تطبیق اور مسلکِ امام کی ترجیح اور اپنے شیخ کی تحقیق کی روشنی میں فاضلانہ بحث اس کتاب کی خصائص میں سے ہے۔

☆......(۳) مسئلۂ تامین مشہور مسئلہ ہے: سفیان و شعبہ کی روایتوں کا اختلاف، طریق شعبہ پر محدثین کے اعتراضات اور اس کے مسکت جوابات اور ترجیحِ روایتِ شعبہ پر دونوں روایتوں کو جمع، ''تذئیل'' کے عنوان سے اپنے شیخ کے کلام کی شرح و تلخیص، جہر للتعلیم کے نظائر، مد اور خفض کو جمع کرنا قابل ملاحظہ ہے۔(۲)

---

(۱) مسئلۂ تیمّم، معارف السنن: ج۱/ص۲۳۹ (۲) معارف السنن: ج۲/ص۴۰۰، بحوالہ خصوصی نمبر: ص۱۶۱

حضرت بنوری رحمہ اللہ کا درسِ بخاری شریف:

حضرت بنوریؒ نے تقریباً پچاس برس حدیثِ پاک کا درس دیا ہے، خاص طور پر امام محمد بن اسماعیل رحمہ اللہ کی "الجامع الصحیح"، امام محمد بن عیسیٰ الترمذیؒ کی "سنن" اور "ابوداؤد شریف" اکثر درس میں رہیں۔ حضرت رحمہ اللہ کے ایک امریکی نومسلم تلمیذ رشید- جو انگریزی کے ادیب تھے، ساتھ ساتھ عربی زبان میں بہت عمدہ گفتگو کرتے تھے، شیخ الازہر "نیوٹاؤن" تشریف لائے تو ان کی عربی تقریر سن کر مبہوت رہ گئے، ان کا نام نامی محمد یوسف بن طلاّل ہے- فرماتے ہیں:

حضرت مولانا بنوریؒ کو امام بخاری کی کتاب "الجامع الصحیح" سے بے حد محبت اور عقیدت تھی۔ چالیس سال سے زیادہ اس کتاب کا درس دیتے رہے؛ متناً وسنداً، درایۃً وروایۃً، ذوقاً ووجداناً۔ اس کتاب کے علمی نکات، حقائق و دقائق اور غوامض ومشکلات کی جامع ترین تشریح وتوضیح نہایت دل بستگی کے ساتھ کرتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے مولانا مرحوم سے کہا کہ "أری البخاري ینعشکم" (میرے خیال میں بخاریؒ کی کتاب آپ کے لیے فرحت افزا ہے)، انھوں نے بہت خوش ہو کر فرمایا: "نعم، نعم، هو ینعشني" (ہاں ہاں، میرے لیے فرحت بخش ضرور ہے)۔ ان کا کمال تھا کہ ان کے طرزِ تدریس سے ایک قدیم ترین اسلامی کتاب بالکل تروتازہ ہو کر طلبہ کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جاتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس لیے بخاری شریف پڑھاتا ہوں کہ اس میں نہ صرف اوراق ہیں؛ بل کہ اس میں دین ہے، حضرت محمد ﷺ کے انفاسِ قدسیہ ہیں، ہدایت واصلاح کا پورا سامان ہے۔(۱)

---

(۱) خصوصی نمبر: ص ۳۹۹

علمِ حدیث میں وسعتِ معلومات:

حضرت بنوریؒ کو علمِ حدیث میں جو بلند مقام حاصل ہوا اور جو گہرائی آپ کے درس و تالیفات میں پائی جاتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ آپ نے کتبِ حدیث کے بہت بڑے ذخیرے کو اپنے مطالعے میں رکھا تھا۔ مولانا محمد طاسین صاحبؒ (مجلس علمی کراچی) تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’علومِ حدیث سے تعلق رکھنے والی جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱)مقدمة علوم الحديث المعروف به مقدمة ابن صلاح (۲) التقييد والإيضاح للعراقي (۳) فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للسخاوي (٤) الكفاية في علم الرواية للخطيب (٥) معرفة علوم الحديث للحاكم (٦) تدريب الراوي للسيوطي (٧) نزهة النظر شرح نخبة الفكر لابن حجر العسقلاني (٨) ظفر الأماني بشرح مختصر الجرجاني لعبد الحي اللكنوي (٩) كوثر النبي مع مناظرة الجلي لفرهاروي (١٠)الباعث الحثيث لابن كثير (١١) مفتاح السنة للخولي (١٢)توجيه النظر إلى أصول علم الأثر للجزائري (١٣) شروط الأئمة الخمسة للحازمي (١٤) مقدمة فتح الملهم للعثماني (١٥) مقدمة إعلاء السنن للتهانوي (١٦) بلغة الأريب في مصطلح آثار الحبيب للزبيدي (١٧) الرسالة المستطرفة للكتاني (١٨) بستان المحدثين اور (١٩)عجالة

نافعه لشاه عبد العزيز الدهلوي (٢٠) السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي للسباعي (٢١) السنة قبل التدوين لعجاج الخطيب (٢٢) أضواء على السنة المحمدية لأبي رية (٢٣) تدوينِ حديث لمناظر أحسن الغيلاني (٢٤)ابن ماجه اور علم حديث لعبد الرشيد النعماني" وغیرہ۔

جہاں تک متونِ حدیث سے تعلق رکھنے والی کتابوں کا تعلق ہے، ان میں جو درسی کتابیں ہیں، جیسے صحاح ستہ، مؤطا مالکؒ، مشکاۃ المصابیح، معانی الآثار للطحاوی- یہ کتابیں چوں کہ مولانا نے درس میں پڑھائی ہیں، لہٰذا ان میں سے ہر کتاب اس کے شروح وحواشی کے ساتھ بار بار مولانا کی نظر سے گزری۔ "صحیح البخاری" کی شروح میں سے "فتح الباری" اور "عمدۃ القاری" تو ہر سال آپ کے مطالعے میں رہیں؛ ان کے علاوہ حدیث شریف کی جو کتابیں آپ نے مطالعہ فرمائیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

(١)جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة (٢) كتاب الأٰثار للإمام محمد بن حسن الشيباني (٣) كتاب الآثار للإمام أبي يوسف (٤)موطأ الإمام محمد الشيباني (٥)سنن الشافعي (٦)مسند أحمد بن حنبل (٧)الفتح الرباني للساعاتي (٨) كتاب السنة لعبد اللّٰه بن أحمد (٩)مسند الربيع بن حبيب (١٠)مسند أبي داؤد الطيالسي (٣٦)المصنف لعبد الرزاق (١١)المسند للحميدي (١٢)المصنف لابن أبي شيبة (١٣)سنن سعيد بن منصور (١٤)سنن الدارمي (١٥)المنتقى من السنن المسندة عن المصطفى لابن الجارود (١٦)مسند أبي عوانة

(۱۷) مشكل الآثار للطحاوي (۱۸)المعجم الصغير للطبراني (۱۹)سنن الدارقطني (۲۰) صحيح ابن خزيمة (۲۱)المستدرك للحاكم (۲۲) السنن الكبرى للبيهقي (۲۳)الجوهر النقي في الرد على البيهقي لابن التركماني (۲٤)الاعتبار في بيان الناسخ والمنسوخ من الآثار للحازمي (۲٥)مشارق الأنوار للصاغاني (۲٦) الترغيب والترهيب للمنذري (۲۷) رياض الصالحين للنووي (۲۸) كتاب الأسماء والصفات للبيهقي (۲۹)شرح السنة للبغوي (۳۰) المحرر في الحديث لابن عبدالهادي المقدسي (۳۱) عمدة الأحكام من كلام خير الأنام لعبد الغني المقدسي (۳۲)إحكام الأحكام شرح عمدة الأحكام لابن دقيق العيد (۳۳)المحلى لابن حزم (۳٤) نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية (۳٥) جامع العلوم والحكم لابن رجب (۳٦) طرح التثريب في شرح التقريب للعراقي (۳۷) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للهيثمي (۳۸) التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير لابن حجر (۳۹) الدراية في تخريج أحاديث الهداية لابن حجر (٤۰)بلوغ المرام من أدلة الأحكام لابن حجر (٤۱) الجامع الصغير للسيوطي (٤۲) فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوي (٤۳)تيسير الوصول إلى جامع الأصول لابن الديبع (٤٤) جامع الأصول من أحاديث الرسول لابن الأثير الجزري (٤٥) كشف الغمة عن جميع الأمة

للشعراني (٤٦) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال لعلي متقي الهندي (٤٧) كنوز الحقائق في حديث خير الخلائق للمناوي (٤٨) جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد للفاسي (٤٩) نيل الأوطار للشوكاني (٥٠) عقود الجواهر المنيفة للزبيدي (٥١) شرح رموز الأحاديث لضياء الدين الكمشخانوي (٥٢) آثار السنن للنيموي (٥٣) إعلاء السنن لظفر أحمد التهانوي (٥٤) ذخائر المواريث للنابلسي (٥٥) فضل الله الصمد شرح أدب المفرد (٥٦) الاتحاف السنية في الأحاديث القدسية للمدني (٥٧) عمل اليوم والليلة لابن السني (٥٨) لطائف المعارف لابن رجب (٥٩) الحصن الحصين للجزري (٦٠) علل الحديث لابن أبي حاتم (٦١) تأويل مختلف الحديث لابن قتيبة (٦٢) المقاصد الحسنة للسخاوي (٦٣) كشف الخفاء للعجلوني (٦٤) الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة للشوكاني (٦٥)اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي (٦٦)كتاب الموضوعات لابن الجوزي (٦٧) التعقبات على الموضوعات للسيوطي (٦٨) تذكرة الموضوعات لمحمد بن طاهر الفتني (٦٩) الموضوعات الكبير لملا علي القاري (٧٠) تنزيه الشريعة المرفوعة للكناني (٧١)أسنى المطالب لابن درويش وغيرها.

لغاتِ حدیث میں جو کتابیں مولانا کے مطالعہ میں آئیں، وہ یہ ہیں:

(١)النهاية للجزري (٢) الفائق للزمخشري (٣) مجمع البحار لمحمد بن طاهر الفتنى **اوراسماءالرجال کی ان سب کتابوں کا مولانا نے مطالعہ فرمایا جومطبوعہ شکل میں عام طور سے دستیاب تھیں؛ مثلاً امام بخاریؒ کی** (١)التاريخ الكبير **اور** (٢) كتاب الضعفاء الصغير،(٣) **ابن ابی حاتم کی** كتاب الجرح والتعديل، (٤) **ابن سعد کی** الطبقات الكبرى، (٥) **علامہ ذہبی کی** تذكرة الحفاظ **اوراس کے تین ذیل؛ نیز** (٦)ميزان الاعتدال (٧)المشتبه في الرجال (٨) سير أعلام النبلاء (٩) تجريد أسماء الصحابة (١٠) رسالة في الرواة الثقات المتكلم فيهم، **حافظ ابن حجر کی** (١١)تهذيب التهذيب (١٢)لسان الميزان (١٣) تعجيل المنفعة (١٤) تقريب التهذيب؛ نيز (١٥)الاصابة في تمييز الصحابة **اور** (١٦) طبقات المدلسين (١٧)**علامہ الخزرجی کی** خلاصة تذهيب الكمال (١٨) **ابن القيسرانی کی** الجمع بين رجال الصحيحين، (١٩) **محمد طاہر پٹنی کی** المغني في أسماء الرجال (٢٠)**ابوتراب شاہ کی** كشف الأستار عن رجال معاني الآثار (٢١) **عبدالوہاب مدراسی کی** كشف الأحوال فى نقد الرجال (٢٢) **البحرانی کی کتاب** قرة العين في ضبط أسماء رجال الصحيحين (٢٣) **دولابی کی** كتاب الكنى والأسماء (٢٤، ٢٥)**علامہ ازدی کی** المؤتلف والمختلف **اور** كتاب مشتبه النسبة (٢٦) **جمال الدين الدمشقی کی** الجرح والتعديل (٢٧)**مولانا**

عبدالحی لکھنوی کی الرفع والتکمیل (۲۸) امام نوویؒ کی الأسماء والصفات (۲۹) ابن عبدالبر کی الاستیعاب (۳۰) ابن اثیر جزری کی أسد الغابة (۳۱) ابوعمرالکشی کی معرفة الرجال (۳۲،۳۳) حافظ برہان الدین کی التبیین لأسماء المدلسین اور الاغتباط بمن رمي بالاختلاط (۳۴) محبّ طبری کی الریاض النضرة (۳۵) علامہ بلاذری کی أنساب الأشراف (۳۶) اورسمعانی کی کتاب الأنساب، وغیرها من الکتب۔(۱)

حضرت بنوریؒ کا ترمذی پر تخریجِ احادیث کا نمونہ:

حضرت نے "أبواب الطهور" کے پہلے باب کی حدیث کی خود تخریج فرمائی اور حضرت اسی طرز پر پوری کتاب پر کام کروانا چاہتے تھے۔

باب لا تقبل صلاة بغير طهور

اس باب میں تین حدیثوں کا حوالہ دیا گیا ہے:

(۱) "حديث أبي المليح عن أبيه" نسائی اور ابوداوٗد نے "باب فرض الوضوء" میں اور ابن ماجہ نے "باب لا یقبل اللّٰہ صلوة بغیر طهور" میں۔(۲)

(۲) حدیث ابوہریرہ، صحیح بخاری "باب لایقبل اللّٰہ صلاة بغیر طهور" (الرقم:۱۳۵) میں۔

(۱) خصوصی نمبر: ص۴۱۳ تا ۴۱۵

(۲) النسائي، الرقم: ۱۳۹، أبوداؤد، الرقم: ۵۹، ابن ماجه، الرقم: ۲۷۱

(۳) حدیث انسؓ، ابن ماجہ نے باب مذکور ہی میں (الرقم:۲۷۳)، اس لیے ہیثمی کا اسے ’’مجمع الزوائد‘‘ میں ذکر کرنا درست نہیں۔

لکھتے ہیں، اس باب میں مندرجۂ ذیل احادیث بھی موجود ہیں:

(۱) حدیث ابوبکرہ، ابن ماجہ (الرقم:۲۷۴) میں۔

(۲) حدیث ابوسعید، طبرانی اوسط اور بزار میں؛ اس میں عبیداللہ بن یزید القردوانی ہے۔(۱)

(۳) حدیث ابن مسعود، طبرانی کبیر میں، اس میں عباد بن احمد عزرمی متروک راوی ہے۔(۲)

(۴) حدیث عمران بن الحصین، طبرانی کبیر میں (الرقم:۱۴۹۱۵)، ہیثمی کہتے ہیں، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

(۵) حدیث ابوسبرہ، طبرانی کبیر میں (الرقم:۱۰۸۲۰۶)، اس میں یحییٰ بن یزید بن عبداللہ انیس ہے جو ہیثمی کے یہاں غیر معروف ہے۔

(۶) حدیث ابوالدرداء، طبرانی کبیر میں، ہیثمی کہتے ہیں، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۷) حدیث عیسٰی ابن سبرة عن أبيه عن جده، طبرانی اوسط میں (الرقم:۱۱۱۵)۔

(۸) حدیث جدۃ رباح بن عبدالرحمٰن، مسند احمد میں (ج۴/ص۷۰، الرقم:۱۶۷۰۲)، اس کی سند میں ابوثفال ہے اور بقول امام بخاری رحمہ اللہ جس کی احادیث

---

(۱) أخرجه الطبراني في الأوسط، برقم: ٦٨٩٧.

(۲) أخرجه الطبراني في "المعجم الكبير": ٤٤٨/٨ عن مسروق بن المرزبان أيضًا.

قابل نظر ہیں۔(۱)

(۹) حدیث سعد بن عمارۃ، طبرانی کبیر میں (الرقم:۵۳۲۶)، بقول ہیثمی اس میں غیر معروف راوی ہے۔

اس ایک معنی کی احادیث تیرہ(۲) صحابی روایت کررہے ہیں؛ لہٰذا یہ حدیث متواتر ہوگئی اور کتاب اور اجماع سے یہ حکم ثابت ہوگیا۔(۳)(☆)

حضرت بنوری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کی کسی کتاب کی شرح کرنا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ شارح، حدیث کا حافظ اور الفاظ وطرق سے واقف نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کسی عالم اور محدث کے سامنے کسی حدیث کے تمام رواۃ، یعنی صحابۂ کرام آجائیں گے اور حدیث کا درجہ تواتر، شہرت وغیرہ کے اعتبار سے معلوم ہوجائے گا تو یہ ان لوگوں کی تردید کے لیے نہایت وزنی دلیل ہوگی جو اخبارِ آحاد کے منکر ہیں، یا احادیث میں غلط تاویلات کا سہارا لیتے ہیں؛ خاص طور پر ہمارے پرآشوب اور پرفتن دور میں جس میں انکارِ حدیث اور تاویلاتِ باطلہ وفاسدہ مفسدین وزائغین کا شیوہ بن گیا ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ''مجمع الزوائد'': ج۱/ص۲۸۲

(۲) اسی طرح اصل میں مذکور ہے، حالاں کہ کل تعداد بارہ ہوتی ہے نہ کہ تیرہ۔

(۳) قلت: فاته (۱۰) حديث أبي بكر: أخرجه أبو عوانة في مستخرجه : ۳۲۱/۱، برقم: ۴۹۸، وفي مسنده : ۲۰۰/۱، برقم:٦٤٥. (۱۱) و حديث طلحة بن عبيد الله، أخرجه الباغندي في "مسند عمر بن العبد العزيز": ص ۱۷۰، برقم:۸۷. (إسماعيل عفي عنه)

(☆) خصوصی نمبر: ص۲۷۹ تا ۲۷۸

"جامع ترمذی" کی شرح کے دوران حضرت شیخ رحمہ اللہ نے "ما في الباب" کی احادیث کی تخریج کا عزم کیا اور بروز دوشنبہ ۷؍رجب ۱۳۶۴ کو اس کام کی ابتدا کی۔

چناں چہ حضرت شیخ نے ابواب العیدین کے ۵۲ (باون) باب، ابواب الزکوٰۃ کے ۳۸ (اڑتیس) اور ابواب الصوم کے ۳۲ (بتیس) ابواب کی تخریج فرمائی۔

ذیل میں بطورِ نمونہ ایک باب ذکر کیا جاتا ہے۔

باب في المشي يوم العيد :

اس باب میں امام ترمذیؒ نے کسی حدیث کا حوالہ نہیں دیا؛ حالاں کہ اس باب میں مندرجۂ ذیل حدیثیں پائی جاتی ہیں:

(۱) حدیث سعد القرظ، ابن ماجہ (ص۹۳) باب ما جاء في الخروج إلى العيد ماشيا۔ (الرقم:١٢٩٤)

(۲) حدیث ابن عمر، ابن ماجہ (ص۹۳) باب ما جاء في الخروج إلى العيد ماشيا۔ (الرقم:١٢٩٥)

(۳) حدیث ابی رافع، ابن ماجہ (ص۹۳) باب ما جاء في الخروج إلى العيد ماشيا۔ (الرقم:١٢٩٧)

لیکن سب کی سند ضعیف ہے۔

عید اور جنازے کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر سوار ہونے کے بارے میں جو روایت آتی ہے، اگرچہ اس کو ابن قدامہ وغیرہ نے ذکر کیا

ہے؛ لیکن وہ بے اصل ہے۔(۱)

(۴) حدیث سعد ابن ابی وقاص، بزار (الرقم:۱۱۱۵) نے تخریج کی ہے، لیکن اس میں خالد بن الیاس متروک راوی ہے۔(۲)

افسوس کہ یہ کام حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی شدید خواہش کے باوجود مکمل نہ ہوسکا؛ حضرت نے پہلے حضرت مفتی ولی حسنؒ سے اس کی تکمیل کی درخواست فرمائی اوران کے بعد ڈاکٹر حبیب اللہ شہیدؒ کو سپرد فرمایا، انہوں نے بہت محنت اور جانفشانی سے اس کو شروع فرمایا؛ مگر افسوس کہ تکمیل سے قبل ہی شہید کردیئے گئے۔

إنا لله وإنا إليه راجعون !

(۱) ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر: ۱۴۴

(۲) ملاحظہ ہو مجمع الزوائد: ۲/۲۰۱، خصوصی نمبر: ۴،۲۷۴، ۲۷۶

باسمہ تعالیٰ

حضرت مولانا محمد عمران خان بھوپالی ندوی ازہریؒ اور گجرات (۱۹۱۳(۱)-۱۹۸۶)(۲)

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے نصف تک برِصغیر کے اُفق پر علم وفضل، ادب وسیاست، تصوف وتزکیہ، خطابت وصحافت کے ایسے ایسے آفتاب وماہتاب طلوع ہوئے جن کی ضیا پاشیوں سے ہر طرف روشنی پھیل کر برِصغیر کے گوشہ گوشہ کو منور کرگئی۔

صرف تعلیمی میدان پر نظر ڈالیں تو دیوبند، علی گڑھ، مدرسہ شاہی، ندوۃ العلما اور ان اداروں کے نقشِ قدم پر سیکڑوں دوسرے ادارے ہندوستان کے طول وعرض میں وجود میں آ گئے۔

ان اداروں سے فارغ ہونے والے علما وفضلا نے مختلف علاقوں اور صوبوں میں وہ خدمات انجام دیں کہ دوسرے ملکوں میں پوری پوری جماعت اور اکیڈمیاں انجام دیتی ہیں، اگر ان کی مختصر فہرست بھی تحریر کی جائے تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔

---

(۱) حضرت مفکرِ اسلامؒ نے آپ کی ولادت کے بارے میں ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۳ء دو قول ذکر فرمائے ہیں۔

(دیکھیے پرانے چراغ: ۳/۲۶۰)

(۲) زیرِ نظر مقالہ برکت اللہ یونی ورسٹی بھوپال کے شعبۂ عربی کی طرف سے منعقدہ بین الاقوامی سیمینار ۲۷، ۲۸، ۲۹ر دسمبر ۲۰۱۱ء کے لیے لکھا گیا۔

انہی قابلِ قدر شخصیات میں حضرت مولانا حافظ محمد عمران خان ندوی ثم ازہریؒ کی شخصیت بھی ہے۔ بھوپال کے علمی گھرانے میں ۱۹۱۱ء یا ۱۹۱۲ء میں پیدا ہونے والے اور بھوپال، ندوۃ العلما اور مصر کے جامع ازہر سے بہت ہی امتیازی نمبروں سے کامیاب ہونے والے مولانا ندویؒ نے اپنی علمی صلاحیت اور انوکھی سوجھ بوجھ سے تعلیمی، تنظیمی اور اصلاحی میدانوں میں جو عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔

برکت اللہ یونی ورسٹی کے شعبۂ عربی کے اربابِ حل وعقد ہم سب کے شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کی اس عظیم الشان شخصیت کی حیات وخدمات پر یہ بین الاقوامی سیمینار منعقد فرمایا۔ فجزاھم اللہ خیر الجزاء!

اس مؤقر سیمینار کے لیے جن عناوین کی فہرست موصول ہوئی ہے اس میں ایک عنوان ہے ''مولانا اور سورت و گجرات''، راقم الحروف کا تعلق چوں کہ اسی صوبہ سے ہے اس لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے سفرِ سورت (گجرات) کی کچھ باتیں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

راقم الحروف ۱۹۴۴ء میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (ضلع سورت) میں بغرض تعلیم داخل ہوا، تعلیم کے آخری سالوں میں اساتذۂ کرام اور بعض واردین کی زبانی حضرت مولاناؒ کے بارے میں بہت تذکرے سننے میں آتے رہے؛ مگر ملاقات اور مولاناؒ کی تقریر سننے کا موقع کئی سال بعد ۱۹۶۴ء میں میسر ہوا۔

غالباً ۱۹۶۴ء میں کاوی (ضلع بھروچ) میں تبلیغی جماعت کا عالمی اجتماع

منعقد کرنا طے ہوا، حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی ثم دہلویؒ امیر تھے، انہی کی امارت میں یہ اجتماع ہونے والا تھا، اجتماع سے پہلے نظام الدین کے اکابر کے مشورہ سے علما کا ایک وفد گجرات کے مدارس میں بھیجا گیا، تا کہ مدارس کے اساتذہ وطلبہ کو تیار کر کے دعوت وتبلیغ کے کام میں تعطیلاتِ شعبان و رمضان المبارک میں جوڑا جائے، یہ وفد حضرت مولانا عمران خانؒ کی سربراہی میں وارد گجرات ہوا، اور مختلف مدارس کے پروگرام مکمل کر کے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت) پہنچا۔ ہم اس وقت جامعہ میں تدریس کے کام میں لگ گئے تھے، حضرت مولاناؒ کی ملاقات و زیارت سے بہت مسرت ہوئی، جامعہ کی دارالحدیث میں جلسہ ہوا اور مولاناؒ نے اپنے مخصوص انداز میں بہت ہی پُر اثر تقریر فرمائی، ہم نے اپنے چند رفقا اساتذہ کے ساتھ کھڑے ہوکر کاوی کے اجتماع سے ایک چلہ لگانے کا وعدہ کیا، حضرت نے بہت ہی مسرت کا اظہار فرمایا اور دعائیں دیں۔

اس جلسہ کا ایک واقعہ بھی قابلِ ذکر ہے، حضرتؒ نے اپنی تقریر میں حدیث شریف میں ذکر کردہ وہ واقعہ بھی بیان فرمایا کہ: ایک شخص نے ننانوے (۹۹) قتل کرنے کے بعد کسی راہب سے پوچھا کہ کیا میرے لیے بھی توبہ کا کوئی راستہ ہے؟ اس کے انکار پر اس کو بھی قتل کر کے سو (۱۰۰) کا عدد پورا کیا، پھر دوسرے راہب کے پاس گیا اور یہی سوال دہرایا، اس نے کہا کہ ہاں! تیری توبہ قبول ہوسکتی ہے؛ مگر تو اس سرزمین کو چھوڑ دے "فإنها أرض سوء"۔(۱)

---

(۱) مسلم شریف: رقم الحدیث: ۲۷۶۶

جلسہ ظہر سے عصر تک رہا، جس میں بیان، تشکیل اور دعا ہوئی، ظہر کے بعد دارالاساتذہ کے چمن میں عصرانہ کے لیے جمع ہوئے۔

ایک استاذ کو معلوم نہیں کیا سوجھی؛ سوال کر بیٹھے کہ: حضرت! آپ نے اپنی تقریر میں راہب کا جو قصہ بیان کیا وہ حدیث کی کسی کتاب میں ہے؟ حضرت مولانا نے اپنے مخصوص انداز میں ان کو دیکھا اور بہت ہی معصومیت سے فرمایا: مولانا! میں کوئی بڑا محدث نہیں ہوں؛ اس لیے کسی بڑی کتاب کا حوالہ نہیں دے سکتا؛ مگر ہوسکتا ہے ''ریاض الصالحین'' میں آپ کو یہ روایت مل جائے، ہم کو شرمندگی ہوئی اور بعض اساتذہ زیرِلب مسکرانے لگے، مگر یہ واقعہ موضوعِ گفتگو رہا۔

پھر ہم حسبِ وعدہ کاوی گئے اور حضرت جیؒ کے سامنے کھڑے ہوکر ایک چلہ لکھوایا، امتحانات سے فراغت کے بعد ناچیز بمبئی پہنچا اور بمبئی کے ذمے داروں کے ساتھ جن میں حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ، حاجی علاء الدین صاحبؒ اور حاجی سلیمان مومایا صاحبؒ وغیرہ کے ہمراہ بھوپال اجتماع میں شامل ہونے کے لیے روانہ ہوئے۔

حضرت مولانا محمد عمران خان صاحبؒ مع اپنے رفقا وخدام کے اسٹیشن پر موجود تھے، مصافحہ ومعانقہ کے بعد مختلف گاڑیوں میں قافلہ مسجد عبدالشکور خان کے لیے روانہ ہوا، حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ اور حاجی علاء الدین صاحبؒ ہم سے پہلے روانہ ہوئے، ہم لوگ سامان کو ترتیب دینے کے بعد روانہ ہوئے۔

ہم مسجد عبدالشکور خان پہنچے تو کمرہ مہمانوں اور جماعت کے کارکنوں سے بھر چکا تھا، ہم آہستہ سے کمرے میں داخل ہوئے اور جیسے ہی مولاناؒ کی نظر ہم پر پڑی تو

فرمانے لگے: آیئے آیئے مولانا صاحب! اور آپ کے علمائے ربانیین کو وہ روایت مل گئی یا نہیں؟ میں بہت شرمندہ ہوا اور آہستہ سے عرض کر دیا: جی حضرت! روایت مل گئی، بعد میں مولانا عمر صاحبؒ نے پوچھا کہ کیا قصہ تھا؟ اور میں نے پورا واقعہ سنا دیا۔

مجھے مولانا کے حافظے پر تعجب ہوا کہ دو ماہ قبل کے واقعہ کو محفوظ رکھا اور ملاقات ہوتے ہی چوٹ کی، مولانا محمد عمر صاحبؒ نے ہم کو بتایا کہ مولانا سے بات چیت میں بہت احتیاط وادب کا خیال رکھنا ورنہ ڈانٹ پڑے گی۔

اسی سفر میں حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کی درخواست پر مولانا محمد عمران خانؒ ہم کو حضرت شاہ یعقوب صاحب مجددیؒ کی خانقاہ میں لے گئے اور ہم حضرتؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور ملفوظات سننے کا موقع ملا، اگر حضرت کی یہ عنایت نہ ہوتی تو شاید ہم اس عظیم شخصیت سے نہ مل سکتے۔ فجزاھم اللہ خیرًا!

فروری ۱۹۶۶ء میں ناچیز جامعہ ڈابھیل سے مستعفی ہو کر ''دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر'' آ گیا، اور ایک ماہ میں دارالعلوم کی نظامت کی ذمے داری سپرد کی گئی، گجرات کے مدارس میں جلسۂ تقسیم اسناد میں ہندوستان کے معروف علما کو دعوت دی جاتی ہے اور ان کے ہاتھوں سے دستار فضیلت باندھی جاتی ہے، عام طور پر دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ جلسوں میں تشریف لاتے تھے اور اپنی حکیمانہ وعالمانہ تقریروں سے فیض یاب فرماتے تھے۔

ہم نے مشورہ کیا کہ ہندوستان کے مختلف مراکز سے الگ الگ سالوں میں علما کو دعوت دی جائے، کبھی دیوبند سے، کبھی دہلی سے تو کبھی ندوۃ العلما لکھنؤ سے اور

کبھی بھوپال سے ان اکابر کو زحمت دی جائے؛ تاکہ گجرات کے باشندے مختلف شخصیات سے متعارف بھی ہوں اوران کے علمی وفکری ارشادات سے مستفید ہوسکیں۔

اسی مشورہ کے مطابق ہم نے حضرت مولانا محمد عمران خان رحمہ اللہ کو سالانہ جلسہ میں تشریف لانے کی دعوت پیش کی اور حضرتؒ نے ازراہ شفقت دعوت قبول فرمالی، مقررہ تاریخ کے اگلے روز سورت سے ترکیسر تشریف لائے، اساتذہ، طلبہ، اراکینِ مدرسہ اوراہالیانِ ترکیسر نے پرجوش استقبال کیا۔

اگلے روز صبح ناشتہ کے وقت ناچیز حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوا اور خیریت دریافت کرنے کے بعد بر سبیل تذکرہ عرض کیا کہ حضرت! آپ چوں کہ پہلی بار سالانہ اجلاس میں تشریف لائے ہیں اس لیے دور دور سے لوگ آرہے ہیں۔

حضرتؒ نے سنتے ہی خاص انداز میں منہ بنا کر فرمایا: جی ہاں! میں سمجھتا ہوں کہ آپ یہ بات کیوں کہہ رہے ہیں، آپ کا مطلب یہ ہے کہ جُمّن خان دو گھنٹہ تک چیختا رہے اور یہ میرے بس کی بات نہیں، بندہ نے عرض کیا: حضرت! میں تو ویسے ہی عرض کررہا تھا۔فرمانے لگے: جی ہاں! میں مہتمم لوگوں کے طور وطریق کو خوب سمجھتا ہوں اوراس کے بعد مسکرانے لگے۔ وقت مقررہ پر جلسہ شروع ہوا، طلبہ کے پروگرام کے بعد حضرتؒ کی تقریر شروع ہوئی، حضرت کی تقریر بہت ہی پراثر تھی اور درمیانِ تقریر کبھی مجمع کو ہنساتے اور کبھی رلاتے رہے، پورا مجمع ساکت وصامت ڈیڑھ گھنٹہ تک سنتا رہا، کاش کہ حضرتؒ کی تقریر ٹیپ ہوجاتی، حضرتؒ بھی طلبہ کے پروگرام سن کر خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

ترکیسر کے جلسہ کے بعد مولانا کو بمبئی جانا تھا، اس لیے عصر کے بعد روانگی ہوئی اور سورت حافظ بردھرس کے مکان پر رات کا قیام طے ہوا۔ شیخ محمودؒ مرحوم(۱)، بھائی عبدالحفیظ صاحب اور دیگر بہت سے حضرات چشم براہ تھے، مغرب سے کچھ پہلے ہم ''ساحل'' پر پہنچ گئے، (حافظ بردھرس کے بنگلہ کا نام ''ساحل'' ہے) مغرب کے بعد کھانا کھایا اور جناب شیخ محمودؒ اور اہل خانہ ضروری کاموں میں مشغول ہو گئے۔ مکان دریائے تاپتی کے کنارہ پر ہے، باہر چمن لگایا گیا ہے، وہاں سے بیٹھ کر دریائے تاپتی کا نظارہ ہوتا ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا، مولوی صاحب! آئیے، تھوڑی دیر باہر بیٹھ جائیں، حضرتؒ زمین پر ہی بیٹھ گئے اور مجھے اپنے پاس بٹھا دیا، فرمانے لگے: مولوی صاحب! ہم نے کئی سال ندوۃ العلما میں رہ کر اہتمام کی ذمے داری نبھائی، اس لیے چند باتیں کہتا ہوں جو تمھیں کام آئیں گی، فرمایا کہ:

(۱) دارالعلوم کے اساتذہ یا غیر تعلیمی عملہ کے ساتھ جو بھی بات ہو تحریری ہو، اور اس کو فائل میں محفوظ رکھنا، اس لیے کہ جب تعلقات اچھے ہوتے ہیں تب تک سب اچھا چلتا ہے اور جہاں کسی معاملے میں ناراضگی ہوئی یا کسی ضابطہ کی خلاف ورزی پر روک ٹوک کی گئی، بس! آپ کی سات پشتوں کی خامیاں تلاش کریں گے، ایسے موقع پر یہ تحریریں کام آئیں گی۔

(۱) **شیخ محمود بن محمد عمر منیارؒ:** سورت کے مشہور سخی اور مہمان نواز منیار خانوادے کے رکنِ رکین تھے، آپ حافظ محمد عمر صاحبؒ کے سب سے بڑے صاحب زادے ہیں، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے تاحیات رکنِ شوریٰ رہے، اپنے زمانے میں تمام فلاحی وملی کاموں میں پیش پیش رہتے، گجرات میں ہونے والے تبلیغی اجتماعات کی پوری سرپرستی اور ذمے داری نبھاتے۔ سورت یتیم خانہ وغیرہ کئی اداروں کے بھی رکن رہے ہیں۔ غالباً ۲۰۰۵ء میں انتقال ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے۔ آمین!

(۲) کبھی کبھی درجہ میں جا کر طلبہ کی تعلیمی رفتار اور ان کے علمی معیار کا جائزہ بھی لیتے رہیں، اساتذہ اور طلبہ دونوں مستعد رہیں گے۔

(۳) وقت کی پابندی کا خود خیال رکھیں، مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے قبل حاضر ہو جائیں، تاکہ دوسروں کو بھی تاخیر کرنے میں تامل ہو۔

(۴) اساتذہ اور دیگر ملازمین کے احترام واکرام میں کوتاہی نہ ہو، مگر ضابطہ اور قانون کی پابندی میں رعایت نہ ہو، نہ تو جانب داری کا معاملہ ہو، ورنہ خواہ مخواہ محاذ آرائی شروع ہو جائے گی۔

مولانا کی اِن قیمتی نصائح اور مجرّب باتوں پر عمل کرنے سے بندہ کو بہت نفع ہوا، ہمیشہ حضرت کو دل سے دعا دیتا رہا۔

ایک مرتبہ بمبئی میں اتفاقی ملاقات ہوئی، کھوکھا بازار کی مسجد میں تبلیغی جماعت کے ذمے دار مشورہ کر رہے تھے، بندہ بھی اس میں شامل ہو گیا، تھوڑی دیر میں مولانا کہیں سے تشریف لائے، سب ہی حضرات کھڑے ہو گئے، راقم بھی ملاقات سے مشرف ہوا۔ جماعت کے احباب نے عرض کیا، حضرت! آج مغرب بعد باندرہ کی جامع مسجد میں آپ کا بیان طے کیا ہے اور اس کا اعلان کر دیا گیا ہے، مولاناؒ نے فرمایا: یہ اعلان کس کے مشورہ اور کس کی اجازت سے ہوا؟ ہم ہرگز نہیں جائیں گے، ذمے دارانِ تبلیغ نے عرض کیا، حضرت! اعلان ہو چکا ہے، فرمایا اس کا ذمے دار میں نہیں ہوں، اعلان کرنے والے اس کے ذمے دار ہیں۔ مجھے مخاطب بنا کر فرمانے لگے، مولانا! یہ لوگ اپنے ایمانی جوش میں یہ بھول جاتے ہیں کہ ان کا اور

کوئی پروگرام بھی ہوسکتا ہے، بغیر مشورہ کے اعلان کر دیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں، یہ اصولی بات تھی، سب خاموش ہو گئے اور کسی عالم کو باندرہ بھیج دیا گیا۔

حضرتؒ کی اصول پسندی:

حضرت مولاناؒ کے بارے میں محترم جناب عبدالحفیظ صاحب منیار سورتی(۱) نے فرمایا کہ مولانا تاج المساجد کی تعمیر کے سلسلے میں سورت تشریف لائے تو بھوپال سے اپنی گاڑی اور ڈرائیور ساتھ لے کر آئے، اور ہم لوگوں سے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ کے پاس موٹریں ہیں؛ مگر آپ لوگ کاروباری لوگ ہیں، آپ کے اپنے کام اور پروگرام ہوتے ہیں، اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ گجرات کے اس سفر میں ہم اپنی گاڑی ساتھ رکھیں، چناں چہ گجرات کے مختلف مقامات کا سفر اسی گاڑی پر ہوا۔

---

(۱) جناب عبدالحفیظ صاحب بن حافظ محمد عمر صاحبؒ: منیار فیملی کے چشم و چراغ ہیں، ۱۹۳۲ء میں سورت میں ولادت ہوئی، جوانی میں حفظ کلام پاک شروع کیا تھا لیکن مرض کی وجہ سے تکمیل نہ ہوسکی؛ کلام پاک کے ساتھ محبت اور لگاؤ کی بات تھی کہ پندرہ پارے جو آپ نے یاد فرمائے تھے، اخیر تک اُن کو یاد رکھا۔ دارالعلوم تاج المساجد بھوپال کے رکنِ شوریٰ رہے، دارالعلوم رام پورہ کے تقریباً پچیس سال تک ناظم و مہتمم رہے۔ اوقات الصلاۃ کے بھی بڑے ماہر تھے؛ چناں چہ موصوف نے ایک شمسی تقویم بھی تیار کی تھی جو آج بھی گجرات میں رائج ہے۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال تعلق رہا؛ نیز حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ دہلی میں تیس سال تک قیام فرمایا، سال کے اکثر اوقات حضرت کی صحبت ہی میں گزارتے۔ تبلیغ کے سلسلے میں بیرون کے بھی متعدد بار اسفار فرمائے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ حضرت مولانا حسان صاحب مکیؒ سے آپ کو بیعت کی اجازت حاصل تھی۔ ان کے علاوہ تمام اکابرین کے صحبت یافتہ تھے۔ آپ کی اولاد میں حضرت مولانا عبدالباسط صاحب زید مجدہٗ مشہور عالم ہیں۔ افسوس! سورت کا یہ مایۂ ناز سپوت ۲۱/دسمبر ۲۰۱۹ء کو مسافرانِ آخرت میں شامل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور آپ کے چھوڑے ہوئے نقوش کو پایندہ اور تابندہ رکھے۔ آمین!

مگر اتفاق سے ڈرائیور صاحب بیمار ہوگئے، اس لیے ناچیز (عبدالحفیظ بھائی) سعادت سمجھ کر گاڑی چلاتا رہا اور اس طرح حضرتؒ کی رفاقت وخدمت کا موقع میسر ہوگیا۔ اسی تاج المساجد کے سلسلے میں سورت کے چند اصحاب خیر اور اعیان شہر کو جمع کیا گیا، اور حضرت نے ''تاج المساجد کی کہانی عمران خان کی زبانی'' عجیب انداز سے سنائی، جس سے شرکائے مجلس بہت متاثر ہوئے اور ہر ایک نے حسبِ حیثیت حصہ لیا۔

اسی مجلس میں جناب بابو بھائی سپاری والے بھی تھے، جو گجرات میں منسٹر بھی رہ چکے تھے، انہوں نے عرض کیا کہ: حضرتؒ! اگر پلان میں سے مناروں کو حذف کردیا جائے تو شاید خرچ میں کافی کمی ہوجائے گی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنی رائے پیش فرمائی، میری درخواست ہے کہ آپ حضرات ایک وفد بنا کر بھوپال تشریف لائیں اور مسجد کی جگہ نیز اس کی پوزیشن کا معاینہ فرمائیں، اس کے بعد جو رائے ہوگی اس کے مطابق حذف واضافہ ہوجائے گا۔

حضرتؒ کی اصول پسندی اور موقع شناسی ودردمندانہ گفتگو کا بہت اچھا اثر ہوا، اس کے بعد بھی حضرتؒ کے متعدد اسفار ہوئے جس سے لوگ مانوس ہوتے گئے اور آپ کے گرویدہ ہوگئے۔

اخیر میں ندوۃ العلما کے پچاسی سالہ اجلاس میں ملاقات ہوئی؛ مگر مولاناؒ کی شدید مصروفیت اور مہمانوں کی کثرت کے سبب کسی مجلس میں حاضری کا موقع نہیں مل سکا۔

مولاناؒ بہت نڈر اور صاف گو عالم تھے، اللہ تعالیٰ نے انتظامی صلاحیتیں بھرپور

عطا فرمائی تھیں، اخلاص اور خداترسی کے بلند مقام پر فائز تھے، تقویٰ اور اصول پسندی میں اسلاف کا نمونہ تھے، اسی لیے ہر طبقہ اور ہر جگہ پر مولاناؒ کا احترام کیا جاتا تھا۔

دعوت وتبلیغ کے کاموں کے ساتھ تاج المساجد کی تکمیل اور علمی درس گاہ کی نگرانی میں مولاناؒ نے جس طرح جاں فشانی ودل سوزی سے کام کیا ہے وہ انہی کا حصہ تھا۔ حضرتؒ کے یہ کارنامے صدقۂ جاریہ بن کر ہمیشہ فیض رساں رہیں گے اور ان کے لیے آخرت میں بلندیٔ درجات کا سبب بنیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرتؒ کے صاحب زادگان، شاگردوں نیز متعلقین کو ان کے نقشِ قدم پر چلا کر اسلام اور امت اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿وَمَاذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ﴾

﴿وَقُلُ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ﴾

والسلام

احقر عبداللہ کاپودروی غفرلہٗ

کاپودرا، ضلع بھروچ، گجرات

باسمہ تعالیٰ

حضرت شیخ محمد یونس صاحب جون پوریؒ کی عظمت کا راز (۱)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، و خاتم النبيين، وعلى اله وأصحابه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

قال النبي صلى الله عليه وسلم: ما تواضع أحد لله إلا رفعه الله. (۲)

ہمیں بڑی خوشی ہے کہ حضرت شیخ محمد یونس صاحب جون پوریؒ کے تلمیذ خاص اور مسترشد حضرت مولانا محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم (۳) نے بڑی

(۱) زیرِ نظر مقالہ جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڑ کے آنگن میں ۸/مارچ ۲۰۱۸ء کو امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ کی حیات وخدمات پر منعقد ہونے والے یک روزہ سیمینار میں پیش فرمایا تھا۔

(۲) رواه مسلم: الرقم: ٦٧٥٧

(۳) **حضرت مولانا محمد حنیف صاحب صالح:** لوہارہ ضلع سورت گجرات کے باشندے ہیں، ابتدائی تعلیم اپنے وطن لوہارہ میں حاصل فرمائی، پھر کچھ مدت دار العلوم کنتھاریہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد گجرات کی مشہور دانش گاہ جامعہ حسینیہ راندیر تشریف لے گئے اور وہاں سے سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ بعدہٗ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے جا کر مکرر دورۂ حدیث شریف پڑھنے کی سعادت حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں حضرت مفتی اسماعیل صاحب واڈی والاؒ، حضرت شیخ ابراہیم صاحب اندوری مدظلہٗ، حضرت شیخ محمد یونس صاحب جون پوریؒ، حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد عاقل صاحب سہارن پوری دامت برکاتہم وغیرہ جلیل القدر علما ہیں۔ موصوف ایک طویل مدت سے جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڑ کی مسندِ مشیخت کی رونق میں اضافہ فرما رہے ہیں، اس کے علاوہ جمعیۃ علمائے گجرات کے صدر، جامعہ حقانیہ کٹھور، دار الیتامیٰ بھروچ اور دار العلوم وقف دیوبند وغیرہ متعدد دینی اداروں کے رکنِ رکین ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ، صوفی مکرم حسین صاحب سنسار پوری دامت برکاتہم اور حضرت مولانا =

محبت و عقیدت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے یہ سیمینار منعقد کیا ہے، جس میں اہلِ علم و فضل کی ایک بڑی تعداد اس وقت شریک ہے۔

یہ اللہ کا فضل خاص ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے انتقال کو آٹھ ماہ کا عرصہ ہی گزرا ہے کہ حضرت کی حیات و خدمات پر کئی کتابیں چھپ کر آ چکی ہیں اور عالمِ عرب میں بھی حضرت پر کئی تحریریں لکھی گئیں اور بڑی مقبول ہوئیں۔ راقم نے جب اس ناحیہ سے حضرت شیخ کی شخصیت میں غور کیا کہ اس قابل رشک مقام اور قلیل النظیر عظمت کا راز کیا ہے؟ تو اپنی محدود معلومات اور غور و فکر کے نتیجہ میں جن باتوں نے ذہن و دماغ پر دستک دی، اسے بے تکلف سپر دقرطاس کیا جارہا ہے۔

(۱) حضرت شیخ رحمہ اللہ پوری زندگی اپنے تمام اساتذہ اور بطور خاص اپنے ابتدائی اساتذۂ کرام کے احسان مندر رہے۔ عالمِ اسلام کے ممتاز محدثین کی صف میں نمایاں مقام پالینے کے باوجود آپ ہمیشہ اپنی نجی اور درسی مجالس میں بڑے والہانہ اور عقیدت مندانہ انداز میں اپنے ابتدائی دور کے اساتذہ حضرت مولانا ضیاء الحق صاحبؒ(۱)، حضرت مولانا ....

=تقی الدین صاحب ندوی دامت برکاتہم سے آپ کو اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ ''مونس القاری'' کے نام سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ کے درسی افادات بڑی آب و تاب کے ساتھ آپ نے مرتب فرما کر شائع فرمائے ہیں، ابھی تک اس کتاب کی ایک جلد مارکیٹ میں آئی ہے، دعا ہے اللہ تعالیٰ بقیہ جلدوں کو عافیت کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کا فیض عام و تام فرمائے۔ آمین!

(۱) حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادیؒ: مرشدِ امت حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ کے ماموں زاد بھائی تھے، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے فاضل اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ کے خاص استاذ و مربی تھے۔ ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۱ء میں وفات ہوئی۔ رحمه الله رحمةً واسعةً!

............عبدالحلیم صاحبؒ(۱) وغیرہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ کے ساتھ نیاز مندانہ ربط اور ان کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ بھی آپ نے مخلصانہ اور خیر خواہانہ تعلق تادم حیات باقی رکھا اور ان بزرگوں کے اداروں کا بھی موقع بہ موقع تعاون فرماتے رہے اور اخیر عمر تک اپنے محسنین کے ایصال ثواب کے خاطر بکثرت صدقہ کرتے رہے۔ یہ تو وقت کے امیر المؤمنین فی الحدیث کا رویہ ہے، دوسری طرف ہمارے نوخیز فضلا کی روش یہ ہے کہ ابتدائی اساتذہ کو تو کجا، اپنے بڑے اساتذۂ کرام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے ؎

''پرانی راہ کیا چھوٹی کہ اب منزل نہیں ملتی''

(۲) مولانا مرحوم کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مظاہر علوم میں آکر آپ نے اپنے اکابر خصوصاً حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی ذات میں اپنے آپ کو مٹا کر رکھ دیا تھا، آپ ایک غلام بے دام کی طرح اپنے وجود کو حوالے کر کے ان قدسی نفوس آقاؤں کے آستانے پر پڑ گئے تھے اور ''سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے'' کی عملی تصویر بن گئے تھے؛ حتی کہ حضرت

(۱) **مرشدِ امت حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ:** آپ کا اصل وطن فیض آباد ہے۔ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے فاضل تھے، مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خصوصی مجازین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ دارالعلوم دیوبند، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے رکنِ مجلسِ شوریٰ تھے۔ جامعہ ریاض العلوم گورینی جون پور کی بِنا آپ ہی نے رکھی تھی۔ آپ کے خلفا و منتسبین میں شیخِ طریقت حضرت مولانا منیر احمد صاحب بستوی دامت برکاتہم ممبئی میں رونق افروز ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ آپ سے کسبِ فیض فرما رہے ہیں۔ حضرت مرشدِ امتؒ نے ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء میں وفات پائی۔ آپ کے سلسلے میں مزید معلومات کے لیے آپ کی سوانحِ حیات ''حیاتِ مرشدِ امت'' کی طرف مراجعت فرمائیں۔

شیخ الحدیث صاحب کے ساتھ اپنے علمی اختلافات کے باب میں بھی انتہائی حزم و احتیاط سے کام لیا اور آپ کی محققانہ طبع رسا سوئے ادب کی خار دار وادیوں سے کوسوں دور رہی۔ اس خود سپردگی اور فنائیت و بے نفسی کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں بزرگوں کے علمی وعرفانی چشمے اپنے پورے بہاؤ اور وفور کے ساتھ حضرت شیخ کی طرف رواں دواں ہو گئے تھے، جس کے اثرات عالم آشکارا ہیں ؎

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گُل و گلزار ہوتا ہے

سید محمد مست کلکتوی

(۳) اس محدث کبیر کی عظمت پائدار کا تیسرا راز اس راقم کے ناقص خیال میں حضرت مسیح الامتؒ کے ساتھ آپ کا نیاز مندانہ تعلق اور ان کے در پر رابطے کی حاضری ہے۔ بندے کے فرزندہ مولوی محمد سلمہٗ (۱)- جو جلال آباد میں ایک مدت مقیم

(۱) **حضرت مولانا محمد بن مولانا عبداللہ پٹیل صاحبؒ:** حضرت مفکرِ ملت مدظلہٗ کے فرزندِ اکبر، فاضل مفتاح العلوم جلال آباد، مُجازِ صحبت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہٗ۔ ۲۲ رجُمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۷ رجنوری ۱۹۵۶ء بروز شنبہ ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم ''جامعہ ڈابھیل'' میں حاصل فرمائی، پھر ''فلاحِ دارین ترکیسر'' میں درجۂ مشکاۃ تک پڑھا۔ اسی دوران حضرت مسیح الامتؒ کے سفرِ گجرات کے موقع پر آپ سے متاثر ہو کر جلال آباد تشریف لے گئے۔ وہاں کے قیام کے دوران حضرت کے الطاف وعنایات کے مورد رہے۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا مسیح اللہ خان صاحب، مولانا واجد حسین صاحب، مفتی نصیر صاحب، دادا میاں صاحب، مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب، مولانا سید ابرار احمد صاحب اور مولانا مفتی شیر علی صاحب رحمہم اللہ جیسے اکابر علما ہیں۔ ''دارالعلوم کھروڈ'' کی بنا میں آپ کا ناقابلِ فراموش کردار رہا ہے۔ ایک طویل عرصے تک ''زامبیا'' میں اقامت فرما کر علمی خدمات انجام دیں، پھر ایک طویل عرصے تک ''ملاوی'' میں سکونت پذیر رہے۔ افسوس ہے کہ ۳ رجنوری ۲۰۱۹ء کو انتقال فرما گئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً! آمین!

رہے اور حضرتؒ سے نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے۔ نے بندے سے ذکر کیا کہ حضرت مرحوم اس زمانے میں جب کہ آپ مسندِ حدیث پر جلوہ افروز ہو چکے تھے، سہارن پور سے بذریعہ بس تنہا سفر کر کے جلال آباد حاضر ہوتے تھے اور کبھی کبھی کثرت اژدحام کی وجہ سے تقریباً دو گھنٹے کا یہ سفر کھڑے کھڑے طے کرتے۔ سراپا پیاس اور شوق بن کر حضرت مسیح الامتؒ کی مجلس میں پروانہ وار شریک ہوتے، اپنی تمام تر محدثانہ شان کو بالائے طاق رکھ کر حضرت مسیح الامتؒ کے بالکل سامنے مجسمۂ ادب بن کر تاختمِ مجلس بیٹھے رہتے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ تھانوی انوار و معارف سے بھرپور گنجینۂ روحانیت و معرفت نے آپ کے دل میں کیا کچھ انڈیل دیا ہوگا ؎

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

(۴) شیخ رحمہ اللہ کی عظمت کا چوتھا راز حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ والہانہ تعلق اور فدا کارانہ محبت ہے جو آپ کے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی تھی، اسی شدت تعلق کا نتیجہ تھا کہ اتباعِ سنت آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی اور درودِ پاک آپ کا وظیفۂ حیات، خود بھی اس کا بڑا اہتمام فرماتے اور اپنے شاگردوں، مریدوں کو بھی بار بار درودِ پاک کی تاکید فرماتے اور بارہا آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ”بھائی! ہم نے جو کچھ پایا ہے درودِ پاک کی بدولت پایا ہے“۔

یہ چند احساسات تھے جو ایک امانت خیال کرتے ہوئے حوالۂ قرطاس کر دیئے گئے ہیں؛ ورنہ جہاں تک حضرت کی عظیم شخصیت کا تعلق ہے تو ”سفینہ چاہیے

اس بحرِ بے کراں کے لیے''۔ اصحابِ قلم جس قدر غور و خوض کرتے جائیں گے اس نابغۂ روزگار ہستی کی عظمت و بلندی کی پرتیں اٹھتی چلی جائیں گی ''وربك يخلق ما يشاء ويختار''۔

اخیر میں پھر ایک مرتبہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب کو اس اہم سیمینار کے انعقاد پر ہدیۂ تہنیت و تبریک پیش کرتا ہوں۔ دلی دعا ہے کہ یہ سیمینار اپنے مقصد میں بھرپور کامیاب ہو کر حضرتؒ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ ثابت ہو اور اس سے مہمیز پا کر ہمارے طلبہ، فضلا علم و تحقیق کے نئے قافلے سجاتے رہیں۔ آمین!

راجح بن داود الأحمدآبادي، المولود ۸۷۱ھـ

راجح(۱) بن داود بن محمد بن عيسٰى بن أحمد الهندي الأحمد آبادي الحنفي، ولد في تاسع صفر ۸۷۱ھـ إحدى وسبعين وثمان مأة بأحمدآباد، و نشأ بها يتيمًا لوفاة أبيه في ثاني سنّي مولده. فقرأ على بلديه محمود بن محمد المقري الحنفي في النحو والصرف و المنطق والأصلين والعروض وغيرها، بحيث كان جل انتفاعه به، و على مخدوم بن برهان الدين الحنفي المعاني والبيان، وعلى محمد بن التاج الحنفي الهيئة والكلام، وبرع في الفنون، ونظم الشعر مع جودة الفهم.

لقيني في أوائل سنة أربع وتسعين بمكة، وكان قد قدم هو و أخوه قاسم، وعمهما للحج، فأدركوا الحج في التي قبلها، وكانت الوقفة الجمعة فحجوا، ثم تو جهوا للزيارة النبوية. ثم عاد وقرأ علي جميع شرحي لألفية الحديث من نسخة حصلها الثلاثة بخطوطهم، وانتهى من قراءته في ربيع الأول، وامتدحني بأبيات كتبتها في ما امتدحت به. وكتبت له إجازة هائلة مشتملة على أمور مهمة في نحو

(۱) افسوس! گجرات کا یہ مایۂ ناز سپوت جس کے احوال حافظ سخاویؒ نے ذکر کیے ہیں، اُن کے ذکر سے کتبِ تراجم خاموش ہیں، بعد کی کتابوں میں علامہ سخاویؒ ہی کی ''صدائے بازگشت'' سنائی دے رہی ہے۔ (اسماعیل غفرلہٗ)

ثـلاثة كراريس، و أثبت له من جملتها ترجمة البدر الدماميني لسؤاله في ذالك لـكونه مات في الهند. وزدت له ترجمة العلاء البخاري الحنفي، و نبهـت عـلـى تـكفيره لابن عربي و تكفير من يعتقده و يعتقد مقاله رجاء انتـفـاعـه بـذالك فـي دفـع مـن يـعتـقده و يشتغل بتصانيفه، لكون العلاء معروف الجلالة بينهم، بحيث قرأ عليه صاحب كلبرجا، وكان يرسل له الهدايا الجزيلة، ثم نبهت على دخول الصلاح الأقفهسي أيضًا بلاد الهند.

و لا زمني في غضون قراء ته هو و أخوه حتى سمعا علي من أوّل البـخـاري إلـى قبيـل قـصة عكل وعرينة بنحو صفحة، و هو في النّصف الثـانـي منه، وكذا من الصيد والذبائح، وهو أوّل الربع الأخيرمنه إلى باب خـواتيم الذهب. واختص هو بسماع المسلسل من لفظي بشرطه وبثلاثة أحـاديـث مـن عشـاريـاتـي وبحديث عن أبي حنيفة و بمصنفي في ختم البـخـاري، وأعـطيـت منه نسخة، و بسماعه بقراء ة غيره لبعض شرحي لتقـريـب الـنـووي وغيـر ذالك. و وصـفه بالشيخ الفاضل البارع الكامل الـمـفـنـن الـمـعيـن الـمجيد المفيد الفهامة البسامة الناظم العالم الأوحد الأمـجـد نـخبة الـمـحصلين و تحفة الطالبين، من برز في كثير من العلوم الـعـقلية، و تحرز في مباحثه و مناظرته فيما نرجو عن العصبية، بارك اللّٰه تـعالٰى فيه، و تدارك باللطف جميع حركاته، و سائر الخير الذي يرتجيه، وسلمه سفرًا وحضرًا، و ألهمه أسباب الخيرات زمرا.

و إنـه ممن اشتغل في بلاده بنفسه على أكابر علمائه في فنونهم، واستعمل معهم اللين و الرفق حتى اشتمل على مضمونهم،ثم هاجر لقضاء فـرضـه و إمـضـاء مـا بـه يتـوصل لقصده، ونقي عرضه إلى أن قلت: وقد استـدللت حين قراء ته و مخالطته على مزيد براعته وبديع تصوره، و منيع تـعـرفه في تنويعه، و تدبره، و تأسفه على عدم طول المدة ليحظى ببلوغه مـن هـذا الشـأن قصده، و لكنه على كل خير مانع، و رب مكثر فاقه من هـو بـمـا أتقنه قانع. و قد استفاد و أفاد واستعاد ما قد يخفى فيه المراد، و حـقق و توثق واغتبط وارتبط و أنشد في غضون ذالك، والدخول في هذه الـمسـالك طائفة ممن حضر معه، وصورا لفضيلة التي شاهدها منه أبياتا امتـدح بهـا المصنف بليغة في معناها للعارف المنصف، فكان ذالك من تتـمـات فـضـائـلـه و مهمات الدلائل على لطفه وحسن شمائله، بحيث اشتهرت بالمسجد الشريف فضيلته وتقررت أوصافه وفطنته.(۱)

(۱) الضوء اللامع: ج۳/ص۲۲۳،۲۲۲، ط. دار الجيل بيروت

نابینا علما اور ان کے بے مثال کارنامے ☆

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، و على اٰله و أصحابه أجمعين. أما بعد! عن ابن عباس رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من آوى يتيمًا إلى طعامه و شرابه، أوجب اللّٰه له الجنة البتة إلا أن يعمل ذنبًا لا يغفر (١)، و من عال ثلاث بنات أو مثلهن من الأخوات، فأدّبهن و رحمهن حتى يغنيهنَّ اللّٰه، أوجب له الجنة. فقال رجل: يارسول اللّٰه أو اثنتين؟ قال: أو اثنتين، حتى لو قالوا: أو واحدة؟ لقال: واحدة، و من أذهب اللّٰه بكريمتيه وَجَبَت له الجنة. قيل: يا رسول اللّٰه و ما كريمتاه؟ قال: عيناه. (رواه في شرح السنة) (٢)

حضرات علمائے کرام، بزرگو، اور دوستو! آج کی اس بابرکت مجلس میں شرکت کرکے ہم بے حد مسرت محسوس کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے

☆ زیرِ نظر خطاب "مدرسة النور للمكفوفين" جنوبی افریقہ کے پہلے تقسیم اسناد کے اجلاس میں کیا گیا تھا۔

(١) قلت: هٰكذا وقع في المشكاة و لكنه لم يقع في شرح السنة: إلا أن يعمل ذنبًا لا يغفر (شرح السنة: ج١٣/ص٤٥، الرقم: ٣٤٥٧، ط. بيروت) نعم إنها وقعت في الروايات الأخرى.

(إسماعيل عفى عنه)

(٢) مشكاة المصابيح: باب الشفقة و الرحمة على الخلق، الفصل الثاني: ٤٢٣

عزیزم مولوی حسن مرچی صاحب زید مجدہٗ (۱) کو کہ انھوں نے ازراہِ محبت ہم سب کو مدعو کر کے جنتی لوگوں کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کی سعادت بخشی۔

فجزاه الله أحسن الجزاء!

حضرات! آپ سب حضرات کو معلوم ہے کہ آج کا جلسہ "مدرسة النور للمكفوفين" کے چند خوش نصیب طلبا کے فراغت پانے اور ان کو تقسیمِ اَسناد وانعام کے لیے منعقد کیا گیا ہے۔ یہ وہ سعادت مند طلبا ہیں جن کے بارے میں لسانِ نبوت نے **وَجَبَت لَـهُ الْجَنة** کی خوش خبری سنائی ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیثِ پاک ابھی آپ نے سماعت فرمائی ہے۔

حضرات! مولانا حسن مرچی زید علمہ اور ان کے رفقائے کار پوری امتِ مسلمہ کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اپنے فاقد البصر بھائیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے یہ ادارہ قائم فرمایا، اور کئی سال سے اس کے لیے پوری محنت اور توجہ سے عظیم الشان خدمات انجام دے کر آج اس کا ثمرہ ہمارے سامنے پیش کر رہیں ہیں۔ **فجزاهم الله عنا و عن جميع المسلمين أحسن الجزاء!**

(۱) **حضرت مولانا حسن عبدالقادر مرچی صاحب مدظلہٗ:** دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر کے قابلِ فخر فاضل ہیں۔ جنوبی افریقہ میں "مدرسة النور للمكفوفين" کے نام سے فاقد البصر حضرات کے لیے ایک عظیم الشان ادارہ قائم فرمایا ہے جس کی شہرت چہاردانگِ عالم میں پھیلی ہوئی ہے اور دنیا کے مختلف ممالک میں اس کی شاخیں سرگرم عمل ہیں۔ الحمدللہ! آپ کو یہ فخر حاصل ہے کہ نابینا حضرات کی تعلیم وتربیت کے لیے بہترین انتظام کے ساتھ سب سے پہلا دارالعلوم قائم کرنے کی توفیق ہوئی۔ آپ کی مساعئ جمیلہ اور جہد وکوشش کی برکت سے علومِ اسلامیہ بریل زبان میں منتقل ہوکر فاقد البصر حضرات کی تعلیم وتربیت کے لیے بہترین نصاب تیار ہوگیا ہے۔ حضرت مولانا کو مرشدِ امت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم سے اجازتِ بیعت بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام مساعئ جمیلہ کو شرفِ قبول بخشے اور آپ کا فیض تا اَبد رواں دواں رہے۔ آمین!

حضرات! اس ملک میں فضلائے کرام نے بہت سے دینی ادارے قائم فرمائے ہیں اور وہ سب اپنی اپنی جگہ قابلِ قدر خدمات انجام دے رہیں؛ مگر اِس ادارے کی یہ امتیازی شان ہے کہ وہ اُن طلبا کی تعلیم وتربیت کا انتظام کر رہا ہے جو بینائی کی دولت سے محروم ہیں، اور وہ اب تک دینی تعلیم سے محروم رہتے تھے۔ الحمد للہ! اس مثالی ادارے نے ان کے لیے تعلیم کی راہ کھول کر عظیم الشان فریضہ انجام دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بہت قبول فرمائے۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ کو ہمیشہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے کا خیال رہتا تھا۔ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک مرتبہ میرٹھ شہر کے ایک جلسے میں علما کو توجہ دلائی تھی، کہ مسلمان بچیوں کے لیے مکاتبِ اسلامیہ اور مدارسِ دینیہ ملک کے مختلف علاقوں میں کافی تعداد میں قائم ہو رہے ہیں؛ مگر ہمارے نومسلم بھائیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ابھی کوئی ادارہ قائم نہیں ہوا ہے، اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ کاش کہ حکیم الامتؒ کی اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جاتا تو آج اس کے بہتر نتائج دیکھ سکتے تھے۔

حاضرینِ کرام! قرآن مجید میں سورۂ عبسَ وتولّٰی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نابینا صحابی حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی تھی، جس کی تفصیل سب کو معلوم ہے۔ اس سورت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مجلس میں آتے دیکھتے تھے، تو فرماتے تھے کہ یہ وہ شخص ہیں جن کے بارے میں میرے رب نے عتاب فرمایا(۱)۔ اور صرف اتنا

---

(۱) أخرجه الديلمي في الفردوس، برقم: ٦٨٠٥.

ہی نہیں؛ بل کہ سلطان العلما شیخ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی الدمشقیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: كان الرسول صلى الله عليه وسلم إذا رأه مُقبِلًا بَسَطَ له رِدائَه حتى جَلَسَ عليه إكرامًا لَه.(۱)

کا شانۂ نبوت میں ان کی بہت خاطر مدارات ہوتی تھی۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو لیموں وشہد کھلاتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ نزولِ آیت کے بعد یہ ابن ام مکتوم کا روزینہ ہے۔(۲)

طبرانی میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ مروی ہے کہ: من ذهب بصره في الدنيا جعل الله له نورًا يوم القيامة إن كان صالحًا.

یعنی وہ فاقد البصر حضرات جو دنیا میں نیک اعمال کرتے رہے ہوں گے؛ قیامت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور سے مشرف فرمائیں گے۔(۳)

حضرات! غور فرمائیں، نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلیٰ اخلاق اور ''مکفوفین'' کے ساتھ آپ کے اس نادر الوجود برتاؤ کے بعد کون امتی ایسا ہوگا جو فاقد البصر بھائیوں کو عزت واحترام کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو ۱۳/ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا موقع ملا ہے۔(۴)

الحمد للہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوۂ کریمہ نے امت میں ان کی قدریں بڑھا دیں، اور بینائی سے محرومی کے باوجود یہ حضرات امت میں احترام کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ اور ان ''مکفوفین'' میں ایک اچھی خاصی تعداد علم وفضل میں

(۱) تفسیر شیخ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام السلمی الدمشقیؒ: ۳/۱۳۱۱ (۲) مستدرک حاکم: ۳/۷۳۵، الرقم: ۶۶۷۰

(۳) رواه الطبراني في الأوسط: ۲/۵۲، الرقم: ۱۲۲۰ (۴) تاریخ خلیفہ ابن خیاط: ۱/۱۴

کمال حاصل کر کے امت میں بلند مقام حاصل کر چکی ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ نے تاریخِ ابن خَلّکان، تذکرۃ الحفاظ، نزہۃ الالباب وغیرہ کتابوں کی مدد سے مسلمان نابینا فضلا کے حالات میں مختصر رسالہ مرتب فرمایا ہے۔ اس کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، فرائض و حساب وغیرہ علومِ عقلیہ ونقلیہ میں کتنے نابینا حضرات کامل گزرے ہیں۔ اوران میں بعض حضرات مثلاً حضرت قتادہؒ، ابوالعلاء معرّی، بشار بن برد- اپنے فن میں ایسے باکمال ہوئے ہیں کہ بینا علما میں ان کی نظیر مشکل سے نظر آئے گی۔

(۱) علامہ خلیل صفدیؒ نے بھی "الشعور بالعور" نامی کتاب میں نابینا علما کا ذکر کیا ہے۔ "نکت الهميان في نكت العميان" بھی ان کی کتاب ہے جو ۱۳۹۹ھ میں طبع ہوئی۔ ایک عرب عالم نے "العلماء المكفوفون" لکھی ہے؛ مگر مجھے نہیں ملی۔

بہر حال ان حضرات نے بڑے پائے کی کتابیں تصنیف کیں، ان کے حلقۂ درس میں بڑے بڑے نامور علما پیدا ہوئے، ان میں سے بعض باکمال حضرات یہ ہیں:

(۱) محمد بن منہال محدث

ان کی کنیت ابوجعفر ہے۔ بصرہ کے باشندے تھے۔ ابوعوانہ اوران کے طبقے کے شیوخ سے حدیث شریف کی روایت کی۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، ابوداؤدؒ، ابویعلیٰؒ ایسے محدثین ان کے شاگرد ہیں۔ اپنے حافظے سے روایت بیان کرتے تھے، ائمۂ فن نے ان کی توثیق کی ہے۔

کسی نے سوال کیا کہ کوئی کتاب آپ کے پاس ہے، فرمایا، ہاں، میرا سینہ۔ ابویعلیٰ موصلی کے سامنے ان کا ذکر آیا تو انہوں نے بہت تعظیم سے ان کا ذکر کیا اور کہا کہ بصریوں میں ان کے زمانے میں کسی کا حافظہ ان کے جیسا نہیں تھا۔شعبان ۲۳۱ء میں رحلت فرمائی۔(۱)

(۲)مغیرہ ابن مقسم الضبی الکوفی

ابو ہشام کنیت تھی، کوفہ کے باشندے تھے، ۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ دنیا میں آئے تو آنکھوں میں نور نہیں تھا؛ مگر فقیہ اور محدث تھے، ذکاوت اور طباعی میں اعجوبۂ روزگار تھے۔امام شعبیؒ، مجاہدؒ، ابراہیم نخعیؒ جیسے بلند پایہ ائمہ سے فنِ حدیث وفقہ حاصل کیا، اور شعبہؒ اور ابوعوانہؒ جیسے عالی مرتبت امام ان کے شاگردوں کی فہرست میں ہیں۔ امام احمدؒ نے ان کے حافظہ وذہانت اور اتباعِ سنت کی تعریف فرمائی ہے۔

خود فرماتے تھے کہ جو بات ایک دفعہ میرے حافظہ میں آگئی، کبھی گم نہیں ہوئی۔۱۳۳ھ میں وفات ہوئی۔(۲)(☆)

(۳)حماد بن زید بصری

ابواسماعیل کنیت ہے، ابن دینارؒ اور ثابت البنانیؒ وغیرہ محدثین سے حدیث شریف کی روایت کی۔علی بن المدینیؒ ان کے تلامذہ میں ہیں۔ابن مہدیؒ کا قول ہے کہ اپنے زمانے میں یہ چار آدمی امام الناس تھے: سفیان ثوری، امام مالک، اوزاعی، حماد

(۱) سير أعلام النبلاء للذهبي: ١٠/٦٤٤، ط. مؤسسة الرسالة بتحقيق شعيب الأرنؤوط

(۲) سن وفات کے بارے میں ۱۳۳ اور ۱۳۴ھ یوں دو قول مروی ہیں۔ (☆) سير أعلام النبلاء: ٦/١٣

بن زید رحمہم اللہ۔ ابن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ بصرہ میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہیں تھا۔

ان کو خود اپنی روایت کردہ چار ہزار حدیثیں از بر یاد تھیں۔ اس خوبی سے روایت کرتے تھے کہ کبھی خطا نہیں کی، ۱۷۹ھ میں اکیاسی برس کی عمر میں رحلت فرمائی۔(۱)

(۴) ابو معاویہ محمد بن خازم الکوفی

۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، امام اعمشؒ اور ان کے طبقے کے علما سے حدیث حاصل کی۔ بیس برس امام اعمشؒ کی صحبت میں رہے۔ ان کا قول ہے کہ میرے آنکھوں والے ہم سبق اعمش کی درس گاہ سے اٹھ کر میرے ساتھ مکان پر آتے، اور میں ان کو اپنی یاد سے وہ حدیثیں لکھوا دیتا جو شیخ کے یہاں سنی ہوتیں۔ خلیفہ ہارون رشید ان کی بہت تعظیم کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ اور ائمۂ حدیث ان کے شاگردوں میں ہیں۔ ان کی جلالتِ شان یہ تھی کہ جب شعبہ ان کی موجودگی میں اعمش کی احادیث روایت کرتے تو ان سے پوچھتے جاتے کہ اسی طرح ہے جس طرح مَیں نے روایت کی؟ حافظِ قرآن تھے۔ ابن المدینیؒ نے ڈیڑھ ہزار حدیثیں ان سے روایت کیں۔(۲)

(۵) ابو العیناء

محمد نام ہے، ابو العیناء کنیت ہے۔ اصلاً یمامہ کے تھے، اہواز میں ۱۹۱ھ میں پیدا ہوئے، بصرہ میں پرورش پائی اور وہیں علمِ حدیث اور فنِ ادب میں کمال پیدا کیا۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۴۶۱/۷ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۷۳/۹

ان کے استاذ اصمعی اور ابوعبیدہ جیسے کامل الفن تھے۔ حافظہ بہت قوی تھا، نہایت فصیح و بلیغ اور لطائف وظرائف، حاضر جوابی و ذہانت میں بے مثل تھے۔ ایک اور نابینا ابوعلی(۱) ان کے ہم عصر تھے، دونوں میں مقابلہ رہتا تھا۔ ان معرکوں میں جو لطیفے اور مزے دار شعر ہوتے وہ مشہور ہیں۔ ۲۸۲یا ۲۸۳ھ میں وفات ہوئی۔(۲)

(۶) ابوالعلاء (المعرّی) الشاعر

احمد بن عبداللہ، عرب کے مشہور قبیلہ قضاعہ سے تعلق ہے۔ علامۂ عصر اور فنونِ ادب کے عالی مرتبہ اور کامل شخص تھے۔ ۲۷ربیع الاول ۳۶۳ھ کو شہر معرّی واقع ملک شام قریب حماۃ میں پیدا ہوئے۔ چار برس کی عمر میں چیچک کی بیماری لاحق ہوئی(۳) اور آنکھیں اس کی نذر ہو گئیں۔ نحو اپنے والد سے معرّی میں پڑھی۔ شوقِ طلب نے وطن چھڑایا اور حلب پہنچ کر ابن سعد نحوی سے فن نحو کی تکمیل کی۔ گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے۔ ۳۹۸ھ میں بغداد آئے؛ مگر زیادہ نہیں ٹھہرے۔ دوسرے سال پھر سفر کیا اور ایک سال اور سات ماہ قیام کیا، اور کمال حاصل کر کے وطن کی طرف مراجعت کی۔ درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف کا کام بھی جاری تھا۔ نامور علما، وزرا اور ذی رتبہ لوگوں سے جو ان کے معاصر تھے خط وکتابت بھی کرتے تھے۔

---

(۱) اسی طرح ''وفیات الاعیان'' میں مذکور ہے؛ البتہ صاحبِ ''معجم المؤلفین'' تحریر فرماتے ہیں: كان بينه و بين أبي علي البصير مكاتبات و مهاجات. (۱۱/۱۳۹) ...... (۲) وفیات الاعیان: ۴/ ۳۴۷

(۳) امام ذہبی، صفدی، ابن کثیر، سیوطی، اور سید احمد الہاشمی رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے تین برس کی عمر ذکر کی ہے؛ مگر علامہ عبدالعزیز میمنی راجکوٹیؒ نے اپنی لاجواب کتاب ''أبو العلاء المعري و ما إليه: ص ۳۳'' میں اِس پر رد کیا ہے۔ اور مذکورہ بالا قول کی تصحیح فرمائی ہے۔ (اسماعیل عفی عنہ)

انہوں نے ازراہِ ظرافت اپنا نام "رهين المحبسين" (دوہرے قید خانے کا قیدی) رکھا تھا، یعنی نابینا اور خانہ نشیں۔ ۴۵؍سال تک گوشت نہیں کھایا۔

ابو القاسم تنوخی اور خطیب تبریزی جیسے ادیب ان کے شاگرد تھے۔ فہرست تصانیف پر نظر ڈالیے تو ان کے کمال پر حیرت ہوتی ہے۔ ان کی بہت سی تصانیف ہیں، منجملہ ان کے "لزوم مالا يلزم" ۵ جزء، "سقط الزند" اور فن ادب میں "الأيك والغصون" سو جلدوں میں۔ اس کے اشعار بہت مشہور ہیں، اس کے اشعار میں سے چند یہ ہیں:

صاح هذى قبورنا تملأ الرحـ	ـب فأين القبور من عهد عاد
خففِ الوطء ما أظن أديم الأر	ض إلا من هذه الأجسادِ
و قبيح بنا و إن قدم العهـ	ـد هوانُ الآباء و الأجداد
سر إن استطعتَ في الهواء رويدا	لا اختيالاً على رُفات العباد (۱)

(۷) الامام الشاطبی

قاسم بن فیرُّہ نام ہے، ابو محمد کنیت ہے۔ شاطبہ کے باشندے تھے جو مشرقی اندلس (۲) کا ایک بڑا مردم خیز شہر تھا۔ ۵۳۸ھ میں ولادت ہوئی۔ فنِ قراءت کے مشہور امام ہیں۔ علاوہ قراءت کے تفسیر وحدیث کے زبردست عالم اور فنِ نحو ولغت میں بے نظیر تھے، علم تعبیر میں بھی کافی درک رکھتے تھے۔

---

(۱) جواہر الادب: ۳۷۸

(۲) قال النووي: إنها بفتح الهمزة و الدال، و هذا هو المشهور، و يقال بضمهما. (تهذيب اللغات: ۲٤) و في "تاج العروس" للزبيدي: ۱۵/۴۲۳. إنها بفتح الهمزة و بضم الدال واللام. (إسماعيل عفى عنه)

فنِ قراءت قاری ابوعبداللہ اور ابوالحسن اندلسی سے، اور علمِ حدیث ابن سعادہ خزرجی اور حافظ ابن النِّعمۃ وغیرہ سے حاصل کیا۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور موطا پر ایسا کامل عبور تھا کہ طلبا، پڑھتے تو یہ اپنے حافظے سے ان کے نسخوں کی صحت کراتے جاتے تھے، اور کثرت نکات بیان کرتے تھے۔ قول وفعل دونوں میں راست باز تھے، فضول کلام سے سخت احتیاط تھی اور ہرگز بے ضرورت بات نہیں کرتے تھے۔ جب کسی نے مزاج پرسی کی ''خیریت ہے'' کہہ کر خاموش ہو جاتے۔ ان کی کتاب عربی زبان وادب کے لحاظ سے بھی بلند درجہ رکھتی ہے۔

علمِ قراءت باوضو، پرتکلف لباس پہن کر نہایت خشوع وخضوع، انکسار کے ساتھ پڑھاتے۔ ۵۷۲ھ میں مصر گئے، وزیرِ مصر نے بہت اکرام کیا اور ان کے لیے مستقل ایک مدرسہ تعمیر کروایا۔ امام شاطبیؒ مدرسہ مذکور میں کلام مجید، قراءت ونحو ولغت پڑھایا کرتے تھے۔ علامہ ابن خَلِّکان نے فرمایا کہ ان کی ذات نے ایک عالم کو فیض پہنچایا۔ میں نے مصر میں ان کے بہت شاگرد دیکھے۔ ۲۸/جُمادی الاخریٰ، بروز یک شنبہ ۵۹۰ھ میں ۵۲/سال کی عمر میں وفات پائی۔(۱)

(۸) محبّ الدین حنبلیؒ

ابوالبقاء عبداللہ بغداد کے رہنے والے تھے۔ علمِ حساب، فرائض اور نحو میں کامل تھے۔ ۳۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ فن نحو ابن خشاب وغیرہ اساتذۂ فن سے پڑھا، حدیث شریف کی سند امام طاہر مقدسیؒ وغیرہ سے حاصل کی۔ زندگی ہی میں مشہور

(۱) وفيات الأعيان: ٤/ ٧٢

ہوگئے تھے، دور دور سے لوگ ان کے آستانے پر جمع ہوگئے تھے۔ جو آئے علم کی دولت سے مالا مال گئے۔ ان کی آخری عمر میں یہ تسلیم کرلیا گیا کہ فنونِ بالا میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ نحو کی خدمت زیادہ کی، اس فن میں بہت مفید کتابیں لکھیں۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

شرح ایضاح ابوعلی فارسی، شرح دیوان متنبیّ، کتاب اعراب القرآن الکریم، کتاب اعراب الحدیث، شرح اللمع لابن جنی، کتاب اللباب فی علل النحو، کتاب اعراب شعر الحماسۃ، شرح مفصل زمخشری، شرح خطبِ نباتیہ، شرح مقامات حریری، ان کے علاوہ فن حساب میں متعدد تصانیف تھیں۔ ۶۱۶ھ میں بمقام بغداد وفات پائی۔(۱)

(۹) حضرت قتادہ ابن دعامۃ السدوسی الحافظ:

ابوالخطاب کنیت، وطن بصرہ، ۶۰ھ (یا ۶۱ھ) میں پیدا ہوئے۔ جلیل القدر تابعی ہیں اور بڑے پائے کے مفسر تھے۔ تفسیر کے علاوہ حدیث شریف، علم انساب، تاریخ عرب اور علم ادب ولغت میں ان کی جلالتِ شان اور کمال مسلم ہے۔

ابوعبیدہ کا بیان ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ خلیفۂ دمشق کے دربار کا شُتُر سوار ان کے دروازے پر مذکورہ بالا علوم کے بارے میں کوئی بات دریافت کرنے نہ آیا ہو۔

حضرت سعید ابن المسیبؒ کے شاگرد ہیں، جب ان کی خدمت میں پڑھنا شروع کیا تو اس کوشش وجدوجہد سے علم حاصل کرتے تھے کہ ابن المسیبؒ گھبرا اٹھے، اور تیسرے روز فرمانے لگے کہ اے اندھے! تو یہاں سے نکل، تو نے مجھے نچوڑ لیا۔

(۱) وفيات الأعيان: ۱۰۱/۳

ان کا قول ہے کہ مَیں نے کسی محدث سے حدیث دوبارہ سنانے کی فرمائش نہیں کی، اور جو بات میرے کان میں ایک دفعہ پڑ گئی حافظے میں محفوظ ہوگئی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تفسیر واخلاقی مسائل کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ امام ممدوح نے ان کی فقاہت کی تعریف فرمائی ہے۔

بصرہ کے بلند وپست حصے میں بے تکلف بغیر رہبر کے پھرتے تھے۔ ایک مسجد میں پہنچے، وہاں ابن عبید بیٹھے تھے، اتفاقاً اسی وقت ان لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ کا حلقہ چھوڑ کر اپنا حلقہ جدا قائم کیا تھا۔ ان کی آواز سن کر قتادہ سمجھے کہ حسن بصری کا حلقہ ہے، قریب آئے تو اصلی حال معلوم ہوا، بے ساختہ زبان سے نکلا ''ھؤلاء المعتزلۃ'' اس روز سے گروہ مذکورہ کا یہی لقب مشہور ہوگیا۔ ۱۱۷ھ میں شہر واسط میں مبتلائے طاعون ہوکر رحلت فرمائی۔ (۱)

(۱۰) بشار بن برد الشاعر

ابو مُعاذ کنیت تھی، اصلاً ایرانی تھے۔ نابینا پیدا ہوئے، آنکھوں کے حلقے سوجھے ہوئے اور سرخ، بلند وبالا قد اور خوب توانا اور فربہ، چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ شعرائے اسلام کے بعد پیدا ہونے والے شعرا میں یہ پہلے نمبر پہ تھے۔ خلیفہ مہدی کے مداحوں میں تھے۔ نوے برس سے زائد عمر ہوئی۔ ان پر زندقہ کا الزام لگایا گیا، سزا میں ستر درے کا حکم ہوا، اسی سزا میں رحلت ہوئی۔ ۱۶۸ھ کا واقعہ ہے، کسی شخص نے ۱۶۷ھ سنہ وفات لکھا ہے۔ بعض حضرات نے ان کے زندیق ہونے کا

(۱) سیر اعلام النبلاء: ج۵/ص۲۶۹

انکار کیا ہے۔ واللہ اعلم! ان کا دیوان چھپا ہوا ہے۔(۱)

خليلـيّ إن الـمـال ليس بنـافع — إذا لـم يَنَـلُ مِنـه أخٌ وصـديـقٌ
وكـنـتُ إذا ضـاقـت عـلـيّ محلّةٌ — تيـمَّـمـتُ أخـرى مـا علـيَّ تضيقٌ
و مـا خاب بين اللّٰه والناس عاملٌ — لـه فـى التقى أو في المحامد سوقٌ
و لا ضـاق فـضل اللّٰه عن متعَفِّفٍ — و لـكـنَّ أخـلاقَ الـرجـال تضيقٌ
إذا كـنـت في كل الذنوب مُعاتبًا — صـديـقَكَ لَـم تَـلُقَ الذي لا تُعاتِبُهٗ
فـعِـش واحـدًا أوصـل أخاك فإنه — مـفـارقُ ذنـبٍ مـــرـةً و مُجَانِبُـهٗ
إذا أنـت لـم تَشُـرَبُ مَراتٍ على القذى — ظمئت وأي الناس تصفو مشاربُهٗ (۲)

☆☆☆☆☆

اے دل تمام نفع ہے، سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

(مفتی صدرالدین آزردہ)

(۱) وفيات الأعيان: ۱/۲۷۳

(۲) ديوان بشار ابن برد: ۱/۹۳۸

سلطان حاجی ہود چشتی قدس سرہٗ

(ولادت ۴۱۶ھ-وفات ۵۳۶ھ)

خلف عوان عبداللہ صبوحی، آپ قدمائے اولیائے کبار میں سے ہیں، خواجہ مودود چشتی کے خلیفہ تھے، ۴۱۶ھ میں قصبہ خنفور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ جب علمِ ظاہری سے فراغت پائی تو عشقِ الٰہی پیدا ہوا، مرشد کی تلاش میں نکلے، خواجہ ابواحمد چشتی کی خدمت سے مشرف ہوئے، چند روز اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کیا، بعد تکمیل سلوک وطےّ مراتب باجازتِ مرشد ہندوستان تشریف لائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منامی بشارت سے دوسو مریدوں کے ساتھ راجہ کرن کے زمانے میں نہروالہ (پٹن) تشریف لائے، راجہ کے بت خانہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا، مغرب کا وقت ہوا تو مؤذن نے اذان دی اور آپ مع رفقا نماز میں مشغول ہوگئے، ایک شیر بت خانہ سے نکلا اور آپ پر حملہ آور ہوا، جو ہر اجنبی پر حملہ آور ہوتا تھا تو یکا یک عالم غیب سے ایک اور شیر نکلا اور اس کو ہلاک کر دیا۔

جب راجہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے فوجی دستہ گرفتاری کے لیے بھیجا ؛مگر حضرت حاجی ہودؒ جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے وہ مشرف باسلام ہوجاتا۔

ہزاروں لوگ اس طرح اسلام میں داخل ہوئے، راجہ کو خبر ہوئی تو گھبرایا اور بذات خود مع رفقا و وزرا خدمت میں حاضر ہوا اور خود نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ آپ کی ذاتِ بابرکت سے اسلام کی خوب اشاعت ہوئی۔ ۱۵/رجب ۵۳۶ھ کو آپ کا وصال ہوا۔(۱)

(۱) برکات الاولیا: ۵۸-۵۹

مولانا عبدالحی صاحب کفلیتویؒ

عبد الحی بن حافظ احمد(۱) بن سلیمان بن موسی کفلیتوی(۲)، ۱۲۸۳ء میں بہ مقام کفلیتہ ضلع سورت پیدا ہوئے۔ مولانا کے والدان کو مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ کی خدمت میں لے کر آئے جو اس وقت سچین میں مقیم تھے، مولانا لیاقت علیؒ نے دعا فرما کر عبدالحی نام تجویز کیا۔

ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، تین سال میں قرآن مجید حفظ کیا اور کچھ اردو و گجراتی زبان بھی سیکھ لی اور عربی، فارسی کی ابتدائی تعلیم ماموں زاد بھائی مولانا ہاشم بن موسی کفلیتویؒ(۳) سے حاصل کی۔ اس کے بعد سورت جا کر مولانا محمد فاضل سورتیؒ(۴) سے کافیہ، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ایساغوجی، قال اقول وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مزید علم کی غرض سے ۱۳۰۱ھ میں بمبئی کا سفر فرمایا، وہاں

(۱) اسی طرح نزہۃ الخواطر اور ذکر صالحین میں ہے، اکابرینِ گجرات: ۴/ ۱۶۹ پر 'محمد' مذکور ہے جو قابلِ اصلاح ہے۔

(۲) ذکر صالحین جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ پر سلیمان کے والد کا نام یوسف مذکور ہے۔

(۳) **حضرت مولانا ہاشم بن موسیٰ صاحب کفلیتویؒ:** مولانا محمد فاضل سورتیؒ کے تلمیذ رشید تھے، نہایت صالح، متقی اور صابر شاکر عالم تھے۔ ۳۰ رسال کی عمر میں جنون ہو گیا تو اپنے وطن کے قریب ایک ندی میں گر کر وفات پائی۔

(ذکر صالحین: ۳/ ۳۲۲)

(۴) **حضرت مولانا محمد فاضل صاحب سورتیؒ:** شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ اسحاق صاحبؒ کے تلمیذ رشید تھے۔ حصولِ علم کا یہ شوق تھا کہ سورت سے دہلی کا سفر پا پیادہ طے کر کے ان بزرگوں سے کسب علم کیا، زندگی بھر تعلیم وتدریس اور افتا، وعظ وارشاد میں مشغول رہے۔ نوّے سال کی عمر میں سورت میں وفات پائی، دار العلوم اشرفیہ راندیر کی سنگِ بنیاد آپ ہی نے رکھی تھی۔

''مدرسہ کمّو'' میں داخل ہوکر مولانا نظام الدینؒ سے نور الانوار اور مختصر المعانی پڑھی، مولانا شیر محمد افغانیؒ سے قطبی اور اس کے حواشی اور شیخ عبداللہ بدایونیؒ سے شرح جامی کی تعلیم لی۔ ۱۳۰۲ھ میں بھوپال کا سفر فرمایا اور حضرت علامہ مفتی محمد عبدالحق صاحب افغانیؒ(۱) سے حمد اللہ کا کچھ حصہ پڑھا اور مولانا سراج احمد دیوبندیؒ سے تصریح، شرح چغمینی اور دیوان حماسہ کا کچھ حصہ پڑھا۔ مقامات حریری اور متنبّی مولانا ظفر احمد صاحب دیوبندیؒ سے، ملا حسن مولانا نذیر احمد مرادآبادیؒ سے پڑھی، مولانا حافظ احمد صاحب محدثؒ سے صحاح ستہ حاصل کی اور علامہ محدث شیخ حسین یمانی(۲) سے صحاح ستہ کے اوائل پڑھے۔

کچھ مدت کفلیتہ میں قیام کر کے ۱۳۰۳ھ میں کان پور کا سفر فرمایا، وہاں ''دارالعلوم کان پور'' میں علامہ مولوی الٰہی بخش پنجابی سے ہدایہ اخیرین، رسالہ قطبی، میر زاہد، ملا جلال، شرح عقائد، خیالی اور سراجی پڑھی۔ اس کے بعد رام پور کا سفر فرمایا اور وہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی(۳) سے توضیح تلویح کا کچھ حصہ اور مولانا نادرالدین

---

(۱) **حضرت مفتی عبدالحق بن محمد اعظم صاحبؒ:** کابل کے باشندے تھے، مولانا عبدالحق خیرآبادیؒ اور مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ کے شاگرد تھے، بھوپال میں افتا و قضا کی خدمات انجام دی ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۲۲؍رمضان ۱۳۲۱ھ کو وفات پائی اور بھوپال میں دفن ہوئے۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۲۴۰)

(۲) **شیخ حسین بن محسن انصاری یمنیؒ:** جلیل القدر محدث تھے، قاضی شوکانی کے بیک واسطہ شاگرد تھے؛ بل کہ خود قاضی شوکانی سے بھی آپ کو اجازت تھی۔ علوِ اسناد، غیر معمولی حافظہ اور علوم حدیث میں آپ کا تبحر مسلم تھا۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی، مولانا شمس الحق ڈیانوی صاحبِ غایت المقصود، مولانا عبدالحی لکھنوی جیسے جبال العلم نے آپ سے کسبِ فیض فرمایا ہے۔ ۱۳۲۷ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۱۲۱-۱۲۶)

(۳) **حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادیؒ:** نادرۂ روزگار اور علامۂ وقت تھے، منطق وفلسفہ میں امامت کا مقام حاصل کیا، متعدد کتابوں کے شرح وحاشیہ کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۱۸ھ میں انتقال فرمایا۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/ ۲۴۰)

صاحب سے قاضی مبارک بحث موضوع تک پڑھی۔ اس کے بعد چند ماہ علی گڈھ میں قیام فرما کر علامہ لطف اللہ (۱) سے شمس بازغہ، پھر کان پور حاضر ہوکر مولانا احمد حسن کان پوریؒ (۲) سے تفسیر بیضاوی، شرح معانی الآثار، مسلم شریف اور کچھ منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۷ھ میں لکھنؤ کا سفر فرمایا اور علم طب سیکھنے کی ابتدا کی، جس کی تکمیل دہلی کے جامعہ طبیہ میں ہوئی، ۱۳۰۸ھ میں کفلیتہ واپسی ہوئی اور راندیر کے مدرسہ محمدیہ میں تدریس شروع فرمائی۔

کان پور کے جلسۂ دستار بندی میں مولانا لطف اللہ علی گڈھی اور اکابر علما نے سند پر دستخط فرمائے۔ ۱۳۰۹ھ میں برما کی جامع مسجد کے خطیب بنائے گئے، وہاں دس سال تک دینی کاموں میں مشغول رہے اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔

۱۳۲۱ھ میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور پورے سات ماہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام فرمایا۔ مدینہ کے قیام کو غنیمت جان کر مفتی سید احمد برزنجیؒ اور مولانا سید محمد المغربیؒ سے سندیں حاصل کیں۔ مکہ مکرمہ میں حضرت شیخ حسین طرابلسی صاحبِ رسالہ حمیدیہ وحصون حمیدیہ اور علامہ ابوالخیر احمدؒ سے سندیں حاصل فرمائیں۔ زیارت حرمین شریفین کے بعد تھوڑی مدت وطن میں قیام فرمایا، پھر

---

(۱) حضرت مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی: صاحبِ علم الصیغہ مفتی عنایت احمد کاکوری اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ کے شاگرد ہیں، مختلف علوم وفنون کے متبحر عالم تھے، ۲۱/ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ کو نوّے سال کی عمر میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/۴۰۴)

(۲) حضرت مولانا احمد حسن صاحب کان پوریؒ: مشہور صاحبِ درس عالم تھے، مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد تھے، جامعہ مظاہر علوم سہارن پور اور مدرسہ فیض عام کان پور میں تدریس فرمائی۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے سلوک کی تکمیل کی، کئی کتابوں پر حواشی لکھے جن میں مثنوی کا حاشیہ قابل ذکر ہے۔ ۱۳۲۲ھ میں وفات پائی۔ (نزہۃ الخواطر: ۸/۴۸)

رنگون کی جامع مسجد کے خطیب بن کر دوبارہ برما کا سفر فرمایا اور نو سال قیام فرمایا، آخر میں چندروز بیمار رہ کر رحلت فرمائی۔

۱۰؍رجب المرجب ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۱۳ء بروز دوشنبہ عصر کے بعد وفات پائی اور رنگون میں مدفون ہوئے۔

مولانا عبدالحی صاحب کی تصانیف مندرجۂ ذیل ہیں:

(١) البصائر في تذكير العشائر

(٢) المدافع الإلهية في الرد على مذهب البابية

(٣) نسيم الصبا في حرمة الربا

(٤) سلعة القربة في توضيح شرح النخبة

(٥) نظم الدرر (٦) القول الأغر

(٧) عقد الفرائد في نظم العقائد (٨) نزهة الأنظار

(٩) أطيب المرام (١٠) أداة التنبيه

(١١) الشهاب الثاقب (١٢) الخلافة

(١٣) إجابة السائل عن القنوت في النوازل (١٤) القول المجلى

(١٥) السبيل الأقوم في توضيح المسلّم (١٦) سوانح علوم اسلاميه

(١٧) كلمة الفصل (١٨) مجموعة خطب منبرية

(١٩) نضرة النعيم (٢٠) هدية السفر

وغیرہ۔

صوفی شاہ سلیمان لاجپوری صاحبؒ

ابومحمد عبدالاحد سلیمان صوفیؒ (۱) قصبۂ لاجپور ضلع سورت میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا اسم گرامی حافظ احمد بن شیخ یعقوب دیوان ہے، صوفی صاحب کی والدہ عرب خاندان سے تھیں، ولادت کی صحیح تاریخ معلوم نہ ہوسکی۔

قصبۂ لاجپور میں ابتدائی تعلیم حاصل کی، اساتذہ میں مولانا فقیر اللہ صاحب (۲) (قاضی ریاست سچین) بھی ہیں، زراعت ذریعۂ معاش تھا، بچپن ہی سے ذکر و شغل و عبادت کا شوق دامن گیر تھا۔ حضرت شاہ نظام الدین (۳) خلیفۂ حضرت شاہ غلام علی

---

(۱) ابومحمد آپ کی کنیت ہے، سلیمان آپ کا اسم گرامی ہے اور عبدالاحد آپ کا لقب ہے جو آپ کو آپ کے شیخ کی طرف سے ملا تھا، اس میں اس بات طرف اشارہ ہے کہ آپ یکتائے زمانہ اور فرید الدہر تھے۔ (اکابرینِ گجرات: ۴/۳۵۰)

(۲) **میر سید فقیر اللہ صاحب:** بھروچ کے سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ نواب ابراہیم خان، نواب سچین کے زمانے میں لاجپور تشریف لائے۔ خدارسیدہ علم ظاہری و باطنی کے جامع تھے اور عربی و فارسی کے مسلم استاذ تھے۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت صوفی صاحبؒ کے علاوہ مولانا محمد سامرودیؒ، مولانا سید طٰہٰ صاحب لاجپوریؒ وغیرہ ہیں۔ آپ نواب ابراہیم خان صاحب کے خویش بھی تھے۔ (ذکرِ صالحین: ۳/۴۸۰)

(۳) **شاہ نظام الدین افغانیؒ:** ''باجوڑ'' افغانستان کے باشندے تھے، شیخ محمد جان مکیؒ کے خلیفہ تھے، انہی کے حکم پر ترکیسر تشریف آوری ہوئی، یہاں آپ کی ذات خجستہ صفات سے کثیر تعداد میں لوگوں کو فیض پہنچا، آپ کے خلفا میں صوفی صاحبؒ کے علاوہ شیخ موسیٰ جی ترکیسریؒ مشہور صاحبِ کرامات بزرگ گزرے ہیں، جن کے اوصاف و کمالات امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے ''کراماتِ موسویہ'' میں ذکر فرمائے ہیں۔ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ (اکابرینِ گجرات: ۴/ ۶۷-۷۱، کراماتِ موسویہ: ۵۰-۵۶)

صاحب نقش بندی دہلوی(۱) جب ترکیسر تشریف لائے تو ان کے دست مبارک پر بیعت کی، چند روز میں منزل مقصود تک پہنچ گئے۔ پنجاب اور گنج مرادآباد کا سفر فرما کر حضرت حاجی وارث علی شاہؒ اور مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ(۲) کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں مولانا لیاقت علی الہ آبادی لاجپور تشریف لائے، ان کے ساتھ بہت ہی تعلق اور محبت ہوئی، مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ(۳) بڑے عالم فاضل اور پرہیزگار آدمی تھے، ان کے ساتھ مل کر دینی اصلاح کے بہت اہم کام کیے، عورتوں کا لباس جو ہندوانہ تھا تبدیل کرایا۔

---

(۱) صحیح یہ ہے کہ آپ شیخ محمد جان مکیؒ کے خلیفہ تھے، جن کو شاہ غلام علی دہلویؒ سے اجازت تھی، یوں آپ بیک واسطہ شاہ غلام علی دہلویؒ کے خلیفہ ہوئے۔

(۲) حضرت مولانا فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ: مشہور صاحبِ سلسلہ نقش بندی بزرگ ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ اسحاق صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ حدیث شریف سے خاص اشتغال تھا۔ بقول صاحبِ نزہۃ الخواطر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد اتنا بڑا اصاحبِ کشف وکرامت بزرگ میں نے نہیں دیکھا۔ ''باغِ عارف'' اور ''اکابرینِ گجرات'' کے بیان کے بہ موجب حضرت صوفی صاحبؒ کو حضرت گنج مرادآبادیؒ سے خلافت تھی۔ صوبۂ گجرات میں حضرت شاہ فضلِ رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ سے حضرت صوفی صاحبؒ کے علاوہ مولانا وصی احمد سورتیؒ کو بھی اجازتِ بیعت حاصل تھی۔
(دیکھئے اکابرینِ گجرات: ۴/۱۸۳، تذکرۂ محدث سورتی: ۵۸)

(۳) حضرت مولانا لیاقت علی صاحب الہٰ آبادی: جنگ آزادی کے بے مثال مجاہد تھے، ۱۸۵۷ء میں غدر کے وقت آپ کو بہادر شاہ ظفر کی طرف سے الہٰ آباد کا نواب متعین کیا گیا تھا؛ چھ ماہ اس عہدے پر فائز رہے، پھر انگریزوں سے شکست کھا ئی؛ چناں چہ وہاں سے فرار ہو کر لاجپور میں روپوشی اختیار کی۔ نوابِ سچین ابراہیم خان ثانی آپ کا بڑا معتقد تھا، چناں چہ اُس نے آپ کے لیے جامع مسجد کے عقب میں قبرستان کے متصل ایک مکان تعمیر کرا دیا تھا جس میں آپ مع اہل وعیال فروکش تھے۔ یہاں کے قیام کے زمانہ میں آپ کی ذات بابرکت سے لوگوں کو بڑا فیض پہنچا، آپ نے رسم ورواج کو ختم کرنے میں خصوصی کردار ادا کیا، پھر نواب صاحب کے ساتھ کچھ چپقلش ہوگئی تو نواب نے انگریز کو خبر کردی؛ چناں چہ وہاں سے کسی طرح فرار ہو کر باہر نکلے تو انگریز کو معلوم ہوگیا اور آپ کو پکڑ کر حبسِ دوام بعبور دریائے شور کی سزا کے تحت جزیرۂ انڈمان بھیج دیا گیا۔ ۱۸۹۱ء میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ! (ذکر صالحین: ۳/۱۱۲-۱۲۱)

۱۸۶۸ء میں نواب ابراہیم یاقوت خاں دوم تخت نشیں ہوئے تو ریاست میں احکام اسلام کا رواج ہوا، آپ دونوں بزرگوں کے اختیارات سے مقدمے فیصل ہونے لگے، بڑے بڑے علما، صلحا کی آمد بھی رہتی تھی۔ انگریزوں نے مولانا لیاقت علیؒ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کردیئے تھے، ان کے ہمراہ صوفی صاحب و دیگر اہلِ تعلق کی گرفتاری ہوئی، مولانا لیاقت علیؒ جزیرۂ انڈمان بھیج دیئے گئے اور صوفی صاحب سورت میں چھ ماہ قید کردیئے گئے۔ رہائی کے بعد آپ نے حرمین شریفین کا سفر فرمایا، وہاں مولانا شیخ محمد معصوم مجددیؒ کے حلقہ میں شرکت فرمائی۔ شاذلیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ شیخ ابراہیم الرشید سے بھی شرف ملاقات حاصل فرمایا اور کچھ مدت ان کی خدمت میں قیام فرمایا۔

۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۳ء کو دوبارہ حج سے مشرف ہوئے، شیخ ابراہیم الرشید سے خلافت حاصل فرمائی۔ ایک مرتبہ پنجاب جاکر مرزا غلام احمد قادیانی سے مکالمہ بھی فرمایا جس کی تفصیل ''باغ عارف'' میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے رنگون کا سفر فرمایا اور خلق کثیر نے آپ سے بیعت کی اور گناہوں سے تائب ہوکر پابند شریعت ہوئے، اسی طرح کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں کئی کئی بار سفر فرماکر اصلاح عقائد اور دینی بیداری پیدا کرنے کا عظیم الشان کام انجام دیا۔ دوائیں غریبوں کو مفت تقسیم فرماتے تھے۔

۱۳۴۳ھ میں بمقام سورت وفات پائی اور 'صوفی باغ' میں دفن ہوئے۔(۱)

---

(۱) باغ عارف، ذکر صالحین: ۳/۲۴۱-۲۵۰

چندتاریخ وفات:

سال رحلت کے لیے کی فکرتو دل نے منیر	رحلت حاجی سلیمان شاہ صوفی کہہ دیا ۱۳ ۴۳
چہار شنبہ بستم از جمادی الاولین	وائے حسرت رونق گلزار صوفی شد تباہ
بہر تاریخ وفات از دل پرسیدم منیر	گفت ترحیل سلیمان شاہ صوفی آہ آہ
حضرت صوفی سلیمان سالک والا گہر	ناقصاں را می کند کامل بہ لطف یک نظر
سال ہجری ایں وفاتت گفت ہاتف اے عزیز	عارف کامل مکمل وارث خیر البشر ۱۳۴۳

مولانا عبدالجلیل سامرودیؒ

عبدالجلیل بن علی احمد بن ولی محمد سامرودی ۱۰-۱۳۰۹ھ میں قریہ سامرود ضلع سورت میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، دس گیارہ سال کی عمر میں دہلی کی مشہور درس گاہ ''مدرسہ عبدالوہاب'' میں تعلیم کے لیے داخل ہوئے اور تعلیم مکمل کی۔ نیز مولانا ابومحمد عبدالوہاب بن شیخ محمد ملتانیؒ سے حدیث شریف کی سند حاصل کی، سید محمد بدرالدین دمشقیؒ سے بھی اجازت حدیث حاصل کی۔ عمر کا اکثر حصہ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزرا، جماعت اہلِ حدیث کے ممتاز علما میں شمار کیے جاتے تھے۔

اپنی کتاب "زهرة رياض الأبرار" کے شروع میں اپنے حالات مختصر طور پر خود ہی ذکر فرمائے ہیں۔ احقر کو یہ عبارت دیکھ کر بہت تعجب ہوا ''احقر کے دماغ میں تحقیقات ابن حجر وشوکانی وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں، ابن حجر عسقلانیؒ نے اپنی تحقیقاتِ فتح الباری میں عبارت کہاں اور کن کن ہستیوں سے لے کر اپنی طرف منسوب کی جس کا احساس اس احقر کو بخوبی ہے، ....مسائل کی تحقیقات میں حافظ کو کچھ نہیں سمجھا کرتا؛ بل کہ بعض دفعہ میری تحقیق حافظ کی تحقیق سے موافقت کرتی ہے وغیرہ''۔

آپ نے کئی رسالے تحریر فرمائے ہیں، جن کے نام یہ ہیں:

(۱) وسيلة النجاة في اتباع سنة سيدنا السادات (عربی، اردو)

(۲) اعتقاد الأكابر في إجراء الصفات على الظواهر (عربی) (۳) الباعث

الحثيث في فضل علم الحديث (عربی) (٤) زهرة رياض الأبرار (٥)إعلام منن الغني في تلخيص الضعفاء و المتروكين من كتاب أبي الحسن الدار قطني (عربی) (٦) الدليل الأظهر في تحقيق معنى الله أكبر (عربی) (٧) الغمغمة في سنية التسمية عند الأطعمة وغيرها دون البسملة (عربی) (٨) إرسال البريد لقطع لغاديد أهل التقليد والترديد لمن عزى أهل الحديث إلى القول الجديد (٩) الغمغمة مع ترجمة الجمجمة (١٠) الفاكهة الشريفة في جواز رفع الأيدي بعد الفريضة (١١) صمصام الموحدين (١٢) الإنصاف في أن ما رده اللاجفوريؒ رد لمذهب الأحناف (١٣) إصلاح الجرح المتين في تثليث التأمين (١٤) بوئے غسلين از قطرات عشرين (١٥) نسيم الرياحين من رياض الصالحين شرح رياض الصالحين إمام نوويؒ (١٦) الخزي الوبيل عن صنف الجرح الجميل (١٧) العذاب المهين لقاطع الوتين عند رب العالمين الملقب به إظهار الحق المبين برد تلبيسات المقلدين الشهير به فقه احناف کے اسراری گُر (١٨) انتباه النائمين (١٩) نيل المرام بإزالة الأوهام (٢٠) تعليم الدين (٢١) إحقاق الحق الحقيق (٢٢) تحذير الأنام (٢٣) اظهار آئينۂ حقيقت (٢٤) الحق الصحيح الصريح في التراويح (٢٥) طمس العين في رد دلائل عدم رفع اليدين **وغیرہ۔**

۱۳۳۰ھ میں حج وزیارت سے بھی مشرف ہوئے۔

وفات ۷ شعبان ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۶ ستمبر ۱۹۷۲ء بروز ہفتہ گیارہ بجے دن میں۔

مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ

مولانا احمد حسن بھام کی ولادت اندازاً ۱۲۹۶ھ میں ہوئی، مولانا کے والد سملک کے باشندے تھے جو حسن پٹیل کے نام سے مشہور تھے، جن کا پیشہ کھیتی تھا اور گاؤں کے پٹیل (مکھیا) تھے، گاؤں اور اطراف میں اچھے اثرات رکھتے تھے۔ ان کی بلند حوصلگی اور نیک دلی کے سبب اطراف کے لوگ اکثر اختلافی معاملات میں ان کو حکم بناتے تھے۔ اکثر علما و مشائخ کا قیام موصوف کے گھر رہتا تھا، کئی لڑکیوں کی ولادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مند فرزند عطا فرمایا۔

مولانا نے ابتدائی تعلیم قرآن مجید ناظرہ اردو وغیرہ سملک ہی میں حاصل کی، پھر کٹھور ضلع سورت کے ''مدرسہ اسلامیہ'' میں داخل ہوکر مولانا عبد الحق ہزارویؒ(۱)

---

(۱) **حضرت مولانا عبدالحق صاحب**: صوبہ سرحد ضلع ہزارہ کے باشندے تھے۔ ۱۷ر ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ کو مشہور صاحبِ کرامات نقش بندی بزرگ حضرت موسیٰ جی مہتر تر کیسریؒ کے حکم پر کٹھور تشریف لائے اور پرب مسجد میں قیام فرمایا۔ صاحبِ علم و اہل دل آدمی تھے، آپ کے اخلاص وللّٰہیت اور تقویٰ کی وجہ سے جلد ہی لوگوں کے قلوب میں مقبولیت حاصل کر لی۔ آپ نے یکم ربیع الاول ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۵ر اکتوبر ۱۸۸۹ء کو ''مدرسہ انجمن اسلام'' کے نام سے ادارہ قائم فرمایا، جہاں گجرات کی نام وَر شخصیات نے کسبِ فیض کیا۔ بعد میں یہ ادارہ کسمپرسی کی حالت میں مبتلا ہوگیا، پھر نشأۃِ ثانیہ کے بعد ''جامعہ حقانیہ کٹھور'' کے نام سے مشہور ہوا۔ (خطبۂ استقبالیہ جامعہ حقانیہ، ۱۹۹۴ء)

نوٹ: تاریخِ جامعہ مرتبہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب راج کوٹی مدظلہ جلد اول صفحہ ۱۰۴ پر محرر ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ۱۳۰۷ھ میں کٹھور تشریف لائے جو قابلِ اصلاح ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری ۱۷ر ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ کو ہوئی جیسا کہ حضرت مفکرِ ملتؒ نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں ذکر فرمایا ہے، اسی طرح حضرت مولانا عبدالحی کفلیتویؒ صاحبؒ نے اکابرینِ گجرات جلد چہارم میں تحریر فرمایا ہے۔

سے فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں پڑھیں، پھر لاجپور میں مولانا احمد میاںؒ کے مدرسہ میں داخل ہو گئے اور باقاعدہ درس نظامی کا نصاب شروع فرما دیا، چار سال اس مدرسہ میں رہ کر فقہ، اصول، صرف، نحو، منطق اور مشکاۃ شریف تک کتابیں پڑھتے رہے۔

۱۳۱۸ھ میں دہلی کا سفر فرمایا اور ''مدرسہ حسین بخش'' میں داخل ہوئے، ایک سال کے بعد ''مدرسہ جامع العلوم'' کان پور میں داخل ہوئے، وہاں دو سال تعلیم حاصل فرما کر پھر دہلی تشریف لائے اور ''مدرسہ امینیہ'' (۱) میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل فرمائی۔

دہلی سے واپس آ کر کچھ مدت تراوا سیٹھ کے مدرسہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، چند سال کے بعد سملک واپس تشریف لائے۔ ۱۳۲۶ھ میں ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے نام سے ایک عربی مدرسہ کی بنیاد مسجد سملک میں ڈالی، مدرسہ کے افتتاح کے لیے مولانا احمد میاں لاجپوریؒ تشریف لائے اور ایک بڑے مجمع کی حاضری میں پر خلوص دعاؤں سے مدرسہ شروع ہوا، جو بعد میں ''مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک'' کے نام سے پورے عالم میں شہرت یاب ہوا۔ مولانا نے مدرسہ اگرچہ مسجد میں شروع فرمایا تھا؛ مگر دل میں ارادہ یہ تھا کہ مدرسہ کو ترقی دے کر ''دارالعلوم'' بنانا ہے، اس لیے اس کے لیے وسیع قطعۂ زمین کی جستجو فرماتے رہے۔

نوساری کا علاقہ اس زمانہ میں ریاست بڑودہ کے ماتحت تھا اور نوساری کے ناظم مولانا محمد علی جوہرؒ تھے، ایک بار ان کی تشریف آوری اپنے تعلقے کے اس قریہ میں

(۱) اس سے پہلے مدرسہ عبدالرب میں تعلیم حاصل کی۔ (تذکرۂ محسن قوم وملت: ۶۲، تاریخ جامعہ ڈابھیل قدیم: ۲۷۰)

ہوئی، مدرسہ کے سلسلہ میں ان سے بھی مشورہ ہوا، انہوں نے دل چسپی کے ساتھ گاؤں کے باہر گشت لگا کر ڈابھیل کی غربی جانب عید گاہ کے قریب زمین کے اس قطعہ کو پسند فرمایا۔ بعض لوگوں نے نکتہ چینی کی کہ اتنی بڑی زمین کی خریداری کی کیا ضرورت تھی؛ مگر مولانا مرحوم مسکرا کر فرماتے "ابھی تو یہ کم ہے، اس سے زیادہ کی ضرورت ہوگی" بعد میں یہ بات حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

زمین کی خریداری کے بعد آپ نے سب سے پہلے مسجد کی بنیاد رکھی، درس گاہیں اور دار الطلبہ کی تعمیر کا کام مالی وسعت پر موقوف رہا، مدرسہ کا نظام جاری فرما کر احباب واقارب سے مشورہ کر کے مولانا نے جنوبی افریقہ کا سفر فرمایا، وہاں مسلمانوں میں اختلافات تھے، مولانا نے ان کو وعظ ونصیحت فرما کر سب کو شیر وشکر کر دیا اور یہ یگانت ومحبت مدرسہ کے لیے مددگار ثابت ہوئی، مدرسہ کی تعمیر کے لیے ایک خطیر رقم جمع ہوئی۔

مولانا وطن واپسی کی تیاری میں تھے کہ وہاں انفلوئنزا کی وبا شروع ہوئی، وبا بہت شدید تھی، مدرسہ کے اور مولانا کے بہت سے مخلصین اس مہلک وبا میں جاں بحق ہو گئے، مولانا کو بہت شدید صدمہ ہوا، انہی مخلصین میں ان کے برادر مکرم ابراہیم بھامؒ تھے اور مشیت الٰہی یہ تھی کہ آپ بھی ان شدید صدمات کے برداشت کرنے کے بعد اس بخار میں مبتلا ہو گئے اور حالت سفر میں جو کہ اللہ کے دین کی سربلندی کی خاطر تھا، ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ جمعرات کو اپنے رب سے جا ملے اور جوہانسبرگ کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

اللہ تعالیٰ نے مولانا مرحوم کے خلوص کو قبول فرمایا اور مولانا مرحوم کے پس ماندگان اور احباب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے دین کے اس عظیم قلعہ کو خوب ترقی عطا فرمائی، جس کا فیض تا ایں دم جاری وساری ہے۔ رحمہ اللّٰہ رحمۃ واسعۃ، و جزاہ اللّٰہ تعالیٰ عن المسلمین خیرًا!

مولانا احمد حسن بھامؒ نے ڈابھیل جامعہ کی بنیاد ڈالی اور دیگر علاقوں میں بھی مدارس کے قیام کی جدوجہد فرمائی، چناں چہ ''مدرسہ تعلیم المسلمین'' سنہری محل، بھروچ کے قیام کے لیے بھی بہت ہمت افزائی فرمائی۔ ''مدرسہ تعلیم المسلمین'' بھروچ کی مطبوعہ روئداد میں لکھا ہے ''چناں چہ آغاز مدرسہ کی کیفیت جو من جانب اللہ ظہور پذیر ہوئی ہے وہ اس طرح پر ہے کہ بتاریخ بست و چہارم ربیع الاول ۱۳۲۷ھ جمعہ کو جالیا مسجد واقع سنہری محل بھروچ میں بعد نماز جمعہ بہی خواہ اہل وطن جناب مولوی احمد حسن صاحب ناظم ''مدرسہ تعلیم الدین'' موضع سملک، ڈابھیل، ضلع سورت نے ایک پراثر وعظ بیان کیا، جس میں تحصیل علم کے فوائد ومنافع اور اس کے ذرائع اور جہالت کے مضار ومفاسد اور اس سے بچنے کے وسائل ایسے عمدہ اور سلیس طریق سے سمجھائے کہ سامعین ہمہ تن مصروف سماعت تھے۔ غرض کہ علم کی ترغیب دلائی، اور اس کے لیے ایک مدرسہ اسلامی شہر بھروچ میں قائم کرنے کے لیے آپ نے لوگوں کو ہدایت فرمائی، نیز اثناء وعظ میں بیان فرمایا کہ اگر اہل ہمت مدرسہ جاری کریں تو حتی الوسع ایک مدرس کی تنخواہ کا انتظام میں بھی کرسکتا ہوں۔(۱)

(۱) روئداد نمبر ۱، رپورٹ ابتدا، ۶ ربیع الثانی ۱۳۲۷ تا ۱۵ شوال ۱۳۲۸ھ، مدرسہ تعلیم المسلمین بندر بھروچ، ترتیب دادہ حافظ عبداللطیف خاں بھوپالی، مدرس اول مدرسہ ہذا

مولانا احمد درویش سملکیؒ

(ولادت......، وفات ۱۳۵۴ھ)

مولانا احمد درویش صاحب بن فقیر محمد سملک ڈابھیل میں پیدا ہوئے، اور ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے قصبہ کٹھور (ضلع سورت) جا کر مولانا عبدالحق ہزاروی رحمہ اللہ سے فارسی اور عربی کی تعلیم شروع کی۔ اس کے بعد لاجپور (ضلع سورت) کے ''مدرسہ اسلامیہ'' میں داخل ہوکر مولانا احمد میاں لاجپوری رحمہ اللہ (۱) سے استفادہ کیا؛ پھر دہلی، امروہہ، گلاوٹھی کے علما سے کسبِ فیض فرمایا اور بالآخر ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخل ہوکر سندِ فراغت حاصل فرمائی۔

---

(۱) مولانا احمد میاں بن صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ: آپ کی ولادت ۸ یا ۹ / ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ بروز چہار شنبہ ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ اور مولانا نظام الدین باجوڑوی ترکیسری نقشبندیؒ کے خلیفہ تھے۔ والد ماجد کے زیرِ سایہ تربیت حاصل فرمائی۔ کم عمری ہی میں تمام علوم درسیہ سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے شاگردوں میں گجرات کے بڑے بڑے علما ہیں جن کے ہاتھوں آگے چل کر گجرات میں احیائے علم و دین کا زبردست کارنامہ انجام پذیر ہوا، جن میں بطور مثال مولانا احمد حسن بھام صاحب، مولانا احمد بزرگ صاحب، مولانا عبدالحی لاجپوری صاحب اور مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمہم اللہ جیسے اکابرین پیش کیے جاسکتے ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا سلطان احمد صاحب پنجابی تلمیذ قاسم العلوم، مولانا محمد اسحاق صاحب تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور مولانا رحیم بخش دہلوی ہیں۔ شعر سے بھی آپ کو خصوصی ذوق تھا۔ نخبۃ الفکر، مسلم الثبوت، شافیہ، الفیہ، تلخیص المفتاح، فصوص الحکم، عیون المسائل، بدء الامالی وغیرہ کتب کی شروحات تحریر فرمائیں اور لوائح جامی، مناظرہ رشیدیہ، خلاصۃ الحساب، شرح تہذیب، عروض المفتاح، بدایۃ الہدایہ وغیرہ دسیوں کتابوں کا ترجمہ فرمایا؛ ان میں سے چند ہی کتابیں پایۂ تکمیل کو پہنچ سکیں، اور بقیہ تشنۂ تکمیل ہی رہ گئیں۔ افسوس! یہ گوہرِ شب چراغ اپنی عمر عزیز کی صرف بتیس بہاریں دیکھ پایا تھا کہ =

مولانا احمد حسن بھام رحمۃ اللہ علیہ نے ''مدرسہ تعلیم الدین'' کی بنیاد ڈالی، تو مولانا احمد درویش اس کے مدرس مقرر کیے گئے، چند سال تدریسی خدمات انجام دے کر مولانا احمد درویش صاحب افریقہ کے سفر پر تشریف لے گئے۔

علم کے ساتھ تقویٰ، زہد وقناعت بھی کامل درجے کا رکھتے تھے، اور صحیح معنی میں درویش تھے، مولانا کے والد فقیر محمد بھائی خود بھی صاحبِ حال بزرگ تھے۔ سملک کا ''مدرسہ تعلیم الدین'' جب ''جامعہ اسلامیہ'' کے درجہ پر پہنچا تو مولانا افریقہ سے مالی تعاون کی بھرپور سعی فرماتے رہے۔ مولانا نے ۱۳۵۴ھ میں افریقہ میں وفات پائی۔

مولانا قاری محمد یامین سہارن پوری(۱) نے جو اس دور میں ''مدرسہ اسلامیہ تعلیم الدین'' کے درجۂ تجوید کے استاذ تھے، مولانا کی وفات پر یہ مرثیہ لکھا تھا ؎

أيـا عيـنـي استهـلي بـالـدمـاء　　كـجـود قـد تـهـطـل مـن سـمـاء
عـلـى حبـر قـضى نحبا خشوعا　　مــن الــدنيــا إلـى دار البقــاء
تـحـلـى بــالـمكـارم والمعـالي　　وبــالـخـلـق الـمـطـهـر والصفـاء
وزهــد ثــم إخــلاص وصـدق　　وفــقـــر ذاك فـــخـــر الأنبيـــاء

= گُم ہوگیا۔ آپ جیسی جامع المنقول والمعقول، ماہر علوم وفنون شخصیات سالوں میں کہیں جا کر پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کی وفات کا سانحہ ۷/شعبان ۱۳۲۷ھ-۲۴/اگست ۱۹۰۹ء بروز سہ شنبہ پیش آیا۔ بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات ''أدخله الحق في جنته'' سے نکالی ہے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ!

(۱) **حضرت قاری محمد یامین صاحبؒ:** سابری ضلع سہارن پور کے باشندے تھے، دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادیؒ کے شاگرد تھے، دارالعلوم ہی میں خدمات شروع فرمائیں پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے ساتھ ڈابھیل تشریف لائے، تقریباً پندرہ سال ڈابھیل میں خدمت انجام دی، حضرت شاہ صاحبؒ کے معتمد وشاگرد خاص تھے۔ اردو، عربی اور فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ (نقوش بسم اللہ:۲/ ۱۵۷-۱۵۸)

يناجي خاشعا جوف الليالي — إذا رقد الورى رب السماء
جليلاً ماجدًا شهمًا نبيلاً — صفيا كان ذخر الأصفياء
(۱)تقيًا بارعًا وجلاً قنوعًا — صبورًا شاكرًا في الابتلاء
نقيًا طاهرًا سمحًا كريمًا — رئيس المحسنين الأتقياء
يقوم بواجب أمرا ونهيًا — محياه كبدر في الضياء
فيا أسفٰى توفي في اغتراب — به قد جل رزء الأصدقاء
لدين اللّٰه أفنى كل عمر — بجد في ابتداء و انتهاء
و مات كموتة الشهداء أجرا — تشرف بالمزايا من رضاء
فأرخنا له أرخًا جميلاً — "بمغفور وحيد" للفناء

(١٣٥٤)

تغمده برحمته ثوابًا — جزيلاً ربه يوم الجزاء
صلٰوة ثم تسليمًا دوامًا — علٰى ختم الرسالة و النباء (۲)

مولانا حبیب اللہ سلطان پوری مدرسِ فارسی ''جامعہ ڈابھیل'' نے بھی فارسی میں مرثیہ لکھا تھا، جس کے آخری دوشعر اس طرح ہیں ؎

شعرِ تاریخش چناں گفتہ حبیبِ خستہ دل — عیسوی وسال ہجری ہر دو شد از وے عیاں (۳)
احمدِ درویش ، آں زاہد امام المتقیں — رفت در فردوسِ اعلیٰ ہمچوں شاہِ صالحاں
۱۳۵۴ھ — ۱۴۳۵ھ

(۱) یہ شعر تاریخِ جامعہ ڈابھیل قدیم میں ساقط ہو گیا ہے، دیکھئے صفحہ ۳۹۳ (۲) اکابرینِ گجرات: ۴/ ۳۳۹-۳۴۳
(۳) ایضاً: تاریخ جامعہ ڈابھیل قدیم: ۳۹۵

مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ

(ولادت: غالباً ۱۲۹۸ھ، وفات: ۵/ربیع الاول ۱۳۷۱ھ - ۵/دسمبر ۱۹۵۱ء)

مولانا احمد بزرگ قریۂ سملک میں ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل فرمائی، پھر کٹھور(۱) اور لاجپور کے مدرسہ میں عربی کی تعلیم شروع فرمائی، ۱۳۱۸ھ میں دارالعلوم دیوبند پہنچے اور ۱۳۲۱ھ میں دورہ سے فراغت فرمائی۔ قطبِ وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کا فیض عام ہو رہا تھا؛ چناں چہ گنگوہ تشریف لے گئے اور ایک سال تک خدمت اقدس میں رہ کر ذکر و شغل میں مشغول رہے(۲)۔ ۱۳۲۳ھ میں مرشد کامل کی وفات ہوئی تو بے حد غم زدہ ہوگئے اور وطن مراجعت فرمائی، کچھ مدت گاؤں میں قیام فرما کر افریقہ کا سفر فرمایا، اور ۱۳۳۵ھ میں رنگون (برما) کا سفر فرمایا۔ رنگون میں مفتی کا عہدہ سنبھالا، تین سال وہاں قیام فرمایا تھا

(۱) حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ کا کٹھور جانا ثابت نہیں ہے؛ چوں کہ آپ کے دوساتھی مولانا بھام اور مولانا احمد درویشؒ وغیرہ نے کٹھور میں تعلیم حاصل کی تھی، اس لیے حضرت مفکرِ ملتؒ نے تخمیناً یہ تحریر فرما دیا ہے، ورنہ خود مولانا بزرگ صاحبؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم کٹھور میں نہیں ہوئی۔ (دیکھئے روداد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ۱۳۵۴ھ: ص۲، نقوشِ بزرگاں: ۱/۸۱-۸۲، اکابرینِ گجرات: ۴/۳۳۹-۳۴۰، تاریخ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل: ۴/۲۷۴-۲۷۵، ذکرِ صالحین: ۲/۷۲)

(۲) دارالعلوم دیوبند میں قیام پھر گنگوہ حاضری اور گجرات مراجعت کی سنین وغیرہ کے سلسلے میں کافی اختلاف ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں نقوشِ بزرگاں: ۱/۸۳، ذکرِ صالحین: ۲/۷۳-۷۷

کہ ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین‘‘ کے بانی مولانا احمد حسن بھام رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ۱۳۳۹ھ میں جامعہ کے اہتمام کے لیے مولانا کو باصرار بلایا گیا۔(۱)

---

(۱) حضرت مفکرِ ملتؒ کے ذخیرہ میں آپ کے حالات اسی قدر دست یاب ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ مضمون تشنۂ تکمیل رہا؛ البتہ آپ کے بارے میں رشد وہدایت کے منار میں حضرت نے جو مختصر مضمون تحریر فرمایا ہے، وہ حسبِ ذیل ہے:

’’حضرت مولانا احمد بزرگؒ سملک ڈابھیل کے معروف ومشہور علما میں تھے۔ ہم جب ڈابھیل ’’جامعہ‘‘ میں تعلیم کے لیے حاضر ہوئے تو کثرت سے طلبہ کی زبانی آپ کا ذکرِ خیر سنتے رہے؛ اس لیے کہ ’’جامعہ ڈابھیل‘‘ کو ’’مدرسہ تعلیم الدین‘‘ سے جامعہ بنانے میں مولانا احمد بزرگؒ کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ، مولانا عبدالرحمٰن امروہیؒ وغیرہ اپنے زمانے کے اساطینِ علم وفضل آپ ہی کی مساعئ جمیلہ کے سبب ڈابھیل تشریف لائے تھے۔ اور آپ کا دورِ اہتمام ’’جامعہ‘‘ کا تابناک دور سمجھا گیا۔

ذی علم، مدبر، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا تعلق تھا۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بھی خصوصی تعلق تھا، حضرتؒ کے مُجازِ بیعت بھی تھے۔ طالبِ علمی کے زمانے میں جمعہ کے روز کبھی کبھی سملک جا کر حضرت سے مصافحہ کرتے اور دعا کی درخواست کرتے تھے۔ نورانی چہرہ اور چہرے پر عبادت وریاضت کے آثار نمایاں تھے۔ سملک مسجد میں ذکرِ جہری فرماتے تو فجر سے قبل دور دور تک ذکر کی آواز پھیل جاتی تھی۔ ہندوستان کے اکابر علما سے ربط رکھتے تھے۔ رنگون اور افریقہ کا بھی سفر فرمایا۔ افتا کی خدمت بھی انجام دی تھی۔

سملک میں وفات ہوئی اور گاؤں کے قبرستان میں مدفون ہوئے‘‘۔ (رشد وہدایت کے منار: ۳۷)

مولانا علی محمد تراجویؒ

(وفات: ۶/ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ مطابق ۹/فروری ۱۹۶۸ء)

ضلع سورت کی تحصیل پلسانہ سے تین میل کے فاصلہ پر تراج نامی چھوٹا سا گاؤں ہے، اس گم نام بستی میں مولانا علی محمد صاحب تراجوی ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد مکرم کا سایہ سر سے اٹھ گیا، گھر کی حالت بھی کمزور تھی، زراعت ذریعۂ معاش تھا، والدہ نے محنت ومشقت سے بچوں کی پرورش کی۔

والدہ مولانا سے بہت خوش رہتی تھیں اور ہمیشہ دعا کرتی تھیں کہ خدایا میرے 'علی' کو ولی بنادے، والدہ کی یہ پُرخلوص دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور واقعی 'علی' خدا کے ولی ہوگئے۔

مولانا نے سملک کے مدرسہ تعلیم الدین میں رہ کر مولانا احمد حسن بھامؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی، اس کے بعد کٹھور، ضلع سورت کے ''مدرسہ اسلامیہ'' میں داخل ہوکر قرآن مجید حفظ فرمایا۔

مولانا احمد حسن بھامؒ نے مولانا کی ذہانت ومحنت کو دیکھ کر ان کو ''دارالعلوم دیوبند'' تعلیم کے لیے بھیج دیا، مولانا نے چند سالوں میں درسِ نظامی کی تکمیل فرمائی اور محدثِ عصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ارشدِ تلامذہ میں شمار کیے جانے لگے۔

تعطیلات (۱) میں الٰہ آباد جا کر فنِ تجوید کے مشہور اساتذہ سے اس فن کو حاصل فرمایا، پھر ''مدرسہ امینیہ'' میں قیام فرما کر مفتیٔ اعظم ہند سے افتا میں مہارت حاصل فرمائی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ (۲) نے مولانا کی اعلیٰ علمی صلاحیت کے پیشِ نظر ''دارالعلوم دیوبند'' میں تدریس پر مقرر فرمایا، شرح جامی وغیرہ کتابوں کا درس بہت کامیابی سے دیتے رہے۔ اس زمانے میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند طالب علم تھے، ان کے قرآن مجید کا دور بھی مولانا علی محمد صاحب سماعت فرماتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیتِ مدرس آپ کا سب سے پہلے تقرر ہوا۔

پھر رنگون (برما) والوں کی دعوت پر وہاں کے دارالافتا کے مفتی بن کر باجازت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ رنگون تشریف لیے گیے اور چند سالوں تک فتویٰ نویسی و دیگر علمی کاموں میں مصروف رہے۔

---

(۱) تذکرۂ فخرِ گجرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر دارالعلوم کی طالب علمی سے پہلے ۱۳۲۹ھ میں ہوا۔
(تذکرۂ فخرِ گجرات: ۴۰)

(۲) **حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ:** حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے برادرِ حقیقی اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے علاتی بھائی ہیں۔ آپ متبحر عالم اور عربی زبان کے مسلم ادیب تھے۔ ۱۹۰۷ء میں دارالعلوم کی مسندِ نیابت اہتمام کو سنبھالا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں حضرت حافظ احمد صاحبؒ کے بعد حیدرآباد کے مفتی اعظم بنائے گئے۔ آپ کے تبحر علمی اور بزرگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ صرف آپ سے مرعوب ہوتے تھے۔ کئی تصانیف بھی یادگار ہیں جن میں اشاعت اسلام، یعنی دنیا میں اسلام کیوں کر پھیلا اور تعلیماتِ اسلام قابلِ ذکر ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۵۸-۶۰)

مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ

مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلی کی نوساری ضلع کے ڈابھیل گاؤں میں ۱۸۹۸ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل فرمائی، دس سال کی عمر میں حافظ ابراہیم بن سلیمان(۱) سے حفظ قرآن پاک مکمل فرمایا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مقامی طور پر حاصل فرمائی۔ پھر کٹھور ضلع سورت کے ''مدرسہ اسلامیہ'' میں مولانا عبدالحق ہزاروی اور مولانا معین الحق صاحب سے فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل فرمائی، اوراس کے بعد مزید تعلیم کے لیے ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخل ہوگئے۔ اس کے بعد شادی کے لیے وطن تشریف لائے، ڈیڑھ سال وطن میں قیام فرما کر ''مدرسہ امینیہ دہلی'' میں تدریب الافتا کے لیے حضرت مفتی اعظم ہندؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، اورفتوی نویسی کی مشق فرمائی اور پھر ''دارالعلوم دیوبند'' میں رہ کر علامہ کشمیریؒ کے علوم سے مستفید ہوتے رہے، ۱۹۲۰ء میں فراغت حاصل فرمائی۔(۲)

---

(۱) اسی طرح تاریخِ جامعہ ڈابھیل قدیم صفحہ ۲۸۰، اورا کابرینِ گجرات: ۴/ ۵۰۹ پر مذکور ہے لیکن نقوشِ بسم اللہ جلد اول صفحہ ۱۱۱ پر حافظ سلیمان ابراہیم واقع ہے۔

(۲) تاریخِ دارالعلوم دیوبند جلد دوم صفحہ ۱۳۱ پر مذکور ہے کہ آپ نے ۱۳۳۶ھ میں دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوکر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ تاریخِ جامعہ ڈابھیل قدیم میں ۱۳۳۶ھ کے ساتھ ۱۹۱۷ء کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری طرف تمام تذکرہ نگار آپ کی فراغت ۱۹۲۰ء میں ہونا ذکر کررہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا عبدالحی بن حکیم سلیمان کفلیتویؒ نے اکابرینِ گجرات جلد چہارم صفحہ ۵۱۸ پر اس سلسلے میں مفید بحث ذکر فرمائی ہے اور قرائن سے یہ ثابت فرمایا ہے کہ آپ کی فراغت ۱۹۲۰ء میں ہونا ہی درست ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں اکابرینِ گجرات: ۴/ ۵۱۸۔

۱۹۲۰ء میں ’’مدرسہ ڈابھیل‘‘ میں عربی کی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے(۱)، مختصر مدت قیام فرماکر حاجی یوسف گارڈی صاحب کی طلب پر جنوبی افریقہ تشریف لے گئے؛ مگر وہاں کا ماحول علمی ذوق کے مطابق نہ ہونے پر ۱۹۲۴ء میں وطن کی طرف مراجعت فرمائی، اور دو ماہ بعد پھر مدرسہ ڈابھیل میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۹۲۷ء تک آپ تدریسی فرائض انجام دیتے رہے(۲)۔ اسی اثنا رنگون سورتی جامع مسجد میں مفتی کی ضرورت ہوئی تو آپ کو اس عہدہ کے لیے منتخب کیا گیا، برما میں آپ نے قابل قدر دینی خدمات انجام دیں، فتویٰ نویسی کے ساتھ دیگر گجراتی علما کے ساتھ مل کر ’’جمعیۃ علمائے برما‘‘ کی بنیاد ڈالی، آپ کی دینی وملی خدمات سے اہلِ برما بہت فیض یاب ہوئے۔ اتفاقاً آپ کو رعشہ کا مرض لاحق ہوگیا، اور آپ علاج کے لیے وطن واپس تشریف لائے، صحت یاب ہونے پر جامعہ میں درجات تحتانی کے ممتحن اور تعلیمی نگراں کی حیثیت سے پھر آپ کا تقرر ہوا۔

۱۹۴۰ء میں چند داخلی وجوہ کی بنا پر انقلاب آیا اور حضرت مولانا احمد بزرگؒ نے اہتمام سے استعفا پیش فرمایا تو حضرت مفتی صاحب کو اہتمام کی ذمے داری سپرد

(۱) تاریخِ دارالعلوم دیوبند اور تاریخِ جامعہ ڈابھیل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ مدت مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تعلیم دی؛ لیکن اکابرینِ گجرات اور نقوشِ بسم اللہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہاں مسجد میں امامت فرمائی۔ مدرسہ تعلیم الدین میں تدریس کے سلسلے میں نقوشِ بسم اللہ خاموش ہے۔ تاریخِ جامعہ جدید میں بھی اس سلسلے میں کوئی تشریح نہیں مل سکی، کاش! اِس سلسلے میں کوئی تحقیق مل جاتی۔

(احقر اسماعیل غفرلہٗ)

(۲) یہی نقوشِ بسم اللہ اور اکابرینِ گجرات سے معلوم ہوتا ہے؛ البتہ تاریخِ جامعہ ڈابھیل قدیم صفحہ ۲۸۱ پر مذکور ہے کہ آپ ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں سورتی جامع مسجد برما میں مفتی بن کر برما تشریف لے گئے۔ فلیتحرر!

ہوئی، آپ نے اس کو قبول کرنے سے معذرت کی؛ مگر پھر مولانا احمد بزرگؒ کے ایما پر آپ نے قبول فرمایا اور دس گیارہ سال تک آپ افتا کے کام کے ساتھ ساتھ اہتمام کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، ہدایہ وغیرہ کتابوں کا درس بھی دیتے رہے۔

آپ کی طبیعت بہت سادہ اور مہمان نواز تھی، آپ کے فتاویٰ گجراتی کے مشہور ہفتہ وار اخبار ''مسلم گجرات'' (جو منادی صاحب (۱) کی ادارت میں نکلتا تھا) میں برابر چھپتے رہے، تین سال تک شائع ہوتے رہے، جو بعد میں تین جلدوں میں گجراتی زبان میں شائع ہوئے، اور بہت ہی مقبول ہوئے۔ اردو کے ہزاروں فتاویٰ (۲) اب اب بھی جامعہ کے کتب خانہ میں قلمی موجود ہیں، آپ کے فتاویٰ پر کئی

---

(۱) **جناب سید عظیم الدین مُنادی صاحب (ولادت: ۱۸۹۰ء):** گجراتی واردو کے شاعر، مشہور بے باک صحافی، بانی ومدیر ''مسلم گجرات''۔ عربی و فارسی تعلیم راندیر کے مدرسوں میں حاصل فرمائی۔ سورت وبمبئی کے اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لندن میں صحافت کی تعلیم لی۔ عراق کا سفر کرکے کھجور اور ریشم کی زراعت کی تعلیم حاصل کی۔ پھر کشمیر جا کر اس میں مہارت بہم پہنچائی۔ دوسری مرتبہ عراق گئے اسی موقعے پر انگریز مخالف کارکردگی کے شبہ میں شیخ حافظ وہبہ کے ساتھ کراچی میں قید کیے گئے، بعد میں سورت میں نظر بند رکھے گئے۔ کچھ مدت جواہر کے منیجر کی حیثیت سے کام کیا۔ تھوڑی مدت مصر میں بھی قیام فرمایا؛ اسی لیے بآسانی عربی بولتے اور سمجھ لیتے تھے۔ سورت آکر ''مسلم گجرات پریس'' کی داغ بیل ڈال کر ہفتہ واری ''مسلم گجرات'' کا آغاز فرمایا۔ بمبئی سماچار، وفادار اور انصاف وغیرہ اخبارات و جرائد کی ادارت سنبھالی۔ گجراتی زبان کے ادیب و شاعر تھے۔ اردو میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں۔ گجراتی زبان و ادب کا ایک مخصوص اسلوب قائم کیا جس میں اردو اور فارسی الفاظ کا استعمال کرتے۔ خاص موضوع قرآن اور علامہ اقبال تھے۔ سیرت النبی، پیامِ مشرق، بالِ جبریل، گوئٹے کا منظوم کلام، حیات محمد علی، المرأۃ المسلمۃ للعلامۃ فرید وجدی کے کامیاب گجراتی ترجمے فرمائے۔ افسوس! ۷/مئی ۱۹۷۲ء بروز یک شنبہ رحلت فرمائی۔ فغفر اللہ لہٗ!

(۲) آپ کے فتاویٰ آپ کے حفید محترم حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل وشیخ الحدیث جامعۃ القراءات کفلیتہ کے زیرِ نگرانی حضرت مفتی دبیر عالم قاسمی صاحب کی ترتیب کے =

بار ہند کے ممتاز علما نے دستخط فرمائے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی بعض جوابات ملاحظہ فرما کر کلمات خیر فرمائے، آپ نے تقریباً ۳۵ ر ہزار سُوالات کے جوابات تحریر فرمائے۔

اکسٹھ سال کی عمر میں ۲۴ر اپریل ۱۹۵۹ء کو قلب کا دورہ پڑنے پر وفات ہوئی۔ إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون!

= ساتھ جامعہ القراءت کفلیتہ کے شعبۂ نشر واشاعت سے شائع ہو کر اہلِ علم سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ اب تک فتاویٰ کی چھ جلدیں نظر نواز ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین!

ہمارے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ(۱)

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد، و علی الہ و أصحابہ و أتباعہ أجمعین. أمابعد!

صدرِ محترم، قابلِ احترام علمائے کرام، مشائخ عظام اور معزز سامعین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کی اس مؤقر مجلس میں- جو حضرت مفکرِ اسلام، داعیٔ کبیر اور عالمِ ربانی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد اور ان کی مثالی شخصیت کے مختلف روشن پہلوؤں کو اجاگر کرنے اور اس سے سبق حاصل کرنے کے لیے منعقد کی گئی ہے-، اپنی مختصر معروضات پیش کرنے سے قبل ضروری سمجھتا ہوں کہ باٹلی، ڈیوز بری وغیرہ کے ان مخلص دوستوں کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے اس اہم کام کے لیے عالم اسلام کے ان ممتاز علما، فضلا اور اصحاب قلم کو دعوت دے کر ہم سب کے لیے حضرتؒ کی زندگی سے روشنی حاصل کرنے کا موقع فراہم فرمایا۔ فجزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء!

---

(۱) ۳۰؍جولائی ۲۰۰۰ء بروز اتوار بمقام باٹلی یو- کے میں منعقدہ انٹرنیشنل سمپوزیم برائے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے لیے یہ مقالہ لکھا گیا تھا۔

محترم حضرات! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت وبقا کے لیے تیرہویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں جن عظیم اور عبقری شخصیتوں کو پیدا فرمایا ہے، جن کے علم اور لوجہ اللہ قربانیوں نے اسلام کی نہ صرف حفاظت کا سامان پیدا فرمایا ہے، بل کہ لاکھوں انسانوں کی زندگی میں اسلام کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح عشق ومحبت کی حرارت بھی پیدا فرمادی، انہی عظیم مصلحین میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا شمار کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا ایک عظیم انسان تھے، جن کی پاکیزہ زندگی منارۂ نور تھی، جس کی روشنی نے ہزاروں انسانوں کو صحیح راہ بتائی، مجھے اس موقع پر عالم عرب کے ممتاز ادیب وعالم شیخ علی طنطاویؒ کے یہ الفاظ یاد آرہے ہیں، انہوں نے فرمایا اور بہت خوب فرمایا:

”إذا كان من بنى حصنا أوقاد جيشًا عُد من العظماء، فأبوالحسن بنى الإسلام في نفوس تلاميذه حصونًا أقوى و أمتن من حصون الحجر، بنى أمة من العلماء الصالحين والدعاة المخلصين“.

”اگر کسی شخص کو قلعہ تعمیر کرنے یا کسی لشکر کی قیادت کے سبب عظیم شمار کیا جاتا ہے تو ابوالحسن نے اپنے تلامذہ کے دلوں میں ان پتھروں کے قلعوں سے زیادہ مضبوط اور محکم اسلامی قلعے تعمیر کیے ہیں، انہوں نے علمائے صالحین اور دعاۃ مخلصین کی ایک جماعت تیار کردی ہے“۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تدریس، اپنی تالیف وتصنیف، اپنی خطابت اوراصلاحی مجالس کے ذریعہ نصف صدی سے زائد تک جوعظیم الشان کارنامے انجام دیئے ہیں، وہ ملت اسلامیہ کے علماو مصلحین کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ مولاناؒ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اسلام اورصرف اسلام کی سر بلندی کے لیے وقف کردی تھیں۔ اسلامی دنیا کے ایک ممتاز عالم شیخ علامہ یوسف القرضاوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”إن الذي يشغل عقلَه و قلبَه و وقته باستمرارٍ هو الإسلام، و رسالته و حضارته وانبعاثه وصحوته وقضايا أمّته و هجمة أعدائه، وأعظم ما يهمه هو تقوية الجبهة الداخلية في مواجهة الغزوة الخارجية هو تربية الفرد، لأنه اللبنة الأساسية في بناء الجماعة هو تغيير ما للنفس، حتى يغير الله ما بالأمة، إن الله لا يغير ما بقومٍ حتّٰى يغيروا ما بأنفسهم“.

”وہ بات جس نے ان کے دل ودماغ اور زندگی کے پورے اوقات کو مشغول رکھا وہ صرف اسلام تھا، اسلام کا پیغام، اس کی تہذیب، اس کی نشأۃ ثانیہ، اس کی بیداری، نیز امت مسلمہ کے مسائل، اعدائے اسلام کے حملے اوران کا دفاع اور ان سب سے زیادہ خارجی حملوں کے مقابل داخلی محاذ کومضبوط کرنے کی فکر، اور یہ کہ افرادامت کی تربیت کی جائے، اس لیے کہ یہی وہ بنیادی اینٹ ہے جس پر کسی جماعت کی صحیح تعمیر ہوسکتی ہے، انسانی نفوس میں تبدیلی اورانقلاب تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب امت کی قسمت بدل دے“۔

محترم حضرات! حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان خدمات اور کارناموں

کی فہرست بہت طویل اور اس کے عنوانات اتنے متنوع ہیں کہ جس کے بیان کرنے کے لیے ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، مثلاً مولاناؒ کے طریق تدریس اور نصاب درس کا عنوان، تبلیغ و دعوت، تزکیۂ نفوس، فرق باطلہ کے رد میں حکیمانہ انداز سے کتابیں تیار کرنا، اسلام پسند نوجوانوں کے لیے صالح اور عصری اسلوب میں کتابوں کا تیار کرنا، ادب اسلامی کا احیا، دینی تعلیم کے مکاتب کا قیام اور اس کی سرپرستی، مختلف اکیڈمیوں اور اشاعتی اداروں کی سرپرستی وغیرہ۔

سامعین کرام! ناچیز کو آج کی اس مجلس میں ان عنوانات میں سے کسی عنوان پر کچھ عرض کرنا نہیں ہے، اور نہ اپنے اندر اس کی صلاحیت پاتا ہوں، بل کہ حضرت مولانا کی عظمت اور ان کے انتہائی بلند مومنانہ اخلاق کے چشم دید واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں؛ تاکہ ہم یہ جان سکیں کہ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت صرف ان کی عربیت اور ادبی صلاحیت یا ان کی گراں قدر تالیفات وتصنیفات یا ان کی ساحرانہ خطابت کے سبب نہیں ہے؛ بل کہ مولانا کی عظمت ان کی فنائیت اور من کی دنیا کو آباد کرنے کے سبب سے ہے۔

کاتب سطور ایک مرتبہ لکھنؤ حاضر ہوا، ندوہ کے مہمان خانہ میں حضرتؒ تشریف فرما تھے، کھلے ہوئے سر اور تکیہ سے ٹیک لگا کر عجیب جذب وشوق کے انداز میں حکیم مشرق علامہ اقبالؒ کے اشعار سنا رہے تھے، مولانا اکثر ان کو پڑھتے تھے ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

من کی دنیا ! من کی دنیا سوز و مستی ، جذب و شوق
تن کی دنیا ! تن کی دنیا سود و سودا ، مکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے، آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے ، نہ من تیرا نہ تن

محترم دوستو! مولاناؒ نے صرف علم وادب میں ہی مہارت حاصل نہیں کر لی تھی بل کہ اپنے وقت کے بڑے بڑے مشائخ اور صلحا کی خدمت میں بار بار حاضر ہو کر من کی دولت حاصل کر لی تھی، اور یہی چیز مولاناؒ کی عظمت و بلندی اور ان کی مقبولیت ومحبوبیت کا سبب تھی۔

حضرت مولاناؒ کو یہ تڑپ ہمیشہ بے چین رکھتی تھی کہ میرے تلامذہ اور اہلِ تعلق، بل کہ ہر امتی کے من کی دنیا آباد ہو جائے، ایک مرتبہ ندوۃ العلما کے طلبا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک شعر میں اکثر پڑھتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ کسی خوش نویس سے اس کی کتابت کروا کے آویزاں کرالوں، حضرت مفتی صدرالدین آزردہ نے فرمایا ہے ؂

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں　　اک جان کا زیاں ہے سوایسا زیاں نہیں

(مفتی صدرالدین آزردہ)

محترم حضرات! یہ اشعار مولانا کے لیے قال نہیں بل کہ حال تھے، مولاناؒ جس شہرت اور مقبولیت کے مقام پر تھے، وہاں تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوسکتی ہے؛ مگر انہوں نے اپنے آپ کو جس طرح مٹایا تھا اور عشق محمدی ﷺ کا جو سودا کر چکے تھے، اس کی مثال آج کے دور میں بالکل نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

کسی آدمی کے اخلاق و مزاج جاننے اور پرکھنے کا موقع اس کے ساتھ معاملہ کرنے یا سفر کرنے سے ہوتا ہے، حضرت کے بلند اخلاق کے چند واقعات سماعت فرمائیں:

(۱) کاتب سطور کو ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سہارن پور سے لکھنؤ تک ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی، ہماری سیٹیں جس ڈبہ میں رزرو ہوئی تھیں اس میں لکھنؤ اسمبلی کے چند اراکین بھی ہم سفر تھے، ساتھ کے کمپارٹمنٹ میں ایک خاتون رکنِ اسمبلی بھی سفر کر رہی تھیں۔ رڑکی اسٹیشن پر جب گاڑی رکی تو وہ محترمہ ہمارے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئیں اور ان غیر مسلم اراکین اسمبلی سے مخاطب ہوئیں کہ مجھے اوپر کی سیٹ ملی ہے، اگر آپ میں سے کوئی صاحب اپنی نیچے کی برتھ تبدیلی کر دیں تو مہربانی ہوگی؛ مگر دوسری طرف بالکل خاموشی رہی، وہ خاتون مایوس ہو کر جب واپس ہونے لگیں تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ بہن آپ فکر نہ کریں، ہمارے پاس ایک نیچے کی برتھ ہے، آپ اس کو لے لیں، یہ سن کر وہ خوش ہو کر مولانا کا شکریہ ادا کرنے لگیں۔

بندہ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے تو پیر میں تکلف ہے، آنکھوں میں بھی تکلیف ہے اور دوسری طرف ان کے رفقائے اسمبلی تو صحت مند ہیں پھر بھی وہ خاموش رہے اور آپ نے ایثار فرمایا۔ مسکرا کر فرمایا: مولوی صاحب! ہم کو تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی تعلیم ہے کہ ہم کمزوروں کی مدد کریں، اسلام کی تعلیم پر عمل کے ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں۔ یہ جواب سن کر مجھے احساس ہوا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نقش ان کی زندگی میں مضبوطی سے جما ہوا ہے، ایک غیر مسلم خاتون کے ساتھ یہ ہمدردی مولاناؒ کے پکے مومن ہونے کی علامت ہے۔

ایک اور واقعہ سن لیجیے، حضرت مولانا غلام محمد نور گت ترکیسریؒ(۱) کی دعوت پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ترکیسر تشریف لائے، اور وہاں سے ''جھرنا'' بچوں کے گھر کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ دارالعلوم فلاح دارین کے کچھ اساتذہ بھی شریک سفر تھے، دوسرے دن وہاں سے فراغت کے بعد ''دارالعلوم فلاح دارین'' کے طلبا کی

---

(۱) **حضرت مولانا غلام محمد نور گت صاحب ترکیسریؒ:** فخرِ ترکیسر، فاضل جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل، بانی و مہتمِ اول دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، ایڈیٹر ماہنامہ ''تبلیغ'' ترکیسر، بانی و سرپرست مدرسہ تجوید القرآن نور نگر کیم چوراہا و رکنِ شوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ۔ آپ کا شمار گجرات کے فعّال ترین علما میں تھا، حضرت تھانویؒ اور حضرت رائے پوریؒ کے دست گرفتہ تھے، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا علی میاں صاحبؒ جیسے چوٹی کے علما سے گہرے تعلقات تھے۔ کروڈ اور جھرنا جیسے کوردہ علاقوں میں غریب' نادار اور یتیم بچوں کے لیے ''بچوں کا گھر'' کے نام سے متعدد ادارے و مکاتب قائم فرمائے۔ حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحبؒ کی مجلسِ مشاورت کی تاسیس میں بھی اہم کردار ادا فرمایا۔ افسوس! گجرات کا یہ مایۂ ناز سپوت ۲۱/رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۶/مارچ ۱۹۹۳ء بروز سہ شنبہ تہجد' سحر و نماز فجر باجماعت سے فارغ ہو کر محوِ تلاوت تھا کہ داعیٔ اجل آپہنچا تو قبلہ رو ہو کر اپنے مالکِ حقیقی کے پاس افطاری کے مزے اڑانے چل دیا۔ فرحمه الله رحمةً واسعةً!

طرف سے ایک جلسہ رکھا گیا تھا، اس لیے مغرب سے قبل ترکیسر واپسی ضروری تھی۔ اتفاق سے حضرت جس کار میں تشریف فرما تھے، اس میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی اور کار جنگل میں رک گئی۔ ہم نے عرض کیا حضرت! آپ دوسری گاڑی پر سفر جاری رکھیں، ہمارے بعض احباب اس کو درست کر کے آجائیں گے؛ مگر حضرت نے رفقا کو چھوڑ کر جانے سے انکار فرمایا، کافی دوڑ دھوپ کے بعد گاڑی درست ہوئی اور سب نے ساتھ میں سفر کیا، جتنی دیر گاڑی درست ہوتی رہی حضرتؒ تلاوت اور دعا میں مشغول رہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس بلند اخلاق سے سب ہی اساتذہ اور رفقا متاثر ہوئے۔

ایک دوسرے سفر میں حضرتؒ ترکیسر تشریف لائے تو آپ کو علم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے خادم اور مجاز مولانا اسماعیل صاحب(۱) مدینہ منورہ

---

(۱) **حضرت مولانا اسماعیل صاحب بدات نور اللہ مرقدہٗ**: نانی نرولی ضلع سورت گجرات کے باشندے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل فرما کر گجرات کی مشہور علمی دانش گاہ جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ لے کر عالمیت کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں علامہ شمس الدین افغانیؒ، حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ کوساڑی ضلع سورت میں تدریس فرمائی، پھر مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے اور وہیں اقامت اختیار فرمائی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ تھے اور مدینہ منورہ میں حضرت کی آخری سانس تک خدمت فرماتے رہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کاتب کی حیثیت سے بھی خدمت انجام دی۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد مدینہ منورہ ہی میں قیام فرمالیا تھا اور پوری زندگی وہیں گزاردی۔ روضۂ اقدس کے سامنے بیٹھ کر روزانہ ایک قرآن شریف مکمل فرماتے تھے، بڑے صاحبِ حال بزرگوں میں سے تھے، اکابر علمائے دیوبند خصوصاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے والہانہ تعلق تھا۔ تادمِ آخر اس بات کی فکر فرماتے رہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے متعلقین حضرت شیخ کے مسلک پر شدت کے ساتھ قائم رہیں۔ اِس بات کی بھی خاص فکر تھی کہ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والے مدارس اکابر کے منہج کو تھامے رہیں، اِس سلسلے میں اپنی فکروں کا متعدد بار اظہار فرماتے رہتے۔ مدینہ منورہ سے عشق کا یہ حال تھا کہ مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید علی میاں ندوی صاحبؒ جب ترکیسر تشریف لائے، اُنہی دنوں آپ کی بھی آمد اپنے وطن =

سے اپنے وطن نرولی تشریف لائے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم تھوڑی دیر نرولی جائیں گے، اس زمانہ میں گاؤں میں کاریں صرف ایک یا دو تھیں اور وہ کسی کام سے باہر بھیج دی گئی تھیں۔ حضرت سے عرض کیا گیا کہ حضرت کار دست یاب نہیں ہے، ہم لوگ مولانا اسماعیل صاحب کو اطلاع کر کے یہیں بلالیں گے؛ مگر حضرت نے فرمایا نہیں اگر کار نہیں ہے تو ہم پیدل جائیں گے۔ اپنے بزرگوں کی نسبت کا ایسا خیال اور عمر اور علم میں شاگردوں کا درجہ رکھنے کے باجود صرف حضرت شیخ الحدیثؒ کی نسبت اور قیام مدینہ منورہ کے شرف کا خیال فرما کر حضرت پیدل جانے پر تیار ہو گئے؛ مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تھوڑی ہی دیر میں ایک اہلِ تعلق سورت سے کار لے کر تشریف لائے اور حضرت نے ان کی کار میں سفر فرمایا۔

یہ چند واقعات صرف بطور نمونہ ذکر کر دیئے گئے؛ تاکہ ہمیں اندازہ ہو کہ بلندی کے اونچے مقام پر پہنچ کر بھی اللہ کا یہ بندہ جس نے من کی دولت حاصل کر لی تھی اخلاق کے کیسے نمونے بتا گیا۔

تن کی دولت کو چھاؤں سمجھنے والا انسان نہ تو بادشاہوں کی دولت پر نظر رکھتا تھا نہ کسی امیر کبیر کا زیرِ احسان رہنا پسند کرتا تھا۔

= نانی نرولی میں ہوئی تھی، حضرت مفکرِ اسلامؒ کو اطلاع ہونے پر آپ کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، مجلس میں پہنچتے ہی حضرتؒ نے پوچھا، مولانا اسماعیل صاحب مدینہ منورہ سے کب تشریف لائے؟ صرف مدینہ منورہ کا لفظ سننا تھا کہ آپ کی چیخیں نکل گئیں، اِسی محبت کا نتیجہ تھا کہ ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء کو اللہ تعالیٰ نے اس گنجِ گراں مایہ کو مدینہ منورہ کی خاکِ پاک میں ہمیشہ کے لیے چھپادیا۔ رحمه الله رحمةً واسعةً و أعلى الله مراتبه!

ندوۃ العلما کا ۸۵ رسالہ جشن ہوا تو عالم اسلام اور خصوصاً عرب ممالک کے مشہور ومعروف علما وفضلا حضرت کی دعوت پر لکھنؤ تشریف لائے، کسی ہندوستانی عالم کو کچھ تکلیف ہوئی تو ان کی زبان سے نکلا ہاں بھائی! مولانا علی میاں کے پاس دودھ دیتی گائیں آئی ہیں، اس لیے ہمیں کون پوچھے وغیرہ۔ حضرتؒ کے کانوں میں جب یہ جملے پہنچے تو انھوں نے دوسرے دن جلسہ میں فرمایا، میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان عرب علما کو ان کے مال و دولت کی وجہ سے نہیں بلایا ہے؛ بل کہ میرا مقصد صرف ہمارے علما اور بزرگوں کی خدمات کے نمونے ان کے سامنے پیش کرنا تھا، جہاں تک دولت کا تعلق ہے تو مجھے عرض کرنے دیجیے کہ عرب کے بعض امیروں اور خاص طور پر شاہ فیصل مرحوم نے بڑی بڑی پیش کشیں کی تھیں؛ مگر میں نے شکریہ کے ساتھ انکار کر دیا تھا کہ:

ع برو ایں دام بر مرغ دیگر نہہ

اور پھر دنیا نے دیکھا کہ شاہ فیصل ایوارڈ ہو یا امارات کا ایوارڈ ہو، لاکھوں اور کروڑوں روپے کی یہ دولت اس من کی دنیا کے مالک نے کس طرح ہاتھ لگائے بغیر خیر کے کاموں میں عطا کر دی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس استغنا کی مثالیں موجودہ دور میں شاید کبھی کبھی اور کسی کسی جگہ ہی نظر آئیں گی، اور اسی عالی وصف کے سبب اس مرد فقیر نے بڑے بڑے بادشاہوں، امیروں اور وزیروں کے سامنے آنکھیں ڈال کر بات کی ہے، اور خطوط

کے ذریعہ ان کو صحیح راہِ عمل اختیار کرنے کی تلقین فرمائی، مولاناؒ کی خودنوشت سوانح اور رسائل الاعلام میں اس کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت مولانا ندویؒ کی ذات سراپا اسلام اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل نمونہ تھی اور آپ نے اپنے علم اور عمل دونوں سے ایسی ہی کامل اسلام کی نمائندگی کرنے والی جماعت تیار کرنے کی محنت فرمائی، عرب وعجم کے علما، فضلا اور مفکرین نے جس کا کھل کر اعتراف کیا۔

ڈاکٹر محبّ الدین احمد ابوصالح المحترم جو ”جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية“ میں ”مناهج التر بية الإسلامية“ کے استاذ مساعد ہیں، اپنے مضمون میں اعتراف فرماتے ہیں:

”إن من مزايا الشيخ أنه شخصية مربية بذاتها و مر بية بكتبها و مؤلفاتها، ومربية بمحاضراتها و خطبها، و مربية بدعو تها الحكام و المسؤلين التربوين إلى وجوب الأخذ بالتربية الإسلامية، والابتعاد عن النظم التر بوية المستعارة الغربية والشرقية“.

”شیخ ابوالحسن کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپ اپنی ذات کے اعتبار سے مربی ہیں، اسی طرح اپنی کتابوں، تالیفات، محاضرات، تقریروں کے ذریعہ بھی مربی ہیں؛ نیز جن کے ذمے اسلامی تربیت کا فریضہ ہے ایسے حکام اور ذمے داروں کو اس کی دعوت دینے میں بھی مربی ہیں، کہ وہ اپنے نظام تعلیم وتربیت میں اسلامی تربیت کو اختیار کریں اور مغربی اور مشرقی مستعار نظام تربیت سے اپنے آپ کو دور رکھیں۔

اسلامی تربیت کو امت کے نونہالوں میں عام کرنے کے سلسلہ میں حضرت مولاناؒ نے سعودی عرب کے وزیر تعلیم شیخ حسن عبداللہ بن حسن آل الشیخ کو ایک دل چسپ خط لکھا تھا، جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولاناؒ کو امت مسلمہ کے نونہالوں کی دینی تربیت کی کتنی فکر تھی اور اس سلسلہ میں انہوں نے اسلامی دنیا کے ذمے داروں کو کس خوش اسلوبی سے متوجہ کرنے کی کوشش فرمائی۔ تحریر فرماتے ہیں:

" قد أثر عن بعض الصالحالين المهتمين بأمور المسلمين أنه حكى :لو كانت لي دعوة مستجابة واحدة، لخصصت بها صاحب الأمر والنهي في البلاد، لأن صلاح المسلمين يتوقف على صلاحه، وأقول: لو كانت لي دعوة مستجابة واحدة لصر فتها إلى وزارة المعارف "

مسلمانوں کے مسائل سے فکر و تعلق رکھنے والے ایک مرد صالح کی یہ بات نقل کی گئی کہ اگر میری کسی دعا کے لیے مقبولیت یقینی ہوتی تو میں ملک کی خیر و صلاح کے لیے دعا کرتا؛ کیوں کہ مسلمانوں کی صلاح اس پر منحصر ہے، میں یہ بھی کہتا ہوں کہ ایسی کوئی مقبول دعا ہو تو میں وزارتِ تعلیم کے لیے دعا کروں گا۔"

اخیر میں ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو اپنے اس مخلص بندہ کو اعلی علیین میں درجات عالیہ نصیب فرما جس نے زندگی کے ہر لمحہ کو علماً و عملاً تیرے حکموں کے مطابق زندگی گزارنے کی دعوت دی اور اس فانی دنیا کی راحتوں کی طرف سے منہ موڑ کر آخرت کی نعمتوں کے حصول کی جدو جہد فرمائی۔

اللّٰهم أمطر عليه شآبيب رحمتك ورضوانك، وأدخله في أعلى الجنة مع النبيين و الصديقين والشهداء والصالحين، و حسن أولٰئك رفيقًا، وصلى الله تعالٰى على خير خلقه سيدنا محمد واٰله وأصحا به أجمعين.

☆☆☆☆☆

رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں
(اقبال)

کچھ تاثرات کچھ یادیں(۱)

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی شخصیت امت کے لیے عطیۂ الٰہی تھی:

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت امت اسلامیہ کے لیے عطیۂ الٰہی تھی، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ایسی ایسی صفات عالیہ جمع فرمادی تھیں جو بہت کم اشخاص کے اندر پائی جاتی ہیں، حضرتؒ کی وفات کے بعد ہندو پاک کے علاوہ عالم عرب بل کہ یورپ اور امریکہ میں بھی تعزیتی مضامین، سیمینار، اخباروں اور رسائل کے خصوصی نمبرات کے ذریعہ حضرت کی خدمات جلیلہ پر اتنا لکھا گیا ہے کہ حضرت کی زندگی اور آپ کے افکار و اعمال کے بارے میں شاید ہی کوئی گوشہ تشنہ رہ گیا ہو۔

اس کے باوجود حضرت کے متعلقین اس عبقری شخصیت کی زندگی اور ان کے اعمالِ عظیمہ کے بارے میں مختلف انداز اور مختلف طریقوں سے روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔

شیخ طریقت مدظلہٗ کو حضرت مولاناؒ سے خصوصی ربط:

شیخ طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہٗ کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ خصوصی ربط و تعلق رہا ہے، اس لیے مولانا مدظلہٗ

(۱) زیرِ نظر مضمون پیر طریقت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم کی مقبول کتاب ''امت کی ایک مایۂ ناز شخصیت'' کے لیے بطور مقدمہ تحریر کیا گیا تھا۔

نے حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے بارے میں اپنے تعلقات کی روشنی میں قلم اٹھایا ہے۔ مولانا محمد قمر الزماں صاحب مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی سوانح اور ملفوظات جمع کرنے اور اس کو آسان زبان میں پیش کرنے کا ایک خاص سلیقہ عطا فرمایا ہے، اس لیے اس اطلاع سے ہمیں بہت مسرت ہوئی۔

حضرت اقدس مدظلہٗ نے ازراہ ذرہ نوازی اس ناچیز کو بھی حکم فرمایا کہ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے بارے میں اپنے تاثرات لکھ بھیجوں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت کے بارے میں میرے ایسے کم مایہ طالب علم کا کچھ لکھنا بہت ہی دشوار کام ہے؛ مگر بزرگوں کے حکم کی تعمیل بھی ضروری ہے، اس لیے چند کلمات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں تاکہ خریدارانِ یوسف میں ہمارا نام بھی شامل ہو جائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کے ساتھ ناچیز کا غائبانہ تعلق:

یہ ناچیز غالباً ۱۹۵۱ء سے جب کہ اس کا پنجم کا تعلیمی سال تھا حضرت مولانا ندویؒ کے بعض مقالات و مضامین سے ''الفرقان'' کے ذریعہ واقف ہوا، نیز مولانا رحمہ اللہ کے کچھ رسائل بھی اردو زبان میں پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مولانا کا اسلوب ہی ایسا ہے کہ ہر شخص کو فوراً اپنی طرف مائل کر لیتا ہے، اس لیے ایک کے بعد دوسرا مضمون تلاش کیا جانے لگا اور اس طرح حضرتؒ کے ساتھ اوائل عمر میں تعلق پیدا ہو گیا اور دل میں حضرت مولانا سے ملنے کی شدید خواہش پیدا ہونے لگی؛ مگر طالب علمی کی زندگی میں اس کی نوبت نہ آسکی۔

۱۹۵۹ء میں پہلی ملاقات اور زیارت:

۱۹۵۹ء میں مولانا اسماعیل گارڈیؒ(۱) کے صاحب زادگان کے ساتھ دارالعلوم دیوبند میں قیام ہوا، تو اتفاق سے ایک دوست نے اطلاع دی کہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ آج کل بھٹ ہاؤس سہارن پور میں تشریف لائے ہیں اور حضرت اقدس کے بہت سے خدام کے علاوہ لکھنؤ سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ بھی حضرت کے ساتھ مقیم ہیں۔

ان دونوں عظیم ہستیوں کے سہارن پور میں تشریف لانے کی خبر سے بہت مسرت ہوئی اور دل کی دیرینہ تمنا بر آنے کی سبیل پیدا ہوگئی، شام کی گاڑی سے سہارن پور روانہ ہوکر حضرت رائے پوریؒ کی قیام گاہ پہنچے اور اکابرین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

یہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کے ساتھ سب سے پہلی ہی ملاقات تھی، پہلی ہی ملاقات میں حضرت کی سادگی اور محبت بھری باتوں نے بہت متاثر کیا۔ حضرت رائے پوریؒ کے خدام میں پاکستان کے علما بھی تھے اور مولاناؒ ان کے ساتھ ضروری گفتگو میں

---

(۱) **حضرت مولانا اسماعیل صاحب گارڈیؒ:** ''دارالعلوم دیوبند'' کے خوشہ چین، فاضل ''جامعہ ڈابھیل'' تلمیذِ رشید حضرت علامہ کشمیریؒ، جنوبی افریقہ کے چوٹی کے تاجروں میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کے خانوادے کی فیاضیوں کے بادل اداروں اور علمی شخصیتوں پر برسے اور خوب برسے، یہاں تک کہ زباں زد خاص و عام ہوگیا کہ ''گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی'' ۔ سید از ہر شاہ قیصرؒ آپ کے تعارف میں فرماتے ہیں: ایک باخبر عالم، ایک فرض شناس و متقی مسلمان، تجارت میں انہماک و مشغولیتوں کے باوجود مطالعہ و مذاکرہ کی راہ سے آپ کا علم تازہ ہے۔ وعظ بھی بہت اچھا کہتے ہیں، اور تصنیف و تالیف کی صلاحیت بھی آپ کو حاصل ہے۔ ۱۴۰۴ھ میں راہئ ملک بقا ہوئے۔

مصروف تھے، اس لیے مولانا علی میاں صاحبؒ کے ساتھ زیادہ بات چیت کا موقع نہ مل سکا؛ مگر حضرت کے دیدار سے مشرف ہونے سے دل بہت خوش ہوا۔

حضرت رحمہ اللہ سے دوسری ملاقات اور مولانا کے مفید مشورے:

پھر دارالعلوم دیوبند کے قیام کے ان ہی دنوں میں چند دوستوں کے ساتھ مشورہ ہوا کہ ہم لوگوں کو عربی زبان میں کوئی پرچہ شائع کرنا چاہیے، اس زمانہ میں جامع ازہر کے مبعوث شیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاوی(۱) عربی زبان کے استاذ کی حیثیت سے دارالعلوم میں مقیم تھے، ان سے اس بارے میں مشورہ ہوا تو انہوں نے ہمت افزائی فرمائی، چناں چہ "الیقظة" نامی پرچہ شائع کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا گیا، مولانا عمید الزماں کیرانوی صاحب رحمہ اللہ کو اس کی ادارت سونپی گئی اور ہم چند احباب بھی لکھنے کی مشق کرتے رہے۔

ابھی شاید دو شمارے شائع ہوئے تھے کہ دارالعلوم کے دروازہ پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی "فیض عام کالج میرٹھ" میں تشریف آوری اور خطاب کا اشتہار نظر سے گزرا، ہم نے موقع غنیمت سمجھا اور مولانا عمید الزماں کیرانوی صاحب کے ہمراہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور "الیقظة" کی اشاعت کی اطلاع اور شائع کردہ پرچے خدمت اقدس میں پیش کیے، حضرتؒ نے بہت ہی افزائی فرمائی اور عالم عرب کے علمی پرچوں اور عرب ادبا کی کتابیں پڑھنے کا مشورہ دیا۔

---

(۱) آپ کے احوال رشد وہدایت کے منار صفحہ ۲۰۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

مصری اساتذہ شیخ عبدالمنعمؒ (۱) اور شیخ عبدالعالؒ کی دارالعلوم تشریف آوری کے بعد دارالعلوم میں ادبائے مصر کی کتابیں آ گئی تھیں، طٰہٰ حسین، مصطفیٰ صادق الرافعی، مصطفیٰ منفلوطی، محمود عباس عقاد، احمد امین کی کتابیں نظر آنے لگی تھیں، ان میں سے بعض کے مطالعہ کا موقع ملا تھا؛ مگر ہم اس کو مکمل طور سے سمجھ نہیں سکتے تھے۔ حضرت مولانا علی میاںؒ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے بس مطالعہ کرتے رہو، آہستہ آہستہ ان حضرات کے اسالیب سے واقفیت ہوتی جائے گی اور عبارت سمجھ میں آنے لگے گی۔ ہماری ہمت افزائی کے لیے یہ بھی فرمایا کہ ''ہم کئی سال سے عرب مصنّفین کی کتابیں پڑھتے ہیں اور عربی میں لکھتے ہیں پھر بھی بعض الفاظ سمجھ میں نہیں آتے؛ مگر سیاق وسباق سے مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے، اس لیے مایوس ہوکر مطالعہ ترک نہ کریں''۔

---

(۱) **شیخ عبدالمنعم النمر**: اگست ۱۹۱۳ء کو مصر کے مشہور شہر 'سوق' میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مقامی درس گاہ میں حاصل فرماکر جامع ازہر میں داخل ہوئے اور ۱۹۳۹ء میں كلية أصول الدين سے عالمیت کی سند پائی۔ پھر وہیں سے ۱۹۴۱ء میں ماہر تعلیم کی سند حاصل فرماکر جامع ازہر اور مصر کے دیگر معاہد اور جامعات میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۶ء میں جامع ازہر اور مؤتمرِ اسلامی نے ان کو دارالعلوم دیوبند بھیجا، جہاں آپ نے ۲۷/ماہ قیام فرماکر عربی ادب اور ثقافت کی تعلیم دی اور ہندوستان کی سیاحت کر کے یہاں کی اسلامی تاریخ اور آثار کے متعلق معلومات جمع فرمائیں۔ اُن کے ساتھ شیخ عبدالعال العقباوی بھی استاذ ومعلم کی حیثیت سے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں کویت کے مجلّہ "الوعي الإسلامي" کے رئیس التحریر ہوئے اور مختلف علمی وفقہی موضوعات پر پُرمغز مضامین ومقالات لکھے۔ اسی دوران اماراتِ عربیہ متحدہ سے مجلّہ ''المنار'' جاری کیا۔ ۱۹۷۸ء میں جامع ازہر کے وکیل بنائے گئے اور مدير البعثات الأزهرية کی حیثیت سے مفوّضہ خدمات بہ وجوہِ احسن انجام دیں۔ ۱۹۷۹ء میں وزیر اوقاف بنائے گئے۔ ۱۹۸۶ء میں حکومتِ مصر کی طرف سے اُن کی علمی، تحقیقی و دوسری خدمات کے اعتراف کے طور پر توصیفی سند پیش کی گئی اور مئی ۱۹۹۱ء اواخر ذی قعدہ ۱۴۱۱ھ میں قاہرہ میں انتقال فرمایا۔ آپ نے ہندوستان سے واپس جاکر قاہرہ میں ہندوستان سے متعلق تین کتابیں تصنیف فرمائیں:
(۱) تاريخ الإسلام في الهند (۲) كفاح المسلمين في تحرير الهند (۳) سبعة و عشرون شهرًا في الهند۔ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل فرمائی۔

(ماخوذ از آسودگانِ خاک: ۱۸۴، مصنفہ قاضی اطہر مبارک پوریؒ)

الحمدللہ! حضرت رحمہ اللہ کے اس مشورہ نے ہم کو بہت نفع پہنچایا، طٰہٰ حسین کی "علٰى هامش السيرة" اور "الأيام"، احمدامین کی "زعماء الإصلاح" "إلى ولدي"، منفلوطی کی "عبرات" و "نظرات"، السباعی کی "إني راحلة" وغیرہ کتابیں حضرت رحمہ اللہ کے مشورہ کے بعد تلاش کر کے پڑھنا شروع کیں۔

شیخ محمود عبدالوہاب طنطاویؒ کی توصیف:

ہم شیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاویؒ کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے تھے، جب بھی شیخ محمود کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کا ذکر کیا گیا شیخ محمودؒ بہت ہی وقیع الفاظ میں مولانا کی عربی زبان کی قدرت ومہارت اوران کے بلند عربی اسلوب کی تعریف فرماتے تھے۔فرماتے تھے کہ سید ابوالحسن ادبائے مصروشام کے صفِ اول کے لکھنے والوں کی ہمسری کررہے ہیں اورفرماتے تھےایک ہندوستانی عالم کی اس طرح کی عربی تحریر سے ہم سب بہت متاثر ہیں۔حضرت رحمہ اللہ کا جب کوئی نیامضمون یارسالہ شائع ہوتا ہم شیخ کی خدمت میں پیش کرتے اور شیخ اس کو بہت ہی شوق ومحبت سے پڑھتے، حضرت کی شستہ عربی زبان، اخلاص بھری تحریر سے شیخ بہت اثر لیتے تھے۔

شیخ محمود عبدالوہابؒ مولانا رحمہ اللہ کی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين" کے بارے میں فرماتے تھے کہ "دورحاضر کے کسی مصنف کوتاریخ کو اس انداز میں پیش کرنے کی توفیق نہیں ملی جس طرح شیخ ابوالحسن نے پیش فرمایا ہے، واقعی یہ ایک انقلابی کتاب ہے جو بہت مؤثراورجذاب اسلوب میں لکھی گئی ہے"۔

عرب ممالک میں مولاناؒ کی مقبولیت:

شیخ محمودؒ کی بات بالکل صحیح تھی، ۱۹۶۸ء میں جب ہم عراق، اردن اور سعودی عرب تبلیغی جماعت کے ہمراہ گئے تو بغداد، فلوجہ، عمان وغیرہ شہروں میں جن اہلِ علم سے ملاقات کا موقع ملتا فوراً مولانا علی میاںؒ اوران کی ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين“ کا تذکرہ ضرور ہوتا۔جس سے اندازہ ہوا کہ مولانا رحمہ اللہ کی اس کتاب نے عرب کے پڑھے لکھے لوگوں کو بہت متاثر کیا ہے، وہ لوگ ہم سے مولانا کی دوسری کتابوں کے بارے میں سوالات کرتے اوراس کے مطالعہ کی خواہش کرتے تھے۔

بغداد کے قیام کے زمانہ میں ہمیں وہاں کے اکابر علما کی ہفتہ واری مجلس میں شرکت کا موقع ملا تھا جو ”رابطة علماء بغداد“ کے نام سے معروف تھی، وہاں بھی سب سے پہلا سوال حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی صحت وعافیت اوران کی جدید کتابوں کے بارے میں ہوا۔اس وقت ہمیں اندازہ ہوا کہ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مقبولیت اوران کی علمی کاوشوں کی دھاک ہندوستان کے باہر بہت زیادہ ہے اور ہندوستان کے بہت سے علاقے ابھی تک حضرتؒ کی خدمت سے اتنے واقف نہیں ہیں جتنا یہ عرب لوگ ہیں۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ کی خدمات کے متعدد میدان رہے ہیں؛ تدریس، تالیف، دعوت وتبلیغ، اصلاحِ معاشرہ، اصلاحِ ادب و ثقافت، تربیتِ اساتذہ، قیامِ مکاتب، عالمِ اسلام میں نوجوانوں کی صحیح رہ نمائی، مسلم پرسنل لا بورڈ کی

صدارت اور امت کے مسائل پر صاف صاف رائے کا اظہار، باطل افکار و نظریات پر متوازن اور علمی انداز میں تنقید، عالم عربی کے مسائل پر بے لاگ تبصرہ وغیرہ کتنے میدان ہیں جن میں آپ نے زندگی بھر کام کیا۔ زندگی کے آخری دور میں ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت اور مذہبی جنون وتشدد کی روک تھام کے لیے ''پیام انسانیت'' کے نام سے تحریک چلا کر انسانیت کے ضمیر کو بیدار کرنے کی سعی کی۔ پھر حضرت رحمہ اللہ کی خدمات کا یہ دائرہ ہندوستان تک موقوف نہیں تھا، بل کہ پاکستان، بنگلہ دیش، برما، افغانستان اور یورپ کے ممالک میں بھی پھیلا ہوا تھا۔

پچھلے رمضان المبارک سے قبل ناچیز اندلس کے سفر پر تھا، وہاں مراکش کے عالم کی ایک کتاب نظر سے گزری ''الإسلام في أسبانيا'' انہوں نے اندلس میں بیداری اور مساجد اور دعوتی مراکز کا تذکرہ کیا ہے۔ قرطبہ، غرناطہ، اشبیلیہ وغیرہ شہروں میں اسلامی انجمنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اندلس میں اس دینی بیداری میں ہندوستان کے عالم سید ابوالحسن علی ندویؒ کا بڑا حصہ ہے کہ انہوں نے اپنے سفر اندلس کے وقت مسلم نوجوانوں کو اجتماعی طور پر مراکز قائم کرنے، نماز باجماعت کا اہتمام کرنے اور دینی دعوت میں وقت لگانے کی دعوت دی، اور الحمد للہ اس کا اچھا نتیجہ ظاہر ہوا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی بعض تقاریر سننے کے بعد ایسا صاف محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو بھرپور ایمانی فراست سے مالا مال فرمایا تھا۔ برما کے شہر رنگون میں مولانا نے برما کے فوجی انقلاب سے قبل ایک پُرسوز تقریر فرما کر وہاں

کے مسلمانوں کو جن خطرات کی طرف متوجہ فرمایا تھا چند ہی سالوں میں دنیا نے دیکھا کہ وہ حالات پیدا ہو گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمہ اللہ ان خطرات و حوادثات کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بیان فرما رہے ہیں۔ برما انقلاب کے بعد اکثر لوگوں نے کہا واقعی ع قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اس طرح کے کئی واقعات مولانا رحمہ اللہ کی ایمانی بصیرت اور روشن ضمیری پر شاہد ہیں۔

ڈاکٹر فرحان نظامی اور مولاناؒ (۱):

برطانیہ کے ایک سفر میں ناچیز آکسفورڈ حاضر ہو کر ڈاکٹر فرحان نظامی مدظلہٗ سے ملا تھا، انہوں نے فرمایا کہ حضرت مولانا کے ہمراہ برطانیہ کے کئی مقامات پر جانے اور مولانا کے بیانات سننے کا موقع ملا۔ حضرت مولانا اگر عام مسلمانوں اور دعوتی مراکز میں تقریر فرماتے تو ان کو جمود چھوڑنے اور دین میں جو سہولتیں دی گئی ہیں ان سے فائدہ اٹھانے اور توحید کی حفاظت پر زور دیتے تھے، اور جب تعلیم یافتہ لوگوں میں بات کرتے تو ان کو دین میں تصلب اختیار کرنے کی تلقین فرماتے، ڈاکٹر فرحان

---

(۱) ڈاکٹر فرحان نظامی صاحب: علی گڑھ کے باشندے ہیں، آپ نے بی اے اور تاریخ میں ایم اے، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے فرسٹ ڈویژن کے ساتھ پاس فرمایا۔ یونی ورسٹی کی طرف سے آپ کو تمغہ بھی عنایت کیا گیا۔ اس کے علاوہ خورشید نورالحسن گولڈ میڈل ۱۹۷۷ء میں آپ کو دیا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں وڈھم کالج سے انہوں نے ڈی فل کی ڈگری حاصل فرمائی۔ آپ آکسفورڈ یونی ورسٹی انگلینڈ میں شعبۂ اسلامیات کے بانی اور ڈائریکٹر ہیں۔ اِس کے علاوہ متعدد اداروں' تنظیموں کے چیئر مین' رکن اور مدیر ہیں۔ متعدد ایوارڈ یافتہ شخصیت ہیں، مشہور اسلام پسند صحافی اور پروفیسر ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح نہج پر مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت دونوں حلقوں میں جس انداز سے گفتگو فرماتے اور جو انداز اختیار کرتے اس کا خاص تذکرہ فرماتے تھے۔

اہلِ مدارس کے لیے مفید مشورہ:

حضرت مولانا رحمہ اللہ اپنے تعلیمی اور دعوتی طویل تجربوں کے سبب مختلف مواقع پر بہت ہی اختصار اور جامعیت کے ساتھ اہم مشورے پیش فرماتے تھے، مثلاً ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' تشریف آوری کے موقع پر اساتذہ کے انتخاب کے بارے میں فرمایا کہ اساتذہ کے انتخاب میں دو چیزیں پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ان میں ''اخلاص'' ہو اور ''اختصاص'' ہو، اگر ان دونوں وصفوں میں سے کسی ایک میں کمی ہوگی تو ادارہ کو فائدہ نہیں ہوگا۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک مفوضہ مضمون پڑھانے کی صحیح صلاحیت نہ ہو مدرس کی صرف دین داری اور سادگی کام نہیں آسکتی، اور اگر علم میں کامل ہو، اختصاص حاصل ہو؛ مگر اخلاص اور دل سوزی نہ ہو تب بھی طالب علموں کو نفع نہیں ہوسکتا، ماشاءاللہ! حضرت نے دو لفظوں میں ایک عمدہ معیار و مقیاس عطا فرمادیا، اس کی تائید میں سورۂ یوسف کی آیت ﴿إني حفيظٌ عليمٌ﴾ (سورۂ یوسف: آیت: ۵۵) سے بھی استدلال فرماتے تھے۔

طلبا کو قیمتی نصیحت:

مدارسِ عربیہ کے طلبا کو حضرتؒ ہمیشہ فرماتے تھے کہ کسی کتاب کا سرسری مطالعہ کافی نہیں ہوتا؛ بل کہ اس طرح مطالعہ کریں گویا پوری کتاب کو آپ نے چاٹ لیا ہے، اور فرماتے تھے کہ ہم نے احمد امین کی ''فجر الإسلام، ضحی الإسلام''

اور ”ظهر الإسلام“ کو اتنا پڑھا ہے کہ اس کے صفحات ازبر ہو گئے، اس دور میں جو سرسری مطالعہ کی عادت ہو گئی ہے اس سے مطالعہ کرنے والوں کو کما حقہ نفع نہیں پہنچتا۔

بلند علمی مقام کے ساتھ انتہائی سادگی:

حضرت رحمہ اللہ اپنے علمی اور عملی بلند مقام کے باوجود نہایت درجہ سادہ مزاج، خوش اخلاق اور زہد وقناعت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، آپ کے سوانح نگاروں نے حضرت کی دنیا سے بے رغبتی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر فرمائے ہیں۔

دمشق یونی ورسٹی کی دعوت پر آپ جب شام کے سفر پر تشریف لے گئے تو وہاں کے علما آپ کی سادگی اور اونچے درجہ کے ہوٹل میں قیام کے بجائے مسجد کے کمرے میں قیام کرنے پر انگشت بدنداں تھے، رابطۂ عالم اسلامی اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی مجالس میں حاضری کے وقت بھی حضرت رحمہ اللہ پنج تارہ ہوٹلوں کے بجائے مدرسہ صولتیہ یا کسی اور عزیز کے معمولی کمرہ میں قیام کو پسند فرماتے تھے۔

ایک عرب عالم کی قیمتی بات:

ایک عرب عالم نے مولانا رحمہ اللہ کے اس عمل کے بارے میں بہت اچھی بات لکھی ہے کہ:

”إن الدعوة إلى الله تعالىٰ تفتقر إلى إعدادٍ روحيٍ وخلوة مع الله تعالىٰ حتّٰى يكون الكلام منبعثًا من الروح و القلب، ليحل في الروح و القلب، و هذا ما حدث و شعر به كل من استمع إلى محاضراته التي ألقاها“.

دعوت الی اللہ روح کی پاکی اور خلوت مع اللہ کی محتاج ہے؛ تا کہ داعی کی زبان سے جو بات نکلے وہ قلب وروح کی گہرائی سے نکلے اور سامع کے قلب وروح میں پیوست ہو جائے، ہر وہ شخص جس نے سید ابوالحسنؒ کے محاضرات کو سنا ہے، اس نے اس کو ضرور محسوس کیا۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ اور طلبا کے سامنے حضرت رحمہ اللہ نے ایک پُرسوز تقریر فرمائی تو دیکھنے والوں نے بتایا کہ کوئی آنکھ نہیں ہوگی جو اشک بار نہ ہوئی ہو۔

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

بس..........

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
(اقبال)

اللهم أمطر عليه شآبيب رحمتك و رضوانك، و أدخله في جنتك جنة الخلد، وارفع درجته في أعلى العليين برحمتك و فضلك يا أرحم الراحمين.

والسلام

احقر عبداللہ غفرلہ کاپودروی

صفر المظفر ۱۴۲۵ھ- یکم اپریل ۲۰۰۴

رفیقِ محترم(۱)

۴۹، ۱۹۴۸ء میں بندہ ڈابھیل جامعہ سے دارالعلوم دیو بند حاضر ہوا۔ کافیہ، نفحۃ الیمن، مرقات وغیرہ کتب کا امتحان دے کر کنز الدقائق، شرح جامی، نفحۃ العرب، اصول الشاشی میں داخلہ لیا۔ باب قاسمؒ (صدر دروازہ) سے داخل ہوکر بائیں جانب مطبخ کی طرف جو راستہ تھا وہاں سے دروازہ کے اوپر کے حصہ میں ایک کمرہ تھا، جس میں مولوی اسماعیل عبدالرزاق افریقی اور ان کے ساتھی حافظ اسماعیل افریقی مقیم تھے، بندہ بھی چند ماہ ان کے ہمراہ اسی کمرہ میں رہا تھا، بعد میں دار جدید ۲۶ میں جگہ مل گئی تھی۔

مطبخ کی طرف جاتے ہوئے کتب خانہ کے سامنے دو کمرے تھے جن کی دیواریں کچی تھیں اور چھت پر بھی مٹی پاٹی گئی تھی، اسی کمرہ میں دو تین مظفر نگری طلبا مقیم تھے، جن میں مولانا وحید الزماں کیرانوی اور اشفاق صاحب کے نام یاد ہیں، مطبخ میں کھانا لینے دونوں وقت اسی کمرے کے سامنے سے گزر ہوتا تھا۔

نفحۃ العرب کے سبق میں مولانا بھی ہمارے شریک درس تھے، اس لیے ان کے کمرے سے گزرتے ہوئے علیک سلیک اور تھوڑی دیر گفتگو ضرور ہوتی، کمرہ میں چٹائی بچھائی ہوئی تھی اور ہر چیز سلیقہ سے رکھی ہوئی نظر آتی تھی، مولانا ہمیشہ صاف

(۱) یہ مضمون ترجمان دارالعلوم کے مولانا وحید الزماں کیرانوی نمبر میں شائع ہوا تھا۔

ستھرے کپڑے زیب تن فرماتے اور اپنی نشست و برخاست اور گفتار و رفتار میں بھی عام طلبا سے الگ نظر آتے، چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ ہوتی اور گفتگو میں سنجیدگی رہتی، ویسے مولانا کم آمیز اور یکسوئی پسند تھے؛ مگر دوستوں سے ملتے تو پوری بشاشت سے پیش آتے۔

عربی زبان کا بہترین ذوق، اسباق میں پابندی، اساتذہ کے ساتھ ادب و احترام کا سلوک اور امتحانات میں اعلیٰ نمبروں سے کامیابی کے سبب سب ہی اساتذہ مولانا کو چاہتے اور ان کی طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے۔

ہماری یہ رفاقت صرف ڈیڑھ سال رہی، اس لیے کہ شرح وقایہ، مقامات کے سال بندہ بیمار ہوگیا اور ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق درمیانی سال میں گجرات واپس آکر جامعہ ڈابھیل میں داخل ہوکر تعلیم مکمل کی۔ پھر ۶۰-۱۹۵۹ء میں مولانا اسماعیل گارڈی مرحوم ڈابھیلی نے -جو افریقہ کے معروف علما میں تھے اور بڑے تاجر اور دارالعلوم اور اساتذۂ دارالعلوم سے گہرا تعلق رکھتے تھے- اپنے دو صاحب زادوں کو دارالعلوم میں بغرض تعلیم بھیجا اور بندہ کو ان کے ساتھ نگرانی اور تربیت کے لیے مقرر کیا۔ مولانا وحیدالزماں صاحبؒ بھی اس وقت تکمیل فرما کر جامع مسجد کے قریب ''دارالفکر'' نامی ایک ادارہ شروع فرما چکے تھے اور دارالعلوم کے بہت سے طلبا عربی زبان سیکھنے ''دارالفکر'' جانے لگے تھے۔

مولانا کے اچھوتے طرزِ تعلیم اور طلبا کی صلاحیتوں کو ابھارنے، ان میں خود اعتمادی اور خودداری پیدا کرنے، ان کو نظم وضبط کا پابند بنانے، عربی تلفظ درست

کرنے اور مختصر وقت میں عربی رسم الخط میں ماہر بنانے وغیرہ جیسی کئی خصوصیات کے سبب دار الفکر اور مولانا کا چرچا دار العلوم کی چار دیواری میں عام ہونے لگا تھا۔ بندہ کو بھی مولانا کے اس ادارہ کا علم ہوا تو ملاقات کے لیے حاضر ہوا، درمیان میں کافی عرصہ گزر جانے کے باوجود مولانا کو پہچاننے میں دیر نہ لگی اور بہت ہی پر تپاک طریقہ سے گلے ملے اور مسرت کا اظہار فرمایا، اس کے بعد بار بار ''دار الفکر'' میں ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

مولانا طلبا سے جس طرح ملتے اور جس طرح ان کی تربیت فرماتے وہ مدارس کے عام اساتذہ کے درس میں کم ہی دیکھنے اور سننے کو ملا، خوش طبعی اور کشادہ دلی سے بات چیت کرنے کے باوجود ادب احترام اور نظم وضبط میں کوئی کمی نظر نہیں آتی تھی، ضرورت کے موقع پر مولانا کا لب ولہجہ سخت بھی ہو جاتا تھا؛ مگر طالب علم کو کبھی ناگوار نہ ہوتا، اور مولانا کی محبت وعظمت میں ذرہ برابر فرق نہ آتا تھا۔

اسباق کے ختم ہوتے ہی مولانا چائے کا نظم فرماتے اور اس میں بھی ان کی نفاست پسندی اور خوش ذوقی کا پورا نمونہ سامنے آتا، بہر حال مولانا کی ان صحبتوں اور مجلسوں سے ناچیز کو علمی اور انتظامی بہت سے امور میں کافی نفع پہنچا، اور دار العلوم سے واپسی کے بعد ڈابھیل کی تدریس اور دار العلوم فلاح دارین کے اہتمام کے زمانہ میں ان میں سے بہت سی باتیں میرے لیے بڑی کارآمد ثابت ہوئیں۔

فجزاه الله خير الجزاء!

۱۹۶۱ء میں بندہ پھر ڈابھیل جامعہ میں مدرس ہوکر چلا گیا اور ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم فلاح دارین میں پہلے مدرس اور پھر اہتمام کی ذمے داری سپرد ہوئی، اس کے بعد ہر سال ''دارالعلوم فلاح دارین'' کے کاموں کے لیے دیو بند کا سفر کرنا پڑتا تھا، اب مولانا وحیدالزماں صاحب بھی دارالعلوم میں تشریف لا چکے تھے، اس لیے تعلیمی اموراور مدرسہ کے نظم ونسق کے سلسلے میں بھی ان سے مشورے ہوتے رہتے۔

مولانا مدارس عربیہ کے ناقص طرز تعلیم اور طلبا کی ذہن سازی وکردار سازی میں پھیلی کوتاہیوں کا بار بار تذکرہ فرماتے، جس سے ان کے دل میں امت کے نونہالوں اور قوم کے جگر گوشوں کی ہمدردی اور ان میں صلاحیت پیدا کرنے کی دلی تڑپ محسوس ہوتی تھی۔ بہت درد سے فرماتے تھے کہ بھائی امت کا بہترین سرمایہ ہماری کوتاہیوں اور ناکردگی کے سبب ناکارہ بنتا جارہا ہے ہمیں کچھ کرنا چاہیے، خصوصاً دارالعلوم دیو بند کے طلبا میں وہ انقلابی تبدیلیوں کے خواہاں تھے کہ ''دارالعلوم دیو بند'' میں جو تبدیلی ہوگی اس کا اثر برصغیر اور دیگر ممالک پر بھی پڑے گا۔

مولانا وحیدالزماں رحمۃ اللہ علیہ نے پوری جاں فشانی اور ان تھک محنت کر کے ''دارالعلوم دیو بند'' کے طلبا میں ایک نیا ولولہ اور نیا جوش پیدا فرمایا اور طلبا کی ایک اچھی خاصی تعداد عربی زبان اور مولانا کے طرزِ فکر کو لے کر ہندوستان اور بیرون ہند پھیل گئی۔ ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے شعبۂ عربی اور النادی العربی کے لیے ہم نے مولانا سے استاذ طلب کیا تو مولانا نور محمد دیوریاوی صاحب(۱) کو بھیج دیا، جنھوں نے

(۱) **حضرت مولانا نور محمد صاحب مدظلہٗ:** دیوریا، ضلع گورکھ پور کے باشندے ہیں، دارالعلوم دیو بند کے فاضل اور =

مولانا کی ہدایات اور طرز پر طلبا میں اچھا خاصا عربی زبان کا ذوق اور انتظامی صلاحیتیں پیدا کیں، النادی العربی کے باقاعدہ ہفتہ واری، ماہانہ اور سالانہ جلسے ہوتے رہے۔

ہم نے مولانا وحید الزماں رحمہ اللہ کو النادی العربی کے سالانہ جلسہ کے لیے مدعو کیا؛ تاکہ ان کے مشوروں اور رہ نمائیوں سے استفادہ کر کے مزید بہتری پیدا کر سکیں، انتہائی مصروفیات کے باوجود حق رفاقت ادا کرنے اور عربی زبان کی ترویج وترقی میں تعاون کرنے کی خاطر دعوت منظور فرمالی، اور طلبا اور اساتذہ سے مفید تبادلۂ خیال فرماتے رہے۔

مولانا کو اپنی محنت کا کچھ ثمرہ اور اپنے طرز فکر کا تھوڑا عکس دارالعلوم فلاحِ دارین میں نظر آیا تو انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، معائنہ بک میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں تحریر فرمائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”حامدًا و مصليًا! ہندوستان میں دینی عربی مدارس کی کمی نہیں ہے، ہر

= حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ کے خاص شاگرد ہیں۔ نبضات قلبي، حركة مدعي السلفية في شبه القارة الهندية، آراء الأستاذ المودودي و أفكاره تحت المجهر وغیرہ کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ دارالعلوم فلاحِ دارین ۷۲-۱۹۷۱ء میں تشریف لائے۔تقریباً تین سال عربی ادب کی بے مثال خدمات انجام دیں۔ ادیبِ وقت مجددِ عربیت درصوبۂ گجرات حضرت مولانا اقبال صاحب دیولوی فلاحی ندوی مدنی مدظلہٗ، حضرت مولانا ایوب صاحب صوفی کوساڑی فلاحی ندوی مدنی مدظلہٗ سابق استاذِ حدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ٹنکاروی مدظلہٗ شیخ الحدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر وغیرہ آپ کے قابلِ ذکر تلامذہ ہیں۔فلاحِ دارین سے مستعفی ہونے کے بعد ایک طویل عرصہ تک مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہو کر تجارت وتصنیف وتالیف میں مشغول رہے۔ پچھلے چند ماہ سے اپنے وطن مراجعت فرما چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ عمر میں بعافیت برکت عطا فرمائے۔آمین!

صوبہ اور ہر علاقہ میں روز بروز ان اداروں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، اس روز افزوں تعداد کے باوجود اصحابِ ذوق اور علم دوست حضرات کو ایسے مدارس کی تلاش وجستجو رہتی ہے جو محض کثرت تعداد کا باعث نہ ہوں ؛بل کہ وہ اپنے معیار تعلیم اور طرزِ تربیت میں امتیازی مقام رکھتے ہوں۔ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، گجرات، ان چیدہ معاہد اسلام میں سے ہے جنہوں نے بہت ہی مختصر عرصہ میں اپنے معیار تعلیم اور نظام تربیت میں خصوصی مقام حاصل کیا، احقر کو پہلی بار (۲۰ر جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ) کو حاضری کا موقعہ ملا۔

یہاں کے اساتذہ اور طلبا سے مختلف مجلسوں میں مختصر اور طویل ملاقاتیں ہوئیں، درس گاہوں میں جانے اور طلبا سے مختلف موضوعات پر سوالات کا بھی اتفاق ہوا، بفضلہٖ تعالیٰ میں نے یہاں وہ سب کچھ پایا جو میرے دل کی آواز تھی۔ درس گاہوں کا نظام، اساتذہ کی تعلیمی دل چسپی اور طلبا کے ساتھ غیر معمولی محنت، چھوٹے بچوں کی تعلیم کا معقول انتظام اور ان کی خصوصی تربیت، صفائی، ستھرائی، پابندیٔ اوقات، مدرسین اور اساتذہ کا آپس میں ربط اور تعلق یہ وہ سب خصوصیات ہیں جو عام طور پر کم دیکھنے میں آتی ہیں۔

''دارالعلوم فلاح دارین'' نے جس طرح علوم وفنون کی طرف اپنی خاص توجہ مبذول کی ہے اور ان کے لیے لائق اساتذہ کا انتخاب کیا ہے ایسے ہی عربی زبان وادب بھی اس کا خاص مرکز توجہ ہے، یہاں کے طلبہ نے اپنی عربی انجمن (النادی العربی) کے زیر اہتمام منعقدہ اجلاس میں جو عربی پروگرام پیش کیا وہ واقعی میری

توقعات سے بڑھ کر اور ہر طرح قابلِ ستائش تھا، زبان کی صحت، طرزِ تکلم کی عمدگی اور برجستگی ہر طالب علم کے کلام میں نمایاں تھی، طلبہ کا یہ کامیاب پروگرام بلاشبہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے اساتذہ اور سرپرست حضرات نے ان کے ساتھ غیر معمولی محنت کی ہے۔

کسی بھی ادارہ کے طلبہ کی صلاحیت اور علمی برتری اس کے ذمے داروں کی محنت اور ان کے خلوص کی دلیل ہوتی ہے، میری قطعی رائے ہے کہ جس طرح اس دارالعلوم نے اپنی بہت ہی مختصر عمر میں تعمیری، تعلیمی اور تربیتی میدان میں غیر معمولی ترقی کی ہے، وہ اگر اسی جذبۂ اخلاص اور محنت وجاں فشانی کے ساتھ اپنی راہ پر گامزن رہا تو اِن شاء اللہ اس علاقہ کا ہی نہیں بل کہ ہندوستان کا ایک مثالی دارالعلوم ہوگا اور نئی پود اس سرچشمۂ علم وفن سے فیض یاب ہوتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ اس کے مؤسس کو اور منتظمین ومدرسین حضرات کو زیادہ سے زیادہ اخلاص عطا فرمائے اور اس ادارے کی ترقی کے لیے ہر قسم کی سہولت مہیا فرمائے۔ آمین!

احقر وحید الزماں کیرانوی

۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ - ۱۲ / جولائی ۱۹۷۴ء‘‘

مولانا کے اخلاص اور دارالعلوم دیوبند کے لیے بے پناہ جدوجہد کے سبب دارالعلوم کا ہر بہی خواہ ان سے بے حد محبت کرنے لگا اور مولانا کو ترقی ملتی رہی تا آں کہ نئے نظام کے قیام کے بعد مولانا کو تعلیمی وتعمیری کاموں کے ساتھ اب نیابت اہتمام کی بھی ذمے داری سپرد ہوئی، مولانا سے تعلیمی اور ان کی بھرپور صلاحیتوں کے

سبب دارالعلوم کو فائدہ ہونے سے بندہ کو طبعی مسرت ہوئی اور مبارک بادی کا عریضہ روانہ کیا، مولاناؒ نے اس کا یہ جواب لکھا:

"برادر مکرم مولانا عبداللہ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی مودت نامہ ملا، آپ کی محبت اور مکرمت کا پہلے سے قائل ہوں، میں موجودہ ذمے داریوں کا اہل تو نہیں ہوں اور صحت بھی خراب رہتی ہے؛ مگر احباب اور اکابر کے اصرار پر خدا کے بھروسہ کام کا آغاز کر دیا ہے، ہر دم آپ جیسے مخلصین کی صرف دعا کا ہی نہیں عملی تعاون کا بھی محتاج ہوں، امید ہے کہ مجھے اس میدان میں تنہا نہ چھوڑا جائے گا۔

آپ کی تالیف لطیف کے ایک حصہ کا مطالعہ کیا تھا پھر باقی کو پڑھنے کا موقع نہ ملا، جب مؤلف ہی ثقہ اور قابلِ تعریف واطمینان ہے تو بلا شبہ تالیف بھی ایسی ہی ہوگی، آپ نے اپنے وطن اور علم کا ایک حق واجب کر دیا، اللہ تعالیٰ آپ کی اس حسن خدمت کو قبولیت عطا فرمائے اور توفیق مزید سے نوازے۔

جملہ پرسانِ حال، مدرسین حضرات سے سلام مسنون، طلبہ سے بھی۔

والسلام...... مخلص وحید الزماں"

اس کے بعد پھر دیوبند کا سفر ہوا، یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ دیوبند کا سفر ہو اور مولانا سے ملاقات نہ کریں، حسب معمول دولت کدہ پر حاضر ہوا تو باوجود ہجوم کار ڈیڑھ گھنٹہ مجلس رہی، دارالعلوم کے احوال اور درپیش مسائل پر گفتگو فرماتے رہے،

افسوس ہے کہ مولانا کو حسب منشا رفقائے کار نہ مل سکے اور مولانا حالات میں تبدیلی کے جوارادے رکھتے تھے اس میں موانع پیش آتے رہے، جس کا ان کی حساس طبیعت پر بہت اثر پڑا۔ بہر حال مولانا نے اپنے اس حقیر رفیق کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا، مجلس کے اختتام پر دریافت فرمایا کہ آیندہ کل کیا پروگرام ہے؟ عرض کیا کہ علی گڈھ جانے کا قصد ہے، مسکرا کر فرمایا واہ واہ! ہم بھی کل علی گڈھ ہی جانے والے ہیں، اور آپ بھی ہمارے ساتھ کار میں چلیں گے، مجھے بھی مولانا کی معیت میں یہ سفر نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوا۔

غالباً مولانا علی گڈھ مسلم یونی ورسٹی کورٹ کے ممبر تھے اور اسی کی کسی میٹنگ میں شرکت کرنے یا عربی شعبہ کے لیے اساتذہ کے انٹرویو کے سلسلے میں سفر فرما رہے تھے، راستہ میں خوب خوب دل چسپ باتیں کرتے رہے۔ فضلائے دارالعلوم اور مسلم یونی ورسٹی کے فارغین طلبہ کا ذکر آیا تو فرمانے لگے علی گڈھ کے طلبہ میں فراغت کے بعد بھی آپس میں ایک خاص تعلق اور جوڑ رہتا ہے اور ہر علاقہ میں علیگ برادری کی انجمنیں ہیں اور اس طرح کا تعلق قاسمی فضلا میں نہیں ہے، فضلائے دارالعلوم دیوبند میں اگر صحیح طریقہ سے ربط ہو تو عظیم کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔

اسی سفر میں بندہ نے عرض کیا کہ دارالعلوم کے بعض نامور فضلا عرب اور دیگر ممالک میں بہترین علمی کام کر رہے ہیں؛ مگر خود دارالعلوم دیوبند کے ترجمان رسائل اور ذمے داروں کی طرف سے ان کی اتنی ہمت افزائی نہیں ہوتی جس کے وہ مستحق ہیں، ندوۃ العلما کے فضلا کی خدمات کو ارباب ندوہ اور اس کے عربی اردو

ترجمان جس طرح پیش کرتے ہیں اس کا پچاس فی صد بھی دارالعلوم کی طرف سے نہیں ہوتا، حالاں کہ ان کی صلاحیتوں سے خود دارالعلوم بھرپور فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

بندہ نے بطور مثال ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی، مولانا اسماعیل افریقی وغیرہ فضلا کے نام لیے، اول الذکر کی کتابوں کا عرب فضلا اعتراف کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں؛ مگر میرے علم کی حد تک دارالعلوم نے کبھی ان کو مدعو کرکے پذیرائی نہیں کی۔ حضرت مولانا نے فرمایا کہ واقعی ان فضلا کے بارے میں مستقل پروگرام بنانے کی ضرورت ہے، مجھے بھی اس کا خیال آتا ہے؛ مگر تنہا ایک شخص کس کس پہلو کی طرف توجہ کرسکتا ہے، واقعی مولانا کی بات صحیح تھی کہ ان کی ذات کی مثال ایک انار اور صد بیمار کی مصداق ہو کر رہ گئی تھی۔

علی گڈھ پہنچ کر مولانا کو تو یونی ورسٹی کی کارروائی میں شرکت کرنی تھی، ناچیز کو مہمان خانہ ساتھ لے گئے اور وہاں کے ذمے داروں سے وقیع الفاظ میں تعارف کرایا جس کا میں قطعاً مستحق نہیں تھا؛ مگر مولانا کی شرافت نفس اور ان کی بلندئ کردار تھی کہ اپنے قدیم رفیق کی عزت افزائی فرما کر اس کی جملہ سہولتوں کا خیال فرمایا۔ اس دور میں بہت سے لوگ جب کسی بلند مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو اپنے ساتھیوں اور رفقا کو فراموش کردیتے ہیں؛ مگر مولانا کو ہمیشہ دیکھا گیا کہ جو تعلق طالب علمی کے دور میں قائم ہوا مولانا اسے زندگی کے آخری دور تک اسی طرح بل کہ شاید پہلے سے بھی بہتر طریقہ سے نبھاتے رہے، یہ بات ان کی عظمت اور بڑائی کی دلیل ہے جو بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آئی ہے۔

وقت گزرتا گیا ادھر مولانا کی علالت کی مسلسل خبریں آتی رہیں، اسی دوران پھر دیوبند کا سفر ہوا اور اگلی صبح مولانا کی عیادت کے لیے ان کے دولت کدہ پر حاضری کا قصد کیا؛ مگر بعض طلبا نے بتلایا کہ مولانا آج کل کسی سے ملاقات نہیں کرتے اس لیے وہاں جانا بے کار ہے۔ بندہ تھوڑی دیر سوچتا رہا اور پھر مکتبہ حسینیہ پہنچا، جو مولانا کا ہی مکتبہ تھا اور وہاں موجود ایک صاحب سے عرض کیا کہ آپ صرف مولانا سے یہ عرض کریں کہ عبداللہ سورتی حاضر ہوا ہے اور صرف سلام عرض کرتا ہے اور خیریت معلوم کرتا ہے۔ وہ صاحب مکان میں تشریف لے گئے اور بندہ کتب خانہ میں کچھ کتابیں دیکھنے لگا، اتنے میں پیغام لے کر آئے کہ مولانا آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ بندہ گھر میں داخل ہوا، علیک سلیک کے بعد عرض کیا کہ سنا ہے کہ آپ نے ملاقاتیں موقوف کر دی ہیں؟

مولانا نے مسکرا کر فرمایا کثرتِ واردین کے سبب آج کل وحشت سی ہوتی ہے؛ مگر اپنے دوستوں کے لیے دروازہ کبھی بند نہیں کرتا اور پھر آپ ایسے لوگوں سے تو باتیں کرنے سے طبیعت ہلکی ہوتی ہے، اس کے بعد فرمانے لگے کہ بالکل بے تکلف پیر پھیلا کر بیٹھ جایئے، تکیہ لگا لیجیے، اور حسب عادت چائے تیار کرالی اور حالاتِ حاضرہ پر تفصیل سے گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا کی صحت کافی خراب ہو چکی تھی اس پر حالات نے ان کو مزید نڈھال بنا دیا تھا، بندہ نے عرض کیا کہ مجھے تو ان لوگوں پر تعجب ہے جنھوں نے آپ کے چشمۂ صافی سے تشنگی بجھائی اور آپ نے ہی ان کو قلم پکڑنا سکھایا اور وہ اب اپنا رویہ بدل رہے ہیں؟ مولانا نے مسکرا کر فرمایا کہ یہ تو دنیا میں ہوتا ہی رہتا ہے، عربی کا مشہور شعر

ذہن میں تازہ کر لیجیے ۔

أعلمه الرماية كل يوم فلما اشتد ساعده رماني (١)

(میں اسے روزانہ تیراندازی سکھا تا ہوں

جب اس کا ہاتھ بیٹھ گیا تو مجھے ہی تیر کا نشانہ بنا دیا)

(اس شعر کو اسی طرح ہم نے اساتذہ سے سنا تھا اور یاد کیا تھا؛ مگر صاحب تثقیف اللسان نے لکھا ہے کہ دوسرے مصرعہ میں اشتدّ غلط ہے (٢) استدّ ہے۔)

بہر حال ۴۰ ر سال سے زائد مدت کے تعلقات اور سفر و حضر میں بعض اوقات رفاقت اور ان کے ساتھ علمی، تربیتی، انتظامی موضوعات پر تفصیلی گفتگو کے سبب یہ بات بندہ کے مشاہدہ میں آئی جس میں ذرہ برابر مبالغہ یا بے جا مدح سرائی

---

(١) یہ عربی کے مشہور شاعر معن بن اوس مزنی کے قصیدہ کے چند اشعار ہیں جو اس نے اپنے بھانجے حبیب کے بارے میں کہے ہیں۔ دیگر اشعار یہ ہیں:

أعلمه الفتوة كل وقت فلما طر شاربه جفاني

و كم علمته نظم القوافي فلما قال قافية هجاني

(مجمع الأمثال: ٢/ ٢٠٠)

(٢) **ابوبکر محمد بن ہاشم الخالدی:** متوفی تقریباً ۳۸۰ھ "الأشباه و النظائر في أشعار المتقدمين" میں صفحہ ۲۹ پر تحریر فرماتے ہیں: يروى بالسين غير معجمة من السداد في الرمي، و بالشين معجمة أكثر۔ اسی طرح توحیدی نے علی بن عیسیٰ رمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شینِ معجمہ کو ثابت کیا ہے اور سینِ مہملہ کو رد کیا ہے۔ دیکھئے الصداقة والصديق: ص ٦٧۔ لیکن ابوحیان توحیدی نے البصائر والدخائر: ص ۹۴، علامہ صفدی نے تصحيح التصحيف و تحرير التحريف: ص ٢٤، اور ابن ابی الحدید المدائنی معتزلی نے شرح نهج البلاغة: ص ٤٣١٥ میں سینِ مہملہ ہی کو مختار قرار دیا ہے؛ اسی طرح ابن ہشام لخمی اندلسی متوفی ۵۷۷ھ "المدخل إلى تقويم اللسان و تعليم البيان" میں صفحہ ۲۵۳ پر تحریر فرماتے ہیں: والرمي يوصف بالشدة، و إنما يوصف بالسداد و الإصابة۔ **معلوم ہوا** "استد" بالسين المهملہ ہی زیادہ صحیح ہے۔

نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سی ایسی خوبیوں اور بلند صفات سے نوازا تھا جو اس دور کے بہت سے اہلِ علم میں نہیں پائی جاتیں۔

ذالك فضل اللّٰه يؤتيه من يشآء!

ان کی مردم ساز شخصیت، مثالی کردار واخلاق، تعلیم وتربیت کے انوکھے اور مؤثر طریقے وغیرہ صفات میں وہ بلاشبہ اپنے اقران، احباب میں بہت ممتاز تھے، ان کی باوقار؛ مگر دل کش شخصیت نے ہزاروں انسانوں کو اپنا گرویدہ بنادیا تھا، اگر مدارس عربیہ میں مولاناؒ ایسی شخصیتیں پیدا ہو جائیں تو ہر طرح سے اور ہر لائن میں انقلاب آسکتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
(اقبال)

اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے اعمالِ حسنہ اور خدمات جلیلہ کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں بلند درجات نصیب فرمائے اور ہم لوگوں کو مولانا کے نقش قدم پر چلا کر امت کی فلاح کے لیے اپنی زندگی صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اللّٰهم أمطر عليه شآبيب رحمتك ورضوانك،
و أدخله جناتك برحمتك وفضلك. آمين!

ایک ولیٔ کامل کی وفات(۱)

فَصَارَ عَلِيٌّ إِلٰى رَبِّه
وكَانَ عَلِيٌّ فَتٰى دَهْرِهٖ

رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں امتِ اسلامیہ جن مشاہیر علما کی وفات کے صدمہ سے دوچار ہوئی، ان میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا سیّد عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ، حضرت مولانا بدر عالم مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا علی بھائی کاویؒ کی وفات کا بہت عظیم نقصان ہے۔

فإنا لله وإنا إليه راجعون!

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ اور حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ کی شہرت پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہے، ان کی عظیم علمی خدمات سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ناواقف ہوگا اور یقیناً ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جائے گا۔

یہ عاجز چند سطریں ایک گوشہ نشیں، عالم باعمل اور دین کے مخلص خدمت گزار ولیٔ کامل کے بارے میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ عرب کے مشہور شاعر ابوالعتاہیہ نے اپنے چند فوت شدہ احباب کی یاد میں چند دردناک اشعار کہے ہیں،

---

(۱) فروری ۲۰۰۳ء کو ماہنامہ ''صوت القرآن''، احمد آباد میں شائع ہوا۔

جن کی ابتدا اس طرح کی ہے ۔

أخ طــالــمــا سـرنـي ذكـره   فـقـد صرت أشجى لدى ذكره

جس بھائی کے تذکرہ سے بسا اوقات ہم کو مسرت ہوتی تھی، آج اس کی جدائی کے ذکر سے دل کو ٹھیس محسوس ہوتی ہے، میں ان کے دولت کدہ پر حاضری دیا کرتا تھا؛ مگر اب ان کی قبر کی زیارت کرنے جایا کرتا ہوں۔

اسی قصدہ میں یہ شعر ہے ۔

فَـصَـارَ عَـلِـيٌّ إِلٰـى رَبِّـهٖ   وَ كَـانَ عَـلِـيٌّ فَتٰى دَهْـرِهٖ (۱)

علی اپنے رب کے حضور چلے گئے۔ اور علی اپنے زمانے کے باہمت نوجوان تھے۔

حضرت مولانا علی بھائیؒ کے ساتھ اس ناچیز کو قلبی محبت تھی اور ان کی بزرگی اور تقویٰ والی زندگی کی ہمیشہ عظمت محسوس کرتا رہا۔ مولانا مرحوم کی ابتدائی زندگی اور تعلیم کے بارے میں بندہ کی زیادہ واقفیت نہیں؛ البتہ مولانا مرحوم کے صدیق حمیم مولانا حکیم سلیمان راوت جیتالویؒ (۲) مولانا مرحوم کے ڈابھیل کی طالبِ علمی کے

(۱) امالی القالی: ۱۳۱

(۲) **حضرت مولانا حکیم سلیمان بن مولانا محمد صاحب راوتؒ:** جیتالی ضلع بھروچ کے باشندے تھے، ۱۹۲۰ء میں ولادت ہوئی، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے فضلا میں سے تھے۔ بابا عبدالرحمٰن امروہیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ، مولانا محمد ناظم صاحب ندویؒ اور مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ وغیرہ اکابر آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھیؒ کے ساتھ خاص تعلق تھا۔ ڈابھیل سے فراغت حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ میں چار سال قیام فرما کر طبیہ کالج سے طب کی تعلیم حاصل فرمائی اور وہیں گورنمنٹ سروس میں لگ گئے تھے، اسی دوران وطن آکر شادی فرمائی اور اہلِ خانہ کو لے کر لکھنؤ میں قیام پذیر ہو گئے تھے، بعد میں اقربا کی فہمائش پر وطن واپسی ہوئی، یہاں کاشت کاری اور مطب کے علاوہ مکتب بھی پڑھاتے رہے۔ جیتالی کے اطراف کے متعدد دیہاتوں میں لوگ ہندوانہ تہذیب وتمدن میں مبتلا ہو گئے تھے=

زمانے کے بارے میں فرماتے تھے کہ مولانا ابتدائی زمانۂ طالب علی سے محنتی اور اساتذہ کے خدمت گزار رہے ہیں۔

حسنِ اتفاق سے ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین'' ڈابھیل میں اپنے دور کے اساطینِ علم وفضل، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، بابا عبدالرحمٰن امروہیؒ، مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، مولانا سراج احمد رشیدیؒ ودیگر علم وفضل کے آفتاب ومہتاب جمع ہوگئے تھے، یہی دورِ زرّیں مولانا علی صاحبؒ کی طالب علمی کا دور تھا۔

مولانا محمد ناظم ندویؒ جیسے عربی کے مشہور ادیب سے عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرکے ہر سال ممتاز نمبروں سے کامیاب ہوتے ہوئے مذکورہ بالا مشائخ سے علمی پیاس بجھاتے رہے۔

مولانا علی صاحبؒ کے رفقا میں مولانا عبدالغنی کاوی صاحبؒ(۱)، مولانا

= اور مسلمان کلمہ ونماز سے بھی نا آشنا ہوگئے تھے، چناں چہ آپ نے بڑی محنت اور جاں فشانی فرماکر راج پپلا، جیت پور وغیرہ کوردِہ علاقوں میں مکاتب قائم فرمائے اور اُن کی عمارتیں بناکر باقاعدہ مکاتب کا جال بچھایا۔ آپ دارالعلوم کنتھاریہ اور دارالعلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور کے رکن شوریٰ بھی تھے۔ ۱۶؍فروری ۱۹۸۳ء کو ۶۳؍سال کی عمر میں ایک ٹرین حادثے میں جامِ شہادت نوش فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی تمام خدمات کو شرفِ قبول بخشے۔ آمین!

(۱) **حضرت مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ:** فاضل جامعہ ڈابھیل وسابق استاذِ حدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر، آپ فروری ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، جامعہ ڈابھیل سے سندِ فراغت حاصل کی، اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، بابا عبدالرحمٰن امروہیؒ، مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ جیسے آپ آفتاب ومہتاب ہیں۔ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں ۴۵؍سال خدمت انجام دی، اِس دوران مسلم شریف، ابوداؤد شریف، مشکاۃ شریف وغیرہ کتبِ احادیث کے اسباق کے ساتھ افتا کی خدمت بھی انجام دی۔ ۳۰؍اکتوبر ۱۹۸۷ء شب جمعہ کو وفات پائی، آپ کے فتاوی ''فتاوی عبدالغنی'' کے نام سے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے شعبۂ نشرواشاعت سے ایک جلد میں چھپے ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ(۱)، مولانا حکیم سلیمان جیتالویؒ، مولانا ابوالشفاءؒ وغیرہم ممتاز طلبہ تھے، ان میں سے اکثر فراغت کے بعد مختلف درس گاہوں میں سالہا سال علمی خدمات میں لگے رہے۔

حکیم صاحب مرحوم فرماتے تھے کہ طالبِ علمی کے زمانہ میں ہی مولانا علی کاوی صاحبؒ میں عربی زبان کا بہت اچھا ذوق پیدا ہوگیا تھا اور بعض مرتبہ امتحان کے پرچہ بھی عربی میں لکھتے تھے، اس کے ساتھ درس کی پابندی اور پنج وقتہ نمازوں میں حاضری بھی مسلسل رہتی تھی اور اساتذہ مولانا کی اس علمی اور عملی حالت سے خوش رہتے تھے۔ مولانا مرحوم کی عمدہ علمی استعداد کے باوجود وہ کئی سال اپنے گاؤں میں بہت معمولی تنخواہ پر گزارا کرتے ہوئے ابتدائی تعلیمی خدمات دیتے رہے؛ حالاں کہ ان جیسے ہونہار اور شریف الطبع عالم کے لیے بڑے عربی مدارس میں سہولت سے جگہ نکل سکتی تھی، یہ ان کے اخلاص اور تواضع کی برکت تھی کہ وہ گاؤں میں دل جمعی سے تعلیمی کام کرتے رہے۔

پھر جب ''دارالعلوم عربیہ اسلامیہ'' محمود نگر کنتھاریہ کا قیام ہوا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں باصرار بلایا گیا اور الحمد للہ! وہاں مولانا کے علمی جوہر خوب ظاہر ہوئے، اس درس گاہ میں مولانا نے درسِ نظامی کی کئی کتابیں پورے انہماک سے پڑھائیں،

---

(۱) حضرت مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحبؒ: مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے صاحب زادے ہیں، جامعہ ڈابھیل، فلاحِ دارین ترکیسر اور ری یونین وغیرہ علاقوں میں خدمت انجام دی۔ حضرت صاحبِ افادات کے خاص استاذ و مربی تھے، آپ ہی نے حضرت مفکر ملتؒ کی تعمیر شخصیت میں بنیادی کردار ادا کیا، آپ کے احوال کے لیے ملاحظہ فرمائیں ''نقوشِ بسم اللہ جلد دوم، رشد وہدایت کے منار: ص ۲۷''۔

درس وتدریس کے ساتھ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے طلبا کی دینی تربیت اور دعوتی ذوق پیدا کرنے پر بھی بہت جاں فشانی فرمائی۔ مولاناؒ نے درس وتدریس کے علاوہ دارالعلوم کے انتظامی کاموں میں بھی بھرپور حصہ لیا، اربابِ دارالعلوم مولانا کے گراں قدر مشوروں سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہے۔

علم وعمل کی اس بلندی پر پہنچنے کے باوجود مولانا نے جو متواضع زندگی اختیار کر رکھی تھی، اس کی مثال موجودہ دور میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ ہم نے بارہا دیکھا کہ جلسوں میں اور علما کی مختلف مجالس میں مولانا ہمیشہ ایک طرف بیٹھ جاتے اور اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے، بود وباش میں بھی انتہائی درجہ کی سادگی اور تصنع سے پاک زندگی کیے رہے۔

مولانا مرحوم طالبِ علمی کے دور ہی سے تہجد کے پابند تھے، عمر کے ساتھ ساتھ یہ ذوقِ عبادت ترقی کرتا ہی رہا۔ ہم نے رمضان المبارک کی راتوں میں دیکھا کہ عشا کے بعد سے بل کہ مغرب کے بعد سے سحری تک مختلف طلبہ کمرے میں آتے اور ایک ایک پارہ نوافل میں سنا کر چلے جاتے تھے اور تقریباً رات بھر میں پندرہ پارے سن لیتے تھے اور مولانا سحری تک اس طرح نوافل میں مشغول رہتے۔ دعاؤں میں مولانا پر عجیب کیفیت طاری ہوتی، بعض مرتبہ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے۔

مولانا بہترین مقرر بھی تھے، سالہا سال تبلیغی دعوتی کاموں میں وقت لگا چکے تھے اور دینی باتوں کو دل نشیں، عام فہم انداز میں پیش کرنے کے عادی تھے اور چوں کہ مولانا اخلاص سے بھرپور تھے، ان کی باتوں میں بھی کافی اثر رہتا تھا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اَثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
(اقبال)

دوسرا ایک خاص وصف مولانا میں یہ تھا کہ اپنے چھوٹوں کو آگے بڑھانے میں اوران کی ہمت افزائی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، کوئی شخص ان سے عمر میں کتنا ہی چھوٹا ہو اور شاگرد بھی ہو، اس کو آگے کرنے کی سعی فرماتے، اس دور میں یہ خوبی کم دیکھنے میں آتی ہے۔ کتابوں کی تقسیم ہو یا اور کوئی مسئلہ، کبھی کسی سے الجھاؤ نہیں ہونے دیتے۔

مولانا کو قرآن مجید کے مطالعہ اور اس کے معانی ومطالب پر غور کرنے کا بھی ایک خاص ذوق تھا۔ کبھی مجلس میں کسی آیت پر گفتگو فرماتے تو محسوس ہوتا کہ مولانا قرآن مجید کا گہرا مطالعہ فرماتے ہیں، مولانا بہت صائب الرائے شخص تھے، گجرات کے کئی بڑے ادارے حضرت کی رائے اور مشوروں سے مستفید ہوتے رہے، آج یہ سارے ادارے زبانِ حال سے کہتے ہیں ؎

و ما كان قيس هلكه هلك واحد
و لكنه بنيان قوم قد تهدما

قیس کی وفات صرف ایک شخص کی وفات نہیں ہے (بل کہ اس کی وفات سے) ایک قوم کی بنیاد دہل گئی ہے۔ مولانا مرحوم طبقۂ علما کی مالی خدمت سے بھی مسرت محسوس فرماتے تھے، کئی مرتبہ اپنے ملنے والے اہلِ علم کو خاموشی سے گراں قدر عطیات سے نوازتے تھے، جس کا کبھی تذکرہ فرماتے اور نہ تو احسان جتاتے، معلوم

نہیں اب کتنے ضرورت مند مولانا کی اس پوشیدہ داد و دہش سے محروم ہو جائیں گے۔ مولانا علی بھائیؒ نے اس طویل زندگی میں حتی الامکان دین کی خدمت کرنے کی سعی فرمائی اور ہم سب کے لیے ایک مثالی عملی زندگی چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی عظیم خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

دنیا میں ہر آنے والے کو اس راہ سے گزرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی ہی ذات باقی ہے، باقی سب کے لیے فنا ہے۔

ألا إننا كلنا بائد   وأي بني آدم خالدُ

وبدء هم كان من ربهم   وكل إلى ربه عائدُ(۱)

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ رب کریم مولانا مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور جملہ پس ماندگان، تلامذہ، احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے؛ نیز مولانا جیسی پاکیزہ دینی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

---

(۱) الأغاني: ۳۹/٤، قاله أبوالعتاهية

برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ

(متوفی ۱۴۱۵ھ)

کچھ یادیں، کچھ باتیں

غالباً ۱۹۴۵ء کا زمانہ تھا، ناچیز 'جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل' کے ابتدائی درجات میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ایک روز چند احباب کے ساتھ 'راندیر' کا سفر کرنے اور وہاں 'دار العلوم اشرفیہ' اور 'جامعہ حسینیہ' میں زیرِ تعلیم اپنے دوستوں سے ملاقات کرنے کا مشورہ ہوا، جمعرات کی شام مدرسے سے رخصت حاصل کر کے 'راندیر' پہنچے۔

اس دور میں سرزمین راندیر علما، صلحا، مشائخ اور اصحابِ افتا سے جگمگا رہی تھی، جس طرف بھی رخ کریں کوئی نہ کوئی بزرگ اور معروف شخصیت کو موجود پاتے تھے۔ حافظ صالح صاحبؒ، مولانا عبدالرحیم صادق صاحبؒ (۱)، مولانا محمد سعید ....

(۱) **حضرت مولانا عبدالرحیم صادق صاحبؒ:** حضرت مولانا غلام محمد صاحب راندیریؒ کے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹۰۱ء میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل فرمانے کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی میں تین سال تعلیم حاصل فرمائی، اس کے بعد راندیر لوٹ گئے، پھر کچھ مدت کے بعد دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں تین سال قیام فرما کر فقہ وتفسیر کے اسباق پڑھے، بعدہٗ دوبارہ مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لے کر سندِ فضیلت حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا امین الدین صاحبؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ فراغت کے بعد ایک سال جامعہ حسینیہ راندیر میں تدریس فرمائی، بعدہٗ اپنے والد ماجد کے طرز پر اکابرین کی کتابوں کو گجراتی زبان میں منتقل کرنے کا کام شروع فرمایا۔ اس کے علاوہ ماہنامہ ''صادق'' کا بھی اجرا فرمایا جو مسلسل =

......صاحبؒ(۱)، مولانا احمد اشرف صاحبؒ(۲)، حافظ احمد موٹا صاحبؒ(۳)، شیخ الحدیث

= بارہ سال تک جاری رہا، اس کے آپ مدیر بھی تھے؛ نیز سید عظیم الدین منادی صاحب کے ساتھ مل کر مسلم گجرات پریس قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ مجلس خدام الدین سملک اور انجمن اصلاح المسلمین کی بھی سرپرستی فرمائی اور اِن دونوں تنظیموں کے ماتحت پس ماندہ علاقوں میں خوب دینی خدمات انجام دیں۔ انجمن اصلاح المسلمین کے پلیٹ فارم سے کھیڑا ضلع میں مرتدین میں بڑے پیمانے پر اصلاحی کام انجام دیا۔ مساجد، مدارس اور مکاتب کے قیام کی خاص فکر فرمائی۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن رکین تھے، نیز جمعیۃ علمائے گجرات کے برسوں تک صدر رہے۔ متعدد کتابوں کو گجراتی میں منتقل فرما کر شائع کیا، بالخصوص گجراتی زبان میں ترجمۂ قرآن کریم کی اشاعت آپ کا خاص کارنامہ ہے۔ ۲۲/اگست ۱۹۶۸ء کو آپ نے انتقال فرمایا اور راندیر کے گورِغریباں میں آسودۂ خواب ہیں۔

رحمه الله رحمةً واسعةً و أعلى الله مراتبه!

(۱) مولانا محمد سعید صاحب راندیریؒ کا تذکرہ صفحہ ۳۵۷ پر آ رہا ہے۔

(۲) حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیریؒ: فاضل دارالعلوم اشرفیہ راندیر و دارالعلوم دیوبند، تلمیذ علامہ کشمیریؒ، سابق مہتمم دارالعلوم اشرفیہ راندیر، ۵/ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۵/مارچ ۱۹۰۳ء بروز پیر آنکھیں کھولیں۔ آپ راندیر کے مشہور دینی و علمی ''اشرف'' خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں علوم کی تکمیل کی۔ ''دارالعلوم'' میں دو سال قیام فرما کر دورہ و فنون پڑھا۔ آپ کے اساتذہ میں قاضی رحمت اللہ صاحب راندیری، مولانا مطیع اللہ قریشی، مولانا عبداللہ بخاری، علامہ کشمیری، مولانا سید اصغر حسین صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علما ہیں۔ مولانا سید محمد میاں صاحبؒ، مولانا طاہر صاحب قاسمیؒ وغیرہ آپ کے رفقائے درس میں سے ہیں۔ مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ اور شیخ احمد شنوسیؒ سے خصوصی اسناد حاصل فرمائے۔ تقریباً ۶۰/سال تک دارالعلوم اشرفیہ کی زمامِ اہتمام سنبھالی، اس دوران مشکاۃ، ہدایہ اور موطا امام محمد وغیرہ کتب کا درس بھی دیتے رہے۔ آپ کے مواعظ کی برکت سے سیکڑوں دیہات سے رسوم و رواج اور بدعات کا خاتمہ ہوا۔ ملک ''برما'' میں بھی آپ کی ذاتِ اقدس سے بڑا فیض پہنچا۔ افسوس! علم و عمل کا یہ مجسم نمونہ ۶/مارچ ۱۹۸۹ء مطابق ۲۷/رجب ۱۴۰۹ھ بروز دوشنبہ راہیٔ ملکِ بقا ہوا۔

(۳) حضرت حافظ احمد موٹا صاحب راندیریؒ: جامعہ حسینیہ راندیر کے بانیوں میں سے ایک ہیں۔ بچپن ہی سے دینی تعلیم کے ساتھ خاص وابستگی تھی۔ شیرِ گجرات حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیریؒ اور حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ کے مخلص دوستوں میں سے تھے۔ جامعہ حسینیہ کے قیام اور اس کے انتظام و انصرام میں آپ نے بے مثال قربانیاں پیش فرمائی ہیں۔ جامعہ میں آپ کی خدمت کا زمانہ تقریباً تین دہائیوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا اصلاحی تعلق =

مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ، مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ(۱)، مولانا شیخ احمد اللہ صاحبؒ(۲) اور دیگر اکابر علما جو آسمان علم و فضل کے روشن ستارے تھے، اپنی ضیا پاشیوں سے سرزمینِ گجرات ہی نہیں؛ بل کہ دور دور کے ملکوں کو بھی منور فرما رہے تھے۔

جمعہ کے دن ان مشایخ سے ملاقات اور ان بزرگوں سے دعاؤں کی درخواست کے لیے حاضری ہوئی۔ سب سے پہلے حافظ صالح صاحبؒ- جو راندیر کی معروف شخصیت اور فرشتہ صفت بزرگ تھے- کی خدمت میں حاضری ہوئی اور دعا کی درخواست کی۔ اس کے بعد جس ہستی کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ کی ذات گرامی تھی۔

= حضرت شیخ الہندؒ سے تھا، عملیات میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے، شیخ الہندؒ اور حضرت میاں صاحبؒ سے آپ کو عملیات کی اجازت حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھ دی تھی اور یہ کام بلا کسی عوض فی سبیل اللہ آپ انجام دیتے تھے۔ جامعہ حسینیہ راندیر کی تقریباً تیس سالہ خدمات بھی للہ انجام دیں۔ حاصل یہ کہ بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ ۳؍ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً! (ماخوذ از اکابرینِ گجرات: ۴/۴۶۴، ۴۶۵)

(۱) حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کا تذکرہ صفحہ ۲۹۳ پر آ رہا ہے۔

(۲) **حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ:** بلبلِ گجرات، شعلہ گفتار خطیب، فاضل و سابق شیخ الحدیث ''جامعہ حسینیہ راندیر'' ۱۴۱۴ھ میں اپنے وطن ''پال'' میں آنکھیں کھولیں، ۱۹۳۴ء میں ''جامعہ حسینیہ'' سے سندِ فراغت حاصل فرمائی۔ مولانا سید شرف الدین آنندوی، مولانا ظہور الحسن ٹونکی، مولانا عبدالرحیم بورسدی، مولانا احمد نور صاحب پشاوری، مولانا محمود حسن صاحب اجمیری، علامہ بلیاوی، مولانا اعزاز علی صاحب رحمہم اللہ جیسی گراں قدر شخصیات سے کسبِ فیض فرمایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر علما نے آپ کی ذکاوت و ذہانت کی داد دی ہے، اسی لیے صرف ۳۳؍ سال کی عمر میں منصبِ شیخ الحدیث تفویض ہوا، اور ایک طویل مدت تک بخاری کا درس دیتے رہے۔ افسوس! علم و عمل کا یہ گنجِ گراں مایہ ۹؍ دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ سوئے آخرت چل دیا۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً و أعلی اللہ مراتبہ!

حضرتؒ کے ساتھ یہ پہلی ملاقات اور خدمت عالیہ میں پہلی حاضری تھی۔
حضرتؒ ہم طالب علموں کے ساتھ جس خندہ روئی اور شفقت ومحبت سے ملے اور ہم ابتدائی درجات کے بچوں کو جس پیار بھرے انداز میں نصیحتیں فرمائیں وہ آج تک برابر ذہن کے پردے پر نقش ہے۔ باوجود علم وفضل کے کمال خردوں کے ساتھ ایسی محبت اور مہمان نوازی فرمائی کہ آپ کی ذات والا صفات سے انتہائی گرویدگی اور احترام کے جذبات ابھر گئے۔

اس کے بعد نہ معلوم کتنی بار شرف ملاقات حاصل ہوا، کتنی مجلسوں اور جلسوں میں حضرت کے ملفوظات طیبات - جو از دل خیزد وبر دل ریزد کے مصداق ہوتے تھے- سننے کا موقع ملا؛ مگر اس پہلے تاثر میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ورنہ عام طور پر آدمی ابتدائی ملاقات میں کسی سے متاثر ہوتا ہے؛ مگر جب کثرت سے میل جول ہوتا ہے تو وہ تاثر قائم نہیں رہتا۔ حضرت مولانا اجمیریؒ کی ذات گرامی کا معاملہ بالکل دوسرا تھا کہ جیسے جیسے کوئی شخص حضرت کے قریب ہوتا اور حضرت سے جتنی بار ملاقات کا موقع ملتا حضرتؒ کے علم وفضل اور آپ کے اخلاق عالیہ کا نقش گہرا ہوتا چلا جاتا۔

حضرتؒ جید الاستعداد عالم تھے، آپ کی علمی جلالت شان کی اس سے بڑی کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ ''دار العلوم اشرفیہ'' کی مَسْندِ حدیث شریف پر تقریباً پچاس برس رونق افروز رہ کر تشنگانِ علومِ نبوت کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی ''بخاری شریف'' کا درس دے کر فیض یاب فرماتے رہے۔ کئی بار ''دار العلوم اشرفیہ'' میں حاضری ہوئی اور دیکھا گیا کہ طلبا انتہائی عقیدت وعظمت اور ادب واحترام کے ساتھ آپ کے

ارشاداتِ طیبہ سے مستفیض ہورہے تھے۔اتنے طویل عرصے میں نہ کبھی شکایت، نہ کوئی خلفشار؛ بل کہ اکثر و بیشتر علما آپ کے درس اور توجہات عالیہ کی برکت سے صلاح وتقویٰ والی زندگی اختیار کر لیتے تھے۔الحمدللہ! آج بھی حضرتؒ کے شاگردوں میں ایسے نیک سیرت اور خوش اخلاق علما موجود ہیں جن کا فیض دور دور پہنچ رہا ہے۔ بقول حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ''درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے'' ان بے شمار علما کی خدمات کو دیکھ کر جنہوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے اور آپ کے علوم سے خوشہ چینی کی ہے آپ کے علم اور کردار سازی کا کمال معلوم ہوتا ہے۔

علم کے اس بلند مقام کے ساتھ اتباع سنت ،تقوی، انابت الی اللہ میں بھی آپ کی زندگی مثالی تھی۔ جب کوئی مہمان آپ کے دولت کدے پر حاضر ہوتا، اور بسا اوقات لوگ بے وقت حاضر ہوتے؛ مگر ہر شخص کے ساتھ چاہے وہ دیہاتی ہو، طالب علم ہو، عالم ہو کہ تاجر ورئیس ہو خندہ روئی اور بشاشتِ وجہ سے ملاقات فرماتے اور اصرار فرما کر چائے یا شربت پلاتے۔

ایک مرتبہ کی حاضری میں حضرتؒ نے اپنے دستِ مبارک سے چائے تیار فرما کر پیش کی،تو شرمندگی سے جسم پسینہ پسینہ ہوگیا۔اتباعِ سنت میں ہر خرد و کلاں کو الوداع کہنے حضرت ان کے درجات کے مطابق گلی کے کنارے یا گھر سے باہر تک تشریف لاتے؛غرض ہر موقع اور ہر وقت حضرتؒ کی طبیعت میں اتباعِ سنت کا غلبہ رہتا تھا،آپ کا یہ عمل زندگی بھر قائم رہا۔

جن حضرات کو کسی دینی ادارے کے انتظام سے سابقہ پڑا ہو ان کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے ادارے میں تقسیمِ کتب کا کام بھی ایک دشوار ترین کام ہے۔ ایک طرف یہ تقاضہ کہ نئے مدرسین کو ترقی کے مواقع فراہم کیے جائیں، دوسری طرف قدیم مدرس کا معاملہ کہ اس کی مُفوَّضہ کتاب کی تبدیلی جرم عظیم؛ مگر یہ حضرت رحمہ اللہ کا اخلاص اور للّٰہیت تھی کہ انھوں نے اپنے خردوں کو کبھی مایوس نہیں فرمایا؛ بل کہ ان کو شوق و ہمت دلا کر بڑی کتاب سپرد فرماتے اور ان کو آگے بڑھاتے، یہ ان کے اخلاص کی دلیل ہے۔

زہد کا بھی حال یہ تھا کہ نہ کسی بیرونی سفر کا ارادہ فرمایا اور نہ کسبِ دنیا کے اور کوئی طریقے اپنائے، دارالعلوم کے اساتذہ کو بھی قناعت کی زندگی اختیار کرنے کی باربار تاکید فرماتے۔ کئی مرتبہ سفر میں حضرتؒ کے ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا، مشکل سے ایک روٹی بھی تناول نہ فرماتے؛ مگر کھانے کا انداز اس طرح ہوتا کہ کسی شخص کو آپ کی کم خوری اور قلتِ غذا کا احساس نہ ہوتا، دسترخوان پر بیٹھے احباب کی پوری رعایت فرماتے۔

اللہ تعالیٰ نے قوتِ برداشت اور تحملِ شدائد کی بھی عجیب صفات عطا فرمائی تھیں۔ کئی مرتبہ لوگوں کے اصرار پر کسی جلسے یا مجلس نکاح میں شرکت کا وعدہ فرما لیتے؛ مگر اسباق کا ناغہ بھی گوارا نہ فرماتے؛ چناں چہ اسباق پڑھا کر سخت دھوپ میں راندیر سے سفر فرماتے اور ایفائے وعدہ فرما کر ممنون فرماتے۔ بہت سے جلسوں اور میٹنگوں میں باجود ضعف وتعب کے تین تین گھنٹے بیٹھتے دیکھا، اور جب جلسہ ختم ہوا موسم کی خنکی

یا گرمی کی پروا کیے بغیر فوراً واپسی کی جلدی فرماتے۔

اپنے شاگردوں، خردوں اور متعلقین کی اصلاح کا بھی عجیب مشفقانہ طریقہ ہوتا۔ کسی غلطی پر نہ تو خاموشی اختیار فرماتے اور نہ نکیر میں شدت ہوتی؛ بل کہ نہایت موزوں انداز میں توجہ دلاتے، اور یہ بات آپ کی عالی ظرفی اور شفقت علی الخلق کی دلیل ہے۔

اور اس دور میں جب کہ ہر شخص اپنا مقام بنانے کی فکر میں رہتا ہے، دوسروں کی ترقی اور مقبولیت کو اپنے لیے رکاوٹ خیال کرنے لگا ہے، حضرتؒ اپنے چھوٹوں کا وقار بڑھانے، ان کو میدان میں آگے لانے اور لوگوں کو ان کی طرف متوجہ کرنے کی سعی فرماتے تھے، یہ دلیل ہے حضرتؒ کی فنائیت کی۔

ان اوصاف وکمالاتِ باطنی کے ساتھ لباس میں شائستگی اور سادگی کے ساتھ پاکیزگی و نظافت کا خَیال فرماتے، مجاہدات اور تقویٰ کے سبب چہرۂ انور پر جو انوار تھے سبز وسیاہ عمامے میں اور چمکنے لگتے، اور مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی آپ کا چہرہ دیکھ کر متاثر ہو جاتا تھا۔

ادبی ذوق بھی بلند تھا، اردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں میں قدرتِ تامہ حاصل تھی۔ خطوط بہت مختصر اور جامع تحریر فرماتے تھے، خطوط کے جواب میں جو پابندی حضرتؒ کے یہاں تھی ایسی کم دیکھنے میں آئی۔ مختصر یہ کہ حضرت رحمہ اللہ علم وعمل، تقویٰ وتواضع، شفقت علی الخلق اور دیگر صفاتِ عالیہ کے جامع اور مثالی زندگی کے مالک تھے، ایسے علم وعمل کے جامع لوگ برسوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پے روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
(اقبال)

حضرتؒ سے آخری ملاقات ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' کی مجلس شوری کے جلسے میں ہوئی۔ نقاہت اور ضعف صاف نظر آ رہا تھا؛ مگر اس کا تصور نہ تھا کہ علم وفضل کا یہ گنج گراں مایہ اب چند روز کے بعد زندگی بھر کے مجاہدات کے بعد ابدی راحت وآرام کے لیے رب کریم کی رحمتوں کے سائے میں چلا جائے گا، ہاں مگر وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ وَ مَا تَشَاؤُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ!
(سورۂ تکویر: آیت ۲۹)

اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے اور آپ کے اعمال صالحات کا بہترین بدلہ نصیب فرماوے، ہم لوگوں کو آپ کی پاکیزہ ونورانی زندگی سے سبق حاصل کرنے اور اسی راستے پر گامزن ہونے کی توفیق بخشے۔ آمین!

نہ پوچھو ہم سے راندیر کے پیرِ مغاں کا حال
جوان کے میکدے سے ہو کے آیا چور چور آیا

حضرت مولانا سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

کچھ تاثرات

حضرت مولانا الحاج المقری المفتی السید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ کی شخصیت برِصغیر (پاک وہند، بنگلہ دیش وبرما) کے اصحابِ علم وفضل میں ممتاز ومعروف ہستی شمار ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو بہت سے اوصافِ حمیدہ اور کمالاتِ علمیہ وعملیہ سے متصف فرمایا تھا۔ آپ کی ذاتِ گرامی عربی کے اس شعر کے مصداق تھی ؎

لیس علی اللّٰہ بمستنکر ☆ أن یجمع العالم في واحد(۱)

موصوف قرآن مجید کے جید حافظ اور بہترین قاری تھے، اور زندگی بھر بچوں کو صحیح قرآن مجید کی تعلیم دینے اور تجوید کی مشق کرانے میں- باوجود اپنی فتاویٰ کی اہم ذمے داری ادا کرنے کے- مشغول رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت رحمہ اللہ کو ایک خاص قسم کا لہجہ عطا فرمایا تھا، جس میں بڑی شیرینی اور جذّابیت تھی۔ راندیر کی مشہور ومعروف ''بڑی مسجد'' میں سالہا سال پابندی کے ساتھ امامت کے فرائض ادا فرماتے رہے، شائقین آپ کی پُرکشش قراءت سننے فجر کی نماز میں حاضر ہوتے تھے۔

---

(۱) اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے کہ دریا کو کوزے میں جمع کردے۔

یہاں ٹورنٹو کی ''مسجدِ ابوبکر'' میں ایک روز ایک نوجوان صبح کی نماز کی امامت کے لیے آگے کیے گئے، بندہ اُن سے متعارف نہیں تھا۔ انہوں نے بہترین تجوید اور حلاوت بھرے لہجے میں تلاوت کی، جس سے طبیعت میں ایک خاص کیف پیدا ہوا۔ نماز سے فراغت کے بعد ان سے مصافحہ ہوا اور احوال دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ راندیر کے باشندے ہیں، اس وقت اوٹاوہ میں مقیم ہیں اور حضرت مفتی عبدالرحیم صاحبؒ سے حفظ و تجوید کی تعلیم حاصل کی ہے؛ ان کا نام نامی حافظ انور مُعَلَّم ہے۔

میں دیر تک ہمارے اکابرین کی دینی خدمات اور اُن کے فیوضاتِ علمیہ کے دور دور تک پہنچنے پر غور کرتا رہا، کہ اللہ تعالیٰ نے ہند کی سرزمین سے اِس فیض کو شمالی امریکہ کے شہروں تک کس طرح پھیلا دیا ہے۔ حافظ انور اس وقت بھی اوٹاوہ میں خیرکم من تعلم القرآن و علمه پر عمل کرتے ہوئے تعلیمِ قرآن میں مشغول ہوکر حضرت مفتی صاحب کے لیے صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو فقہ میں خاص ملکہ اور بصیرت عطا فرمائی تھی، سالہا سال آپ کی فقہی خدمات جاری رہیں۔ جب ''فتاویٰ رحیمیہ'' اردو میں شائع ہوئے تو پاک و ہند کے اکابر علما نے مفتی صاحب کے تفقہ اور علمی کمالات کا برملا اظہار فرمایا۔

ناچیز نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی زبانی خود سنا کہ ہم لوگ مفتی عبدالرحیم صاحب کے اس علمی مقام سے واقف نہیں تھے؛ مگر ''فتاویٰ رحیمیہ'' کے مطالعہ کے بعد حضرت کے بلند فقہی مقام سے واقف ہوئے۔ حضرت رحمہ اللہ

کے بعض جوابات مستقل علمی رسالے ہیں، جن میں قرآن وحدیث اور ائمۂ عظام کے اقوال سے مدلل اور تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے اس علمی فیض کو عام کرنے کے لیے بغیر کسی اشتہار واعلان کے ایسے افراد بھی تیار کر دیئے جو آج ہند و بیرونِ ہند فتاویٰ کی اہم ذمے داری بحسن وخوبی ادا کر رہے ہیں۔ مفتی صاحبؒ کے بہت سے تلامذہ میں اس وقت مفتی احمد خان پوری صاحب مدظلہ(۱) صدر مفتی ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' اور مفتی …………

(۱) مشہور شیخِ طریقت، فاضل دارالعلوم اشرفیہ راندیر، خلیفۂ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ، شیخ الحدیث وسابق صدر مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، رکنِ مجلسِ مشاورت دارالعلوم دیوبند ومؤلف کتبِ عدیدہ مفیدہ۔ حضرت مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم ۲۴ر ستمبر ۱۹۴۶ء کو خان پور صوبہ گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حافظ ابراہیم قاضیؒ، حافظ حسن شاہ خان پوریؒ اور مولانا محمد امین صاحب ٹنکارویؒ وغیرہ سے حاصل فرمائی۔ عالمیت کی تعلیم صوبۂ گجرات کی قدیم اور بافیض دینی درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں حکیم ابوالشفاء صاحبؒ، حضرت مفتی عبدالغنی کاوی صاحبؒ، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ اور حضرت مولانا محمد رضا صاحب اجمیریؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ بعدہٗ حضرت فقیہ الامتؒ کی صحبت میں قیام فرما کر افتا کی مشق کی۔ دارالعلوم میں حضرت مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ، ملا حسین بہاریؒ، مولانا اسلام الحق کوپا گنجیؒ، حضرت مولانا شریف الحسن دیوبندیؒ، حضرت قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ اور مفتی نظام الدین صاحبؒ وغیرہ سے کسبِ فیض فرمایا۔ ۱۳۸۸ھ سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریس فرما رہے ہیں، اس دوران متعدد کتب کی تدریس فرمائی۔ فی الحال شیخ الحدیث کی مسند پر رونق افروز ہیں، ایک طویل مدت تک دارالافتا کی صدارت کا منصب بھی سنبھالا، فی الحال اس کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ آپ کے فتاویٰ اردو و گجراتی زبان میں کئی جلدوں میں اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک و بیرونِ ملک کے متعدد علمی ودعوتی اسفار فرما کر ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو فیض پہنچایا۔ آپ کے مواعظ بھی آپ کے مریدین ومتعلقین نے مرتب فرما کر شائع فرمائے ہیں جن میں ''حدیث کے اصلاحی مضامین'' خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ نے مبادیات حدیث، آسان درسِ قرآن اور مختصر سوانح چشت جیسی متعدد مفید کتابیں بھی تالیف فرمائی ہیں۔ الحمد للہ! گجرات کا یہ مایۂ ناز سپوت اپنی متنوع خدمات میں پوری جاں فشانی کے ساتھ مصروف ہے اور ایک عالم کو فیض یاب کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور متعلقات میں بے پناہ برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو مزید عموم بخشے۔ آمین!

...... اکرام صاحب(۱) مقیم حال بلیک برن (یوکے) بہت ممتاز ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے علما نے آپ سے کسب فیض کیا ہے جو اپنے اپنے مقامات پر خدمتِ دین میں مشغول ہیں۔ تقبل اللہ مساعیھم!

ان عظیم علمی کمالات کے باوجود آپ بے حد متواضع اور منکسر المزاج تھے، اپنے خردوں کے ساتھ بھی جس محبت اور خوش مزاجی سے ملتے تھے اور ان کے معمولی کاموں کی تعریف کر کے ہمت افزائی فرماتے تھے، وہ انہی کا خاص حصہ تھا۔

زندگی کے آخری سالوں میں ان کی مقبولیت اور مرجعیت کے سبب زیارت کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا، اور حضرتؒ ہر ایک شخص سے اس کے مقام اور مرتبے کے مطابق اکرام وضیافت کا معاملہ فرماتے۔ مفتی صاحب کے گھر سے شاید ہی کوئی شخص چائے یا شربت پیئے بغیر جاتا ہو۔ طلبا اور مدرسین کے ساتھ خصوصی لطف ومہربانی کا معاملہ فرماتے۔ ان کو اپنی گراں قدر تصنیفات ہدیہ کرتے، عطر کی بوتلیں عنایت

---

(۱) **حضرت مفتی اکرام الحق صاحب مدظلہ:** حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کے صاحب زادے ہیں۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد صاحب سے حاصل فرمائی، جامعہ حسینیہ راندیر کے فاضل ہیں، دارالعلوم دیوبند میں افتا کیا ہے، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں۔ مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے اخص الخاص خدام میں سے ہیں، تقریباً ۵۲/سال حضرتؒ کی خدمت میں رہے۔ نقولِ فتاویٰ، فتویٰ نویسی اور دیگر خدمات بڑی خندہ پیشانی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔ فی الحال برطانیہ کے شہر بلیک برن میں مقیم ہیں، امامت، شعبۂ حفظ میں خدمت کے ساتھ صبح ایک دارالعلوم میں ہدایہ اور ابوداؤد شریف کی کامیاب تدریس کے ساتھ ساتھ شعبۂ افتا میں بھی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ عوام وخواص میں کافی مقبول شخصیت ہیں۔ انتہائی متواضع، سادہ طبیعت کے مالک، عجز وانکساری میں ضرب المثل، مہمان نوازی میں قابلِ رشک اور اخلاص وللّٰہیت کے پُتلے ہیں، تحریری صلاحیت بھی خوب پائی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور حضرت کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین! (ماخوذ از ذکرِ صالحین: ۱/۴۸۱)

فرماتے تھے اور اگر کھانے کا وقت ہوتا تو کھلانے پر اصرار فرماتے تھے۔

مسائل کے باب میں کافی تصلب تھا، اور بہت مشکل سے اکابرین کے مسلک سے الگ کوئی رائے تبدیل فرماتے۔

''پانولی'' میں عالمی تبلیغی اجتماع ہو رہا تھا، جس میں ''نظام الدین'' کے جملہ اکابرین تشریف لائے تھے، گجرات کے مدارس کے اساتذہ اور اکابر علما بھی شریک تھے۔ تبلیغی اجتماع میں نماز میں آلۂ مکبر الصوت (لاؤڈاسپیکر) کا استعمال نہیں ہوتا، شرکائے اجتماع کی بہت بڑی تعداد تھی اور تکبیر کہنے والوں کی آواز ٹھیک سے پچھلی صفوں میں نہیں پہنچ رہی تھی، اور نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی رکوع میں تو کوئی سجدہ میں۔ اس حالت کو دیکھ کر نماز کے بعد جب علمائے کرام اپنے کمروں پر تشریف لائے تو بندہ حضرت مفتی صاحب کے کمرے میں حاضر ہوا اور اس مسئلے میں گفتگو شروع کی، حضرت مفتی صاحب کی رائے اب بھی عدمِ جواز کی تھی۔ بندے نے عرض کیا، حضرت! حرمین شریفین اور پورے عالم میں مساجد میں لاؤڈاسپیکر استعمال ہو رہا ہے، اس پر قدرے ناراضگی کے لہجے میں فرمایا کہ مکہ، مدینہ کے لوگ کوئی عمل کریں اس کو حجت شرعی نہیں مانا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ مہتمم ''جامعہ حسینیہ'' بھی تشریف فرما تھے، انہوں نے میرا دامن کھینچا اور فرمایا کہ بات آگے نہ بڑھاؤ، یہ اکابر اپنے مسلک سے مشکل سے ہٹیں گے۔

بندے کا مقصد تو یہ تھا کہ ہمارے پاک و ہند اور شام و مصر کے حنفی علما وہاں نماز میں شریک ہوتے ہیں تو شاید ایسے عظیم اجتماعات میں یہاں بھی اس کی گنجائش

نکلنی چاہیے؛ مگر بندہ اس کی وضاحت نہ کر سکا، اور خاموش ہو گیا۔

حضرت مفتی صاحب باوجود کبر سنی اور امراض کی کثرت کے حالاتِ حاضرہ سے برابر واقف رہتے تھے۔ دینی تحریکات اور امت کے اجتماعی معاملات میں برابر شریک رہتے اور اپنی مفید اور تجربے پر مبنی رائے سے رہ نمائی فرماتے تھے۔

ناچیز کا معمول تھا کہ کینیڈا سے جب بھی ہندوستان جانا ہوتا راندیر ہو کر حضرتِ اقدس کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے، آواز سن کر ہی پہچان لیتے اور دیر تک مسلمانوں کے احوال دریافت فرماتے۔ اور فرماتے کہ جہاں کہیں رہو مسلمانوں کو شریعت کی پابندی کی دعوت دیتے رہو، اور خصوصاً ہمارے اکابرِ دیوبند کے مسلک کی اشاعت وحفاظت کی تاکید فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کو حسنِ باطنی کے ساتھ حسنِ ظاہری بھی عطا فرمایا تھا۔ لباس نہایت صاف ستھرا اور نشست و برخاست میں بھی خاص سلیقہ مندی نظر آتی تھی۔

مفتی صاحبؒ کے تقویٰ اور اعمال پر مواظبت کو دیکھ کر اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ ان کے اخلاقِ حسنہ اور شفقت و محبت نے کتنے انسانوں کی زندگیوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرماوے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین!

آہ! اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ   ڈھونڈنے سے بھی نہ پائیں گے یہ لوگ

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

محی السنۃ، مصلح الامۃ، حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحبؒ

کچھ باتیں، کچھ یادیں

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ اس عالمِ رنگ و بو میں جو بھی متنفس آیا ہے، وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، لاکھوں سال گزر گئے موت وحیات کا یہ سلسلہ جاری ہے اور تاابد جاری رہے گا۔

قرآن مجید نے اس ابدی حقیقت کو ''کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ'' (الرحمٰن: آیت:۲۶،۲۷) کے بلیغ انداز میں پیش فرمادیا ہے۔ ہر چیز کو فنا ہے، بقا صرف اور صرف اس خالق ومالک کے لیے ہے جو ذوالجلال والاکرام ہے۔

اگر موت کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ قائم نہ فرماتے تو اس سرزمین پر چلنا پھرنا دشوار ہوجاتا۔ عربی کے مشہور شاعر احمد بن حسین المتنبی نے کہا ہے ؎

سُبِقْنَا إِلَى الدُّنْيَا فَلَوْ عَاشَ أَهْلُهَا
مُنِعْنَا بِهَا مِنْ جَيْئَةٍ وَ ذُهُوبِ

ہم سے پہلے بہتیرے لوگ گزر گئے، اگر یہ سب اہلِ زمین زندہ رہتے
تو آج ہمارے لیے آنا جانا دشوار ہوتا۔

حکیم مشرق نے کہا کہ ؎

اول و آخر فنا ، ظاہر و باطن فنا　　نقش کہن ہو کہ نَو ، منزل آخر فنا
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام　　جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

جی ہاں! ان سب حقیقتوں اور صداقتوں کو جانتے ہوئے بھی کچھ نفوسِ قدسیہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی وفات دنیا میں شور برپا کر دیتی ہے، ہزاروں آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، اور ہزاروں دل مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے ہیں، عرصے تک یہ زخم تر و تازہ رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی زندگیاں منارۂ نور ہوتی ہیں، جن کے اس دنیا سے اٹھ جانے سے ہر طرف تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے، اور ان کی وفات سے قوم کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں۔

وَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلْكُهُ هَلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

انہی نفوسِ قدسیہ میں محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب حقی ہردوئی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی۔

مجددِ ملت، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے علم وعرفان کے جو چراغ روشن فرمائے تھے اس بزمِ اشرف کے حضرت ہردوئی رحمہ اللہ آخری چراغ تھے۔ جنہوں نے اپنے شیخ کے طریقۂ تعلیم و تربیت، تزکیۂ باطن اور اصلاحِ اعمال و اخلاق کا عظیم الشان کام ہند اور بیرونِ ہند، ۶۰ یا ۶۵ رسال تک جاری رکھ کر ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں نظم و ضبط، طہارت و پاکیزگی، اصول و قواعد کی

پابندی، معاملات کی درستگی اور سادگی وشائستگی پیدا کردی، اور سب سے بڑھ کر ان میں قرآن مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت وشیفتگی پیدا فرمادی۔

قرآن مجید جو تمام انسانوں کے لیے منبعِ ہدایت اور مریض دلوں کے لیے شفا ہے، اس کی صحیح تلاوت اور تجوید کا جو اہتمام حضرتؒ کے یہاں دیکھا گیا اُس کی مثال کم ملتی ہے۔ چناں چہ بچوں کے لیے ''نورانی قاعدہ'' مرتب ہوا، اور ''دعوۃ الحق'' کے ذریعے ہندوستان میں جگہ جگہ صحتِ قراءت کا نظم کر دیا گیا، جس نے عمومی طور پر عام نفع پہنچایا۔ **فجزاہ اللہ عنا و عن المسلمین خیرًا!**

حضرت رحمہ اللہ کا یہی ایک عمل مغفرت اور رفعِ درجات کے لیے کافی تھا۔

حضرت رحمہ اللہ کو صحتِ تلاوت کا اس قدر اہتمام تھا کہ دینی مدرسوں کے فارغ التحصیل اور مدرسینِ کرام بھی اگر بیعت کی درخواست کرتے تو سب سے پہلے ان کو قرآن مجید کی چند آیات سنانے کے لیے ارشاد فرماتے، اگر ذرا سی بھی کمزوری محسوس ہوتی تو سب سے پہلے اس کی اصلاح کے لیے چند روز محنت کروائی جاتی۔

اس فکر و جہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ تعلق میں صحتِ تلاوت کا خیال مضبوط ہوتا گیا، اور ہزاروں انسانوں نے اصلاح کی طرف توجہ فرمائی۔

حضرت رحمہ اللہ کی ایک امتیازی شان یہ بھی تھی کہ امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر کا بھی اہتمام فرماتے تھے، اور اس سلسلے میں کبھی کسی لومۃ لائم کی پروانہیں فرماتے۔ دینی یا دنیوی اعتبار سے چاہے کوئی کیسا ذی وجاہت ہو، حضرت اپنی بات کرنے سے کبھی نہ دبتے اور اصلاحِ حال کی طرف توجہ فرماتے۔

ابھی چند سال قبل حضرت رحمہ اللہ کا برطانیہ کا سفر ہوا تھا، اتفاق سے ناچیز بھی وہاں موجود تھا، حضرت کی مجلس میں شرکت کو باعثِ سعادت سمجھ کر حاضری دیتا رہا۔ ایک مسجد میں حضرت کا وعظ تھا، مسجد مصلیوں سے بھری تھی، نماز کے بعد وعظ شروع ہوا۔ ایک وجیہ آدمی حضرت کے سامنے بیٹھ کر تسبیح کے دانے گھمانے لگے، حضرت نے فرمایا: بھائی! آدمی ایک وقت میں دو کام ساتھ نہیں کرسکتا، یا تو آپ میری بات سنیں یا پھر دوسری طرف بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، اس نے فوراً تسبیح جیب میں ڈال دی اور وعظ سننے لگا۔

ہمارے جیسے لوگ ایسے وقت مصلحت یا مروت کے نام سے خاموش رہتے ہیں؛ مگر حضرتؒ کے یہاں سب سے مقدم اصلاحِ حال تھی، اس میں رو رعایت کی گنجائش نہ تھی۔

یو کے ہی کے ایک اور شہر میں نماز سے فارغ ہوکر باہر نکلے، حضرت کی نظر پڑی کہ مسجد کے دروازے کے باہر سِگریٹ کے خالی ڈبے اور ردّی کاغذ اِدھر اُدھر پڑے ہیں۔ حضرت فوراً کھڑے ہوئے اور دریافت فرمایا کہ مسجد کے متولی صاحبان میں سے کوئی صاحب موجود ہیں؟ مجمع میں دو آدمیوں کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ حضرات اس مسجد کے ذمہ داروں میں ہیں۔ حضرت نے ان سے مصافحہ فرمایا اور سُوال کیا کہ کیا آپ اپنے گھر کے سامنے کوڑا کرکٹ پسند فرماتے ہیں؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ تو فرمایا کہ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے سامنے کوڑا پڑا ہے، اس کا کیوں خیال نہیں فرماتے؟ مسجد کے متولی ہونے کے ناطے سب سے پہلے آپ کی ذمے داری ہے کہ مسجد کے صحن اور اندر صفائی رکھیں۔ اور پھر فرمایا، آیئے ہم ان کاغذات کو

اٹھالیں، فوراً اراکینِ کمیٹی اور دوسرے لوگ صفائی کرنے لگ گئے۔ بندہ حیران تھا کہ اہلِ ثروت سے متاثر ہوئے بغیر حضرت کس طرح بلا جھجک اصلاح فرماتے ہیں۔

اذان واقامت کی صحت، نیز مسجد میں بغیر جزدان کے قرآن مجید کا ہونا بھی حضرت کو گوارا نہ تھا، جہاں بھی تشریف لے جاتے اس کی اصلاح فرماتے تھے، قرآن مجید کے احترام کرنے پر خاص توجہ دلاتے تھے۔

ہر کام میں اتباعِ سنت کا خیال فرماتے تھے۔ سالِ گذشتہ حضرت بمبئی تشریف لائے تھے، عصر کے بعد عمومی مجلس ہوتی تھی، جس میں لوگ دور دور سے آکر شرکت کرتے تھے، ہم بھی حاضر ہوئے، مصافحہ کرکے پیچھے بیٹھ گئے۔ مولانا یعقوب اشرف صاحب مدظلہٗ (۱) بھی موجود تھے، انہوں نے کچھ تعارفی کلمات کہے، حضرت نے فوراً حاضرین سے فرمایا کہ مجلس میں اہلِ علم کو آگے بٹھاؤ، پھر بڑی عمر والوں کو، اس کے بعد نوجوانوں کو۔

---

(۱) **حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب راندیری نور اللہ مرقدہٗ:** حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیریؒ کے پوتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۲/شوال المکرّم ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۲/مئی ۱۹۵۷ء کو راندیر کے علمی خانوادہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور عالمیت کی تکمیل دار العلوم اشرفیہ راندیر میں ہوئی۔ سنہ فراغت ۱۹۸۱ء ہے۔ ۱۹۸۲ء میں جلال آباد سے تکمیل افتا کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد رضا صاحب اجمیریؒ، حضرت مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ، حضرت مولانا حکیم ابوالشفا صاحبؒ، حضرت مولانا احمد اشرف صاحب راندیریؒ، حضرت مسیح الامتؒ، حضرت علامہ رفیق صاحبؒ وغیرہ اکابر علما ہیں۔ تکمیل افتا کے بعد دار العلوم اشرفیہ راندیر سے تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ ۱۹۸۹ء میں مسندِ اہتمام سنبھالی، تقریباً ۲۷/سال تک اہتمام کی خدمت انجام دیتے رہے۔ دار العلوم اشرفیہ راندیر میں متعدد کتبِ حدیث کی تدریس کے ساتھ جامعہ اسلامیہ وقف صوفی باغ میں ۹/سال تک شیخ الحدیث کے منصب پر بھی فائز رہے۔ محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ کے مجازِ بیعت بھی تھے۔ ۸/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات انتقال فرمایا اور راندیر ہی میں مدفون ہوئے۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

حضرت کے مزاج میں بڑی سلیقہ مندی اور نظم وضبط کی پابندی تھی۔ دو سال قبل ہم لکھنؤ ''ندوۃ العلما'' میں حاضر ہوئے، وہاں معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی علالت کی خبر سن کر حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ اپنے رفقا کے ساتھ ہردوئی گئے ہیں۔ مولانا مدظلہ رات واپس تشریف لائے اور حضرت کی صحت کے بارے میں فرمایا کہ شدید ضعف ہے، ہم نے رفقا سے مشورہ کیا کہ ہمیں ہردوئی جا کر حضرت کی عیادت کرنی چاہیے۔

فجر کی نماز پڑھ کر لکھنؤ سے روانہ ہوئے، سردی کا موسم تھا، دس بجے کے بعد ہردوئی پہنچے، ''مدرسہ اشرف العلوم'' میں داخل ہوتے ہی ہر طرف نظافت دیکھ کر مسرت ہوئی۔ حضرت رحمہ اللہ کو آمد کی اطلاع کر کے حاضری کی اجازت چاہی، حضرت نے خادم کو بھیجا سلام کہلایا اور فرمایا کہ تھوڑی دیر مہمان خانے میں آرام کرلیں، خادم نے رضائیں پیش کیں، بیت الخلا، وضوخانہ بتلایا، ہر طرف صفائی اور موزونیت نظر آئی، تھوڑا وقفہ گزرا اور چائے اور بسکٹ سے تواضع کی گئی۔

گیارہ بجے خادم تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ کچھ مہمانوں سے بات چیت کر رہا تھا؛ اس لیے دماغ میں ضعف محسوس کرتا ہوں، اگر آپ حضرات مزید تھوڑا انتظار کرلیں تو بہتر ہے، اور اگر واپسی میں عجلت ہے تو ابھی حاضر ہوجائیں۔

اللہ اللہ! بیماری اور کمزوری کی حالت میں بھی مہمانوں کی کیسی رعایت، کتنی صفائی سے معاملہ کرنا! ہم لوگوں نے عرض کیا، حضرت آرام فرمالیں، ہمیں اتنی عجلت

نہیں۔ نصفِ گھنٹہ کے بعد طلب فرمایا، بشاشت سے ملاقات فرمائی اور قیمتی نصائح فرماتے رہے؛ خصوصاً نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

دس بارہ نوجوان علما کو بلوایا اور ہر ایک سے سوال فرمایا کہ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ کس مدرسے میں پڑھاتے ہیں؟ یہاں تشریف لانے کا مقصد کیا ہے؟ سب ہی حضرات نے باری باری اپنا تعارف کرایا۔ ہر ایک نے یہ بھی کہا کہ ہم تجوید درست کرنے اور اپنی اصلاح کے لیے یہاں مقیم ہیں، اس سے حضرت کے عمومی فیض کا اندازہ ہوا۔

ہم حضرت کی بیماری کی وجہ سے جلدی دعا کی درخواست کر کے باہر نکلے، تو حضرت نے دعا فرمائی اور ناظمِ کتب خانہ سے فرمایا کہ ان حضرات کو مطبوعہ کتابیں اور پرچے عنایت فرمادیں۔ ہم لوگ یہ قیمتی تحفہ لے کر لکھنؤ واپس آئے۔

آج جب ان واقعات کو یاد کرتے ہیں تو بے اختیار زبان پر یہ شعر آتا ہے ؎

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
وہ دکان اپنی بڑھا گئے (بہادر شاہ ظفر)

حضرت کا نورِ تقویٰ سے چمکتا اور دمکتا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا رہتا ہے، بلاشبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہندو پاک، افریقہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ دور دور علاقوں تک پہنچ چکا ہے اور حضرت کے مسترشدین اس فیض کو عام کررہے ہیں۔

الحمد للہ! خطۂ گجرات میں بھی حضرت مولانا عبد الاحد صاحب تاراپوری(۱)

(۱) آپ کا تعارف مقالاتِ مفکرِ ملت جلد اول صفحہ ۵۲ پر گزر چکا ہے۔

شیخ الحدیث دار العلوم تارہ پور، عالمِ باکمال حضرت مولانا شیر علی صاحب قندھاری(۱)

(۱) **حضرت مولانا شیر علی صاحب افغانی نور اللہ مرقدہٗ:** آپ کی ولادت ۱۹۲۴ء میں بہ مقام قریہ عبدالشکور خان صوبہ قندھار افغانستان ہوئی۔ اپنے والد ماجد کے پاس ابتدائی تعلیم حاصل فرما کر قرب و جوار کے علما سے فقہ و صرف کی کچھ کتابیں پڑھیں، پھر ہندوستان کا طویل سفر فرما کر دہلی میں مدرسہ سراجیہ میں پڑھا، اس کے بعد کچھ مدت مدرسہ مظہر الاسلام بریلی میں مولانا احمد رضا خان صاحب کے صاحب زادے مولانا مصطفیٰ صاحب کے زیرِ سرپرستی تعلیم حاصل فرمائی۔ مولانا مصطفیٰ صاحب نے آپ کی تعلیم و تربیت کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا اور آپ کی تعلیم کے سلسلے میں خصوصی دل چسپی لی، مگر کسی طرح آپ کو معلوم ہوا کہ دیوبند میں منطق اور فقہ کی تعلیم بہت اچھی ہوتی ہے اور دیوبند کا کافی شہرہ سنا تو وہاں کے لیے ارادہ فرمایا۔ مولانا مصطفیٰ صاحب کو کسی طرح علم ہو گیا تو انہوں نے بہت روکنا چاہا؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو آپ سے کام لینا منظور تھا اس لیے کسی طرح وہاں سے بچ کر نکل گئے اور دیوبند جا پہنچے۔ دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادیؒ، حضرت مفتی جلیل احمد صاحب کیرانویؒ، حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ، حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دیوبندیؒ وغیرہ اکابر سے کسبِ فیض فرمایا۔ ۱۳۷۴ھ میں دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل فرمائی۔ آپ کے رفقائے درس میں حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب دیولوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمیؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ فراغت کے بعد کے سالوں میں تکمیلات کا کورس مکمل فرما کر اپنے اساتذہ کے مشورے پر مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاؤٹھی میں گیارہ سال تدریس فرمائی۔ اُن ہی دنوں حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ کو ایسے مدرس کی تلاش تھی جو اپنے فن میں ماہر ہو، تمام کتبِ دینیہ پر یکساں عبور رکھنے والا ہو اور استاذانہ صلاحیت کا حامل ہو، جن سے دار العلوم فلاحِ دارین کے دیگر اساتذہ بھی استفادہ فرما سکیں؛ چناں چہ حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ نے اس سلسلے میں دار العلوم دیوبند کا سفر فرمایا اور شیخ الاسلام مدنیؒ کے خادم دامانی صاحب کے مشورے پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا؛ چناں چہ دار العلوم فلاحِ دارین میں تشریف لا کر آپ نے مسلسل ۴۷ رسال خدمت انجام دی اور میدانِ تدریس میں روح پھونک دی۔ آپ جامع العلوم والفنون، نکتہ وَر مدرس، بے مثال فقیہ اور کامیاب مربی تھے۔ دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر کی مشیختِ حدیث کو ۲۵ رسال تک آپ نے زینت بخشی۔ کیسی ہی مشکل کتاب یا بحث ہو اس کو منٹوں میں حل کر دینا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ فقہِ حنفی بالخصوص حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ سے والہانہ تعلق تھا۔ حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ اور خانوادۂ قاسمی کی محبت میں ہمیشہ سرشار رہتے۔ آپ کو محی السنہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ سے اجازتِ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا، طبیعت مرنجاں مرنج پائی تھی، اشعار سے بھی اچھی مناسبت تھی، جسے وقتاً فوقتاً استعمال فرماتے =

شیخ الحدیث ''دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر''، حضرت مولانا یعقوب اشرف صاحب مہتمم ''دارالعلوم اشرفیہ''، حضرت مولانا ایوب صاحب ایٹالوی(۲) سابق استاذ حدیث وتفسیر ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' (مقیم حال برطانیہ) حضرت کے مُجازین میں ہیں اور

= رہتے تھے۔ اتباعِ سنت اور احقاقِ حق آپ کی زندگی کا سب سے جلی عنوان ہے۔ آپ کی کتابِ زندگی بے جا مصلحت اور تملق سے پاک تھی۔ کسی بھی ذی وجاہت آدمی سے مرعوب نہ ہوتے۔ لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر نہی عن المنکر اور احقاقِ حق کا فریضہ انجام دیتے، جس کی وجہ سے آپ کو کافی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا؛ لیکن راہِ حق کے اِس غازی نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ ۴؍ستمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ اِکیانوے سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور ترکیسر کی سرزمین پر لیلائے علم کا یہ سچا عاشق اور شہیدِ علم ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سوگیا۔ رحمه الله رحمةً واسعةً وأعلى الله مراتبه!

(۲) حضرت مولانا ایوب صاحب ابن قاری بندۂ الٰہی اٹالوی سورتی مدظلہ: آپ کی ولادت ۹؍ربیع الاول ۱۳۷۴ھ مطابق ۶؍نومبر ۱۹۵۴ء کو ہوئی۔ ناظرہ، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل فرمائی۔ اس کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم تراج، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل اور مظاہر علوم سہارن پور میں تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۳۹۱ھ میں جامعہ ڈابھیل سے سندِ فراغت حاصل فرمائی، پھر دوبارہ مظاہر علوم جا کر دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لیا اور ۱۳۹۲ھ میں سندِ فضیلت حاصل فرمائی۔ مدرسہ تعلیم المسلمین لوناواڑہ، دارالعلوم چھاپی وغیرہ اداروں میں تدریسی خدمت انجام دی۔ پھر دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں پانچ سال قیام کر کے متوسطات اور علیا کی کتابیں پڑھائیں۔ بعدہٗ انگلینڈ تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ تعلیم الاسلام دیوزبری، مجلسِ دعوۃ الحق لیسٹر، مدینۃ العلوم ایسٹ ہام اور دارالعلوم لیسٹر وغیرہ کئی اداروں میں تدریس فرمائی۔ اپنے شیخ ومرشد محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ کے مشورے سے لیسٹر میں آپ نے مجلس دعوت الحق کی بنیاد رکھی، جہاں سے مختلف دینی خدمات انجام پا رہی ہیں، اس کے علاوہ دارالعلوم لندن میں بخاری شریف کی تدریس بھی فرمائی۔ ۲۰۱۱ء سے دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں بخاری شریف اور مسلم شریف کی تدریس جاری ہے۔ آپ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نوراللہ مرقدہٗ کے حواشیٔ بخاری شریف اور دیگر تحقیقات کو مرتب فرما کر حضرت کے متعلقین پر بڑا احسان فرمایا ہے، اس کے علاوہ اور بھی متعدد تصنیفات آپ کے قلم سے نکل کر عوام وخواص سے خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہیں۔ آپ کو محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ، حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نوراللہ مرقدہٗ اور پیر ذوالفقار صاحب نقش بندی مدظلہ سے اجازت بیعت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین!

اپنی اپنی جگہ رشد و ہدایت اور تعلیم و تعلّم کے کام میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات اور حضرت کے دیگر خلفاء کو صحت و عافیت کے ساتھ امت کی اصلاح کے لیے تادیر زندہ وسلامت رکھے۔ آمین یارب العالمین!

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی
ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے
(ناصر کاظمی)

اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان عظیم اور نا قابلِ فراموش خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے۔

اللّٰھم اغفرله و ارحمه و سکنه في الجنة. اللّٰھم أمطر علیه شآبیب رحمتك و رضوانك، و أدخله في فسیح جناتك مع الشھداء والصالحین، بفضلك و کرمك یارب العالمین۔ اللّٰھم ارزقنا و جمیع المؤمنین حسن الخاتمة. آمین ثم آمین!

☆☆☆☆☆

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں
(میر تقی میرؔ)

☆☆☆☆☆

خطیبِ بے بدل مفسرِ قرآن
مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ

اس دنیا میں موت سے زیادہ یقینی اور کوئی چیز نہیں، زمانے کے لیل ونہار میں کوئی روز بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں کسی کے لختِ جگر، مہربان پدر، مشفق مادر، ہمدرد برادر اور مخلص دوست یا مربی استاذ کی جدائی کی خبر نہ ملتی ہو، اور اپنے ان عزیزوں اور رشتے داروں، اہلِ تعلق کی وفات پر صفِ ماتم نہ بچھتی ہو؛ یقیناً دنیا میں ہر آنے والا جانے کے لیے ہی آتا ہے۔

قرآنِ کریم نے اسی صداقت کو ”كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ“ (آل عمران: آیت۱۸۵) اور ”اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ“ (سورۂ یونس علیہ السلام: آیت۵۰) کے بلیغ اور واضح الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔ اور تاریخ نے اس دنیا سے جانے والوں کی بے حساب داستانیں اپنے صفحات میں محفوظ رکھی ہیں۔

عرب کے مشہور شاعر ابوالعلاء المعری نے جب اپنے اہلِ خاندان اور دوستوں کی وفات کے پے در پے صدمات اٹھائے تو وہ پکار اٹھا ؎

صاح هذي قبورنا تملأ الرحـ ب فأين القبور من عهد عاد

خفف الوطأ ما أظن أديم الأ رض إلا من هذه الأجساد

وقبیح بنا وإن قدم العهد هوان الآباء والأجداد
سر إن إستطعت في الهواء رويدا لا على رفات العباد
رب لحد قد صار لحدا مرارًا ضاحك من تزاحم الأضداد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد رضا اجمیری، ادیبِ کامل مولانا وحید الزماں کیرانوی، فقیہِ وقت اور طبیبِ حاذق حکیم ننھے میاں اور خطیبِ ملت مولانا ابرار احمد صاحب (رحمہم اللہ جمیعاً) کی یکے بعد دیگرے جدائی کی خبروں نے علمی دنیا میں کہرام مچا دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک علم وفضل کا آفتاب و ماہتاب تھا، جن کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم منور ہو رہا تھا؛ مگر مشیت ایزدی یہی تھی کہ امت ان کے فیوض سے محروم ہو جائے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

ان سب میں حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحبؒ سب سے کم عمر اور صحت مند تھے اور تمام علمی حلقے ان سے بہت سی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھے؛ مگر وہ بھی مؤرخہ ۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ داغِ مفارقت دے کر اپنے ربِ کریم کے دربار میں پہنچ گئے۔ تغمده الله بغفرانه ورحمته!

مولانا مرحوم کی پیدائش ''نواپور'' میں ہوئی، علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ بچپن ہی سے دینی علوم کی طرف راغب ہو گئے، حفظِ کلام پاک کے بعد ابتدائی کتابیں مالیگاؤں میں پڑھیں اور اعلیٰ تعلیم کے لیے ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں داخل ہو گئے۔

زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنی ذہانت، قوتِ حافظہ، اساتذہ کے ساتھ تعلق اور ادب و درس کی پابندی کے سبب اساتذہ کے محبوب ہو گئے تھے۔

راقمِ سطور ۱۹۶۱ء میں جب دوبارہ ''جامعہ ڈابھیل'' میں مدرس ہوا تو مولانا ابرار احمد صاحبؒ عربی سوم میں داخل تھے۔ اگلے سال ۱۹۶۲ء میں ''شرحِ وقایہ'' اور ''مقاماتِ حریری'' دو سبق اس ناچیز کے پاس تھے، سبق میں برابر پابندی سے حاضر رہے اور مقامات کے اسباق جس شوق و دلچسپی سے سنتے تھے اور لغاتِ عربی کو محفوظ کرتے ؛ اس سے طبیعت بہت ہی خوش ہوتی تھی، اور اسی وقت دل گواہی دیتا تھا کہ اس طالبِ علم کا مستقبل نہایت روشن ہوگا۔

دیگر اساتذہ بھی ان کے ساتھ اسی طرح شفقت اور محبت کا معاملہ فرماتے رہے۔ اردو زبان و ادب کا بھی ذوق بہت پاکیزہ تھا، مولانا آزاد اور دیگر مؤرخ مصنفین کی کتابیں مطالعہ فرماتے اور بہت سی عبارتیں یاد کر لیتے۔

طلبا کی ''انجمنِ اصلاح الکلام'' کے سالانہ جلسوں میں باوجود صغر سنی ایسے بہترین خطیبانہ انداز میں تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین کی توجہ اپنی طرف مرکوز کر لیتے، اور ہر طرف سے ماشاء اللہ ماشاء اللہ اور اساتذہ کی طرف سے بارک اللہ بارک اللہ کی صدائیں بلند ہوتیں اور انعامات سے نوازے جاتے۔

ان کی اس لیاقت اور صلاحیت کے پیشِ نظر بعض اساتذہ خصوصاً مولانا عبدالغفور صاحب پشاوریؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ (۱) خصوصی توجہ

(۱) **حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ:** مدرسہ مفتاح العلوم مئو، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ اور جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے سابق شیخ الحدیث، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور ہزاروں علما کے استاذ ہیں۔ حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے والد ماجد ہوتے ہیں۔ آپ کے احوال کے لیے حضرت مولانا یونس صاحب سورتی مدظلہ کی مؤلفہ کتاب ''مختصر سوانحِ حیات حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی'' ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے، اور خارج میں بھی بعض اسباق پڑھاتے رہے۔ مولانا عبدالغفور صاحب پشاوریؒ کو تفسیرِ رازی پر بہت عبور تھا، مولانا ابرار احمد صاحبؒ عصر کے بعد بھی بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوکر تفسیری فوائد سے مستفید ہوتے۔ قرآن مجید کی تفسیر کا خصوصی ذوق انہی اساتذہ کی صحبت اور تربیت کے سبب پروان چڑھا۔

سورت میں حکیم فخر الدین صاحبؒ (۱) فنِ طب میں مہارت کے ساتھ علومِ اسلامیہ میں بھی کمال رکھتے تھے۔ مولانا مرحوم کے خاندان سے مصاہرت کے تعلق کے سبب مولانا ابرار صاحبؒ بارہا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور گھنٹوں علمی اور روحانی مجلسوں سے فیض یاب ہوتے رہتے، جس کے سبب ان کے علمی ذوق میں بہت ترقی ہوئی، ساتھ ساتھ اہل اللہ کی صحبت اور اصلاحِ باطن کی طرف بھی توجہ ہوئی۔

''جامعہ ڈابھیل'' میں ممتاز نمبروں سے کامیابی کے بعد اصلاحِ باطن کے لیے علمائے سلف کی طرح شیخِ کامل کی تلاش میں لگ گئے، اور بالآخر اپنے دور کے جلیل القدر عالم اور مصلح، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ خلیفۂ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر دو سال تک حضرتؒ کی خانقاہ میں رہے۔

---

(۱) حضرت مولانا حکیم فخر الدین صاحبؒ کا اصل وطن امیٹھی لکھنؤ ہے، دارالعلوم دیوبند سے عالم و فاضل ہوئے، لکھنؤ یونی ورسٹی سے یونانی حکمت کی سند حاصل فرمائی، حضرت تھانویؒ کی صحبت میں قریب چھ ماہ رہے، اپنے والد پیر عارف احمد صاحبؒ جو صاحبِ کرامات بزرگ تھے' اُن سے خلافت حاصل ہوئی۔ بڑے جید عالم اور طبی دنیا میں مشہور و معروف اور حاذق حکیم تھے، جوانی کے زمانے میں گجرات تشریف لے آئے تھے، کچھ مدت راندیر میں رہے، اُس کے بعد سورت میں مقیم ہوگئے تھے، تقریباً پچیس سال تک دارالعلوم رام پورہ کے صدر رہے۔ ۲۵؍ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۴؍ جنوری ۱۹۹۰ء کو شبِ جمعرات ۲؍ بجے بہ عمر ۸۲ سال انتقال فرمایا، مزار سورت کے پٹنی قبرستان میں ہے۔ (حیاتِ ابرار: ص ۲۲)

حضرت مصلح الامتؒ کی اس صحبت نے ان کی طبیعت پر بہت اثر ڈالا۔ بار بار ایک جملہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے تھپڑوں نے دماغ کی ساری کجی نکال دی ہے اور اپنی حقیقت سمجھ میں آنے لگی ہے؛ مگر طریق کی تکمیل سے قبل ہی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا وصال ہوگیا۔ مولانا مرحوم کی طبیعت پر شیخ کی وفات کا سخت اثر ہوا، عرصے تک غم کے آثار ان پر رہے۔ پھر کچھ مدت قطبِ وقت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سہارنپور گزارا اور بالآخر حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل فرما کر اجازتِ بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔

حضرت مولانا محمد سعید صاحب سملکیؒ (۱) زمانۂ طالبِ علمی سے ان کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے تھے؛ اس لیے جب مولانا نے تدریس کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے فوراً ''جامعہ ڈابھیل'' میں تقرر فرمالیا، اور ماشاء اللہ اپنے اساتذہ کے حسنِ ظن کو صحیح ثابت فرمایا۔

مولانا نے بہت جلد درجاتِ علیا کی کتابیں پڑھانی شروع فرمادیں؛ مگر اس وقت بھی اپنے اساتذہ اور مشایخ سے علمی استفادہ فرماتے رہے۔

باوجود علمی ترقی اور وعظوں میں عمومی اور خصوصی حلقوں میں غیر معمولی

---

(۱) **حضرت مولانا محمد سعید صاحب سملکیؒ:** حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ کے صاحب زادے ہیں۔ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خلیفہ ہیں۔ آپ کے حالات کے لیے ''نقوشِ بزرگاں'' ملاحظہ فرمائیں۔

مقبولیت کے اپنے اساتذہ کے احترام ولحاظ میں ذرہ برابر کمی نہیں آنے دی؛ حتیٰ کہ ''بخاری شریف'' کا درس شروع کرنے کے بعد بھی جب کبھی دفتر میں تشریف لاتے یا اپنے گھر بلاتے تو اسی نیازمندی اور احترام کا برتاؤ کرتے تھے، طلبا کی موجودگی میں ہمیشہ سامنے ادب کے ساتھ بیٹھتے تھے۔

راقمِ سطوران کی خاندانی شرافت، علمی برتری اور روحانی مقام کی بلندی کے سبب ہمیشہ عزت واحترام سے ملتا تھا؛ مگر وہ بار بار فرماتے تھے کہ آپ کے برتاؤ سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔

کبھی کبھی مزاحاً فرماتے کہ طالبِ علمی کے زمانے کا رعب ایسا غالب ہے کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں ادھر ہاتھ دراز نہ ہو جائے؛ مگر یہ ان کی بڑائی اور بلندیٔ اخلاق کی بات تھی۔ کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ: مولانا ہم تو ہر طرح آپ سے پیچھے رہ گئے، اور آپ ایسے شاگردوں ہی کی وجہ سے ہم تو اللہ تعالیٰ کے دربار میں نجات کی امید کیے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات دل خوش کرنے کے لیے نہیں؛ بل کہ صدق دل سے عرض کرتا تھا۔ مولانا نظر نیچی کر لیتے اور صرف اتنا فرماتے کہ آپ کی محبت اور عنایت ہے ''ورنہ من آنم کہ من دانم''۔

مولانا مرحوم کے وعظ وارشاد کا ایک خاص طرز تھا، وعظ میں تفسیری نکات، احادیث کی نادر تشریحات، علمی لطائف، مشائخ اہل اللہ کے ملفوظات اور موقع بہ موقع بہترین اشعار ہوتے، اور طلبا اور اہلِ علم کے لیے بڑی علمی اور روحانی غذا فراہم کرتے تھے۔ ناچیز کو برصغیر ہندوپاک کے بہترین خطیبوں اور علمائے دین کے وعظ

سننے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس بنا پر بلا شبہ میں یہ عرض کرسکتا ہوں کہ مولانا ابرار صاحبؒ برصغیر کے صفِ اول کے خطیبوں میں شمار کرنے کے قابل تھے۔

مولانا کے پُر اثر وعظ نے صدہا نوجوانوں کو اسلامی زندگی اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ زامبیا، ملاوی، جنوبی افریقہ، ری یونین، زمبابوے، برطانیہ، کینیڈا، جزائرِ غرب الہند، پناما تک لوگ فیض یاب ہوئے ہیں۔ علمی انہماک اور تبلیغی اسفار کے باوجود طبیعت میں خاص شان کی نفاست اور سلیقہ مندی رکھتے تھے۔ صاف ستھرے کپڑے اور درسگاہ اور گھر میں ہر چیز قرینے اور سلیقے سے رکھتے اور طلبا کو بھی اس کا عادی بناتے تھے۔ عطر کا استعمال کثرت سے فرماتے تھے؛ بعض مرتبہ دفتر کے باہر سے گزرتے تو پتہ چل جاتا کہ مولانا ابراراحمد صاحبؒ تشریف لے جا رہے ہیں۔

ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملتے اور ہمیشہ باغ و بہار نظر آتے تھے۔ بزرگوں اور اہلِ دل کی صحبت سے طبیعت میں رقت پیدا ہوگئی تھی، خصوصاً اپنے اکابر کے احوال بیان کرتے وقت آبدیدہ ہوجاتے۔

دعا میں خاص طور پر بہت ہی الحاح وزاری فرماتے تھے، ختمِ جلالین شریف، ختمِ بخاری شریف اور دیگر تبلیغی جلسوں میں ایسی رقت انگیز دعا فرماتے کہ مجمع بے قابو ہوجاتا اور ہر سو آہ و بکا کی آواز آنے لگتی تھی۔

''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے اساتذہ واراکین سے بل کہ تمام خدام سے محبت واحترام کا معاملہ فرماتے تھے۔ مولانا کی ذات سے اربابِ دارالعلوم کو بڑی

امیدیں وابستہ تھیں، اور مکمل اطمینان تھا؛ مگر تقدیرِ الٰہی میں کچھ اور ہی مقدر تھا۔ مولانا کی اس اچانک وفات سے صرف ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' ہی نہیں گجرات کا پورا علمی حلقہ مبہوت ہو گیا۔

میرے لیے مولانا کی وفات کی خبر واقعی صاعقۂ فاجعہ تھی، دل بے قرار ہو گیا، اور اب تک اس صدمے کے اثر سے پوری طرح نجات نہیں مل سکی ہے۔ مولانا کی تقریروں اور وعظوں کے کیسیٹ عام ہیں، خادم زادے نے دوروز پہلے سنانا شروع کیا تو بندے کو سننے کی تاب نہ تھی، دل بھر آیا اور ٹیپ موقوف کرادیا گیا۔

عید الفطر کے دو تین روز بعد ہی کینیڈا تشریف لائے اور ملاقات سے بہت مسرت ہوئی؛ مگر اسی سفر میں مرض کا حملہ ہوا۔ بندے نے عرض کیا کہ اب آپ یہ طویل اسفار موقوف فرما کر ترکیسر ہی میں خانقاہ شروع فرمادیں، طالبین ان شاء اللہ حاضرِ خدمت ہوں گے۔ جواباً فرمایا کہ ہاں شاید میرا یہ آخری سفر ہے، ہمیں کیا معلوم تھا کہ مولانا سے بس یہ آخری ملاقات ہے اور یہ تھکا ماندہ مسافر اب ایسے سفر کی تیاری کررہا ہے جہاں سے کسی کی واپسی نہیں ہوتی۔ اللّٰهم اغفرله وارحمه وأسكنه في أعلى الجنة، وأمطر عليه شآبيب رحمتك ورضوانك!

بلاشبہ مولانا مرحوم ایک مثالی زندگی گزار کر اپنے مولیٰ کے دربار میں پہنچ گئے، ان کی یاد عرصۂ دراز تک عقیدت مندوں، شاگردوں اور چاہنے والوں کو رلاتی رہے گی۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے درجات بلند فرماوے، اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرما کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

آج امتِ مسلمہ کو جس آزمائش وابتلا کے دور کا سامنا ہے، ان حالات میں ان اکابرین اور فاضل وصالح علما کی جدائی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوگی؛ مگر ہمارے لیے صبر کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں۔ إنما الموت منهل يصير إليه صابر وجزوع.

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرماوے، اور حسنِ خاتمہ کی دولت سے مالا مال فرماوے، اور جنت الفردوس میں صالحین وابرار کا ساتھ نصیب فرماوے۔

کبھی کبھی بعض احباب مولانا ابرار احمد صاحبؒ کی خیرت دریافت فرماتے تو بندہ کہہ دیتا تھا کہ (إن الأبرار لفي نعيم) اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل وکرم سے نعیمِ جنت نصیب فرماوے۔

بس یہ چند پراگندہ تاثرات ہیں جو ایک مجروح قلب اور پراگندہ ذہن شخص پیش کر رہا ہے۔

یاران رفتہ ہم سے اپنا منہ چھپا گئے
معلوم بھی ہوا نہ کدھر کارواں گیا

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نوریؒ(۱)

کچھ باتیں کچھ یادیں

رفیقِ محترم حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات حسرتِ آیات پر آج دو ماہ سے زائد ہو رہے ہیں؛ مگر موصوف کی جدائی کا صدمہ اتنا شدید ہے کہ اس کو بھلانا آسان نہیں۔ دارالعلوم فلاحِ دارین میں ۱۹۶۶ء سے آج تک کئی قابل اور محترم اساتذہ اس دارِ فانی کو چھوڑ کر دارِ باقی کی طرف کوچ کر گئے، ان کی

(۱) **حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نوریؒ:** محدث جلیل، مشہور صاحبِ طرز خطیب و ادیب، مرجع العلما، قافلۂ علم وفضل کے فردِ یگانہ، زہد وتقویٰ اور تواضع و انکساری کا مجسم نمونہ، ''فلاحِ دارین ترکیسر'' کے سابق شیخ الحدیث، متعدد اداروں کے سرپرست۔ ۱۴؍دسمبر ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔ دیوبند میں دس سال قیام فرما کر ۱۹۶۷ء میں فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ جیسے اکابرِ روزگار آپ کے اساتذہ میں ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے زیرِ تربیت رہنے کا شرف حاصل ہوا اور آپ ہی کی طلب پر دارالعلوم دیوبند میں آپ کا پیشگی داخلہ منظور فرمایا۔ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ برسوں کی محنت اور دعاؤں کے بعد لوگ ''دارالعلوم'' میں داخلہ پاتے ہیں اور آپ کو خود ''دارالعلوم'' نے طلب کیا؛ گویا ''دارالعلوم'' مرید اور آپ مراد تھے۔ و ذٰلك فضل اللّٰه يؤتيه من يشاء! ۔ مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نور اللہ مرقدہٗ کی نگاہِ انتخاب نے دیوبند سے ترکیسر جا پہنچایا، جہاں ۴۳؍سال قیام فرما کر تقریباً تمام علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں۔ آخری ۱۶؍سالوں میں درسِ بخاری بھی متعلق رہا۔ آپ کے بہار آفریں قلم سے آدھ درجن سے زائد کتابیں نکل کر عوام وخواص سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں، جن میں ''کشکولِ ذوالفقار'' تین جلد، ''حج سیکھئے حج کیجیے'' اور ''مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' قابلِ ذکر ہیں۔ افراد سازی، اخلاق کی بلندی اور محبت وشفقت کے حوالے سے اَنمٹ نقوش چھوڑے۔ ۵؍اپریل ۲۰۱۰ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اب ''نرور'' کے گورستان میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ رحمه الله رحمةً واسعةً!

مجموعی تعداد بیس سے زائد ہے، اللہ تعالیٰ جملہ مرحوم اساتذہ کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

مگر مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب کی وفات اس لیے بھی بہت رنج دہ ہے کہ موصوف نے پورے ۴۳ر سال خدمات انجام دیں اور جس طرح رفاقت کا حق ادا کیا اس کی مثال موجودہ دور میں خال خال ہی مل سکتی ہے ؎

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا (خالدشریف)

حضرت مولانا مرحوم اس ناچیز سے عمر میں دس سال چھوٹے تھے اور ہم تو یہی خیال کرتے رہے کہ مولانا رحمہ اللہ ہماری نمازِ جنازہ میں شریک ہوں گے اور جہاں ان کے قلم گوہر بار سے سیکڑوں تعزیتی تجویزیں لکھی گئی ہیں، ہماری تعزیت بھی ان کے قلم سے لکھی جائے گی، لیکن یہ کیا ہوا کہ مولانا یکایک ہم سب کو روتا چھوڑ کر اپنے مولا کے پاس پہنچ گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون!

فارسی زبان کے دو مشہور شاعر گزرے ہیں: خاقانؔی اور قاآنی - جناب قاآنی کو یہی خیال تھا کہ میری وفات پر خاقانی مرثیہ لکھیں گے، لیکن اللہ نے خاقانؔی کو پہلے بلالیا، قاآنی کو بہت صدمہ ہوا اور فرمایا ؎

ہمیں گفتم خاقانؔی کہ دریغا گوئے من باشد
دریغا من شدم آخر دریغا گوئے خاقانی(۱)

(۱) ترجمہ: میں سمجھ رہا تھا کہ خاقانی مجھ پر افسوس کرنے والا ہوگا، بالآخر افسوس کرنے والے خاقانی پر، افسوس کرنے والا میں ہوگیا۔

ہمارا معاملہ بھی ٹھیک اسی طرح ہوا، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

وَ مَا تَشَاؤُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ !(سورۂ تکویر: آیت ۲۹)

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
ہم ڈھونڈنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

مجھے وہ دن یاد ہے، جب میں دارالعلوم فلاحِ دارین کے عربی درجات کے لیے ایک مدرس کی تلاش میں دارالعلوم دیوبند پہنچا اور مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ اور مولانا عبدالہادی پرتاب گڈھی مدظلہ نے ایک نوجوان فاضل سید ذوالفقار احمد صاحب کے بارے میں بہت توصیفی کلمات کہہ کر ان سے بات چیت کرنے کا مشورہ دیا۔ محترم مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہٗ بھی ان دنوں دارالعلوم میں تھے، انھوں نے بھی مولانا کا ہی نام بتایا تھا۔ مولانا مرحوم دارالعلوم سے سندِ فراغت حاصل کر چکے تھے؛ مگر کچھ مزید علم حاصل کرنے دارالفکر میں مقیم تھے۔ مولانا ارشد صاحب نے کسی طالب علم کے ذریعہ ان کو اطلاع کی اور عشا کے بعد دولت کدہ پر بلایا۔ مولانا وہاں تشریف لائے، نحیف الجسم، بہت متواضع اور شرمیلے، ان دونوں حضرات نے ناچیز اور فلاحِ دارین کے بارے میں اطمینان دلایا اور ترکیسر چلے جانے کا مشورہ دیا، مولانا مرحوم نے منظور تو فرمالیا؛ مگر فرمایا کہ پہلے میں گھر ہو آؤں پھر ترکیسر حاضر ہو جاؤں گا؛ مگر چوں کہ شوال کا مہینہ قریب الختم تھا، اس لیے عرض کیا گیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ دیوبند سے کل ہی میرے ہمراہ ترکیسر تشریف لے چلیں، بقرہ عید کی تعطیلات میں گھر ہو آئیں؛ تاکہ مدرسہ کے احوال سے آپ واقف بھی ہو جائیں گے اور اطمینان قلب

سے گھر والوں کو بھی اطمینان دلاسکیں گے۔

مولانا اپنی شرافتِ طبع کے باعث ہماری درخواست کو قبول فرما کر دوسرے دن بذریعہ دہرہ دون ایکسپریس عازم سفر ہوگئے، بس وہ دن تھا پھر ۵/اپریل ۲۰۱۰ء کا دن کہ جس روز اسی دارالعلوم کی مسند درس سے دو روز کے لیے ہسپتال رہے، اور پھر اپنے رب کے پاس سفر کر گئے۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ٥ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ٥ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ. (سورۃ الفجر: ۲۷-۳۰)

مولانا مرحوم کے ساتھ ۴۳/سالہ اس طویل رفاقت میں ان کے علم، تقویٰ، تواضع اور شرافتِ نفس کے بہت سے جوہر سے واقفیت ہوئی۔ ان کی پُراثر خطابت، اردو فارسی زبان پر ان کی گرفت، ہر خرد و کلاں سے ان کے درجہ کے مطابق خوش خلقی سے گفتگو نے ان کو اساتذہ اور طلبہ میں محبوب بنادیا۔

دارالعلوم کے ہر چھوٹے بڑے کاموں میں خوش دلی سے بھرپور تعاون، طلبائے عزیز کی تقریری اور تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی سعیٔ بلیغ اور مختلف جلسوں کے پروگرام کو کامیاب بنانے والے طلبائے عزیز کو مکالمات تیار کر کے حالاتِ حاضرہ کے تناظر میں ان کی ذہنی تربیت کرنے کی عظیم خدمات انجام دیں۔

اور درس وتدریس کی ذمے داری کے ساتھ مذکورہ بالا خدمات پر کبھی کسی معاوضہ کا مطالبہ نہیں کیا۔

مدارسِ عربیہ میں عموماً جب کوئی مدرس مقبول ہو جاتا ہے اور طلبا کا رجوع ہونے لگتا ہے تو وہ کتابوں میں ترقی کا خواہاں ہوتا ہے، درجاتِ علیا کی کتابوں کا مختلف انداز میں مطالبہ کیا جاتا ہے؛ مگر مولانا موصوف نے اس طویل مدت میں کسی وقت نہ صراحتاً نہ اشارتاً اپنے لیے کسی کتاب کا مطالبہ فرمایا، تقسیم اسباق میں جو کتابیں ان کے ذمے دی گئیں اس کو بحسن وجوہ پڑھاتے رہے۔

بل کہ ایسا بھی ہوا کہ بعض مرتبہ ناچیز نے حدیث شریف کی کوئی کتاب ان کو سپرد کرنا چاہا تو انہوں نے دوسرے استاذ کو منتقل کرنے کا اصرار کیا؛ تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، یہ موصوف کی شرافت نفس ہی کی بات تھی کہ اتنے طویل عرصہ میں کسی ساتھی مدرس کے ساتھ تلخ کلامی یا درشت لہجہ میں گفتگو کی نوبت نہیں آئی، کوئی شخص چاہے جس طرح کے جملے کستا ہو، مولانا ہمیشہ نرم لہجہ میں جواب دیتے تھے۔

اور استقامت کی ایسی نادر مثال بھی کم ہی دیکھنے میں آئی کہ پورے ۴۳ر سال انہوں نے اہل وعیال کو وطن میں ہی رکھا اور خود مدرسے کے مطبخ سے کھانا منگوا کر گزارہ کرتے رہے اور اس طویل عرصہ میں کبھی کھانے کے بارے میں حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔

ہم بار بار درخواست کرتے رہے کہ کب تک آپ اس طرح متأہل ہو کر بھی تجرد کی زندگی گزاریں گے؟ جواب میں ہمیشہ مسکرا دیتے؛ مگر جب بہت اصرار ہونے لگا تو فرمایا کہ میرے والد محترم نے والدہ صاحبہ کے انتقال کے بعد ہماری خاطر دوسرا نکاح نہیں کیا تو اب ان کے بڑھاپے میں ان کو تنہا چھوڑ کر بچوں کو یہاں لانا مروت

کے خلاف ہے۔ سبحان اللہ! والد کی خدمت اور راحت رسانی کا ایسا جذبہ اس دور میں شاذ ہی ملے گا، دوسری وجہ شاید یہ بھی تھی کہ مولانا رحمہ اللہ کے گھر میں پردہ کا سخت اہتمام تھا اور مولانا گجرات کے ماحول میں اتنا اہتمام نہیں پاتے تھے اس لیے تاحیات اہل وعیال کو وطن میں ہی رکھا، البتہ عید الاضحیٰ کی تعطیلات، ربیع الاول کے شش ماہی امتحانات اور تعطیلات اور شعبان ورمضان شریف کے ایام تعطیلات گھر ہی پر گزارتے تھے؛ البتہ ان ایام میں بعض مرتبہ بیرون کے سفر کی وجہ سے دور رہتے اور یہ بھی مولانا مرحوم کے لیے بڑی قربانی اور ایثار کا مسئلہ تھا، جس کا احساس دوستوں کو کم ہوتا تھا۔

جہاں تک درس وتدریس کا تعلق ہے مولانا رحمہ اللہ نے متوسطات سے بخاری شریف تک کتابیں پوری تحقیق اور امعان کے ساتھ پڑھائیں اور طلبا کو کبھی کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا، بل کہ مولاناؒ کی شیریں زبانی اور طلبائے عزیز کے ساتھ خندہ روئی کے سبب سے شاید ہی کوئی طالب علم مولانا کے سبق سے غیر حاضر رہتا۔

مولانا طلبہ پر بے حد شفیق تھے، ان کی غلطیوں اور ناہموار سلوک کی اصلاح بھی محبت اور شفقت کے ساتھ کرتے اور کسی طالب علم کا اخراج ہوتا تو اس کی معافی اور دوبارہ داخلہ کی کوشش کرتے، اکثر طلبا ایسے موقع پر مولاناؒ کے دامن میں ہی پناہ لیتے تھے۔

بعض مرتبہ دفتر کے بعض فیصلوں پر حضرت کو شرح صدر نہ ہوتا تو اختتامِ درس پر دفتر میں تشریف لاتے، سلام ومصافحہ کے بعد خیریت دریافت فرماتے اور بہت ہی حکیمانہ انداز میں گفتگو فرماتے اور فیصلہ پر نظر ثانی کی درخواست کرتے، ناچیز جب اس کی وجوہات پیش کرتا اور مولانا کو اصل حالات کا علم ہو جاتا تو فرماتے: ”رموز

مملکتِ خویش خسرواں دانند'' (۱) اور بغیر کسی کبیدگی کے تشریف لے جاتے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بندہ کو مولانا کی گفتگو سے احساس ہوتا کہ واقعی فیصلہ پر نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، تو پھر معاملہ کو درست کرلیا جاتا۔

غرض مولانا بہت اخلاص اور شرافتِ نفس کے ساتھ مختلف مواقع پر تعاون فرماتے رہے، اگر مولانا رحمہ اللہ کو پتہ چلتا کہ کچھ شورش پسند طلبا فتنہ اٹھانے کی کوشش کررہے ہیں تو اہتمام تک بات پہنچنے سے پہلے فتنہ کو دفع کردیتے اور طلبا کو تنہائی میں بلاکر ایسی تخریبی حرکتوں سے باز رکھنے کی سعی فرماتے۔ الحمدللہ! ان مخلص اساتذہ ہی کی برکت اور محنتوں کا یہ نتیجہ تھا کہ اس طویل مدت میں کبھی طلبا میں نہ کوئی ہنگامہ ہوا اور نہ ہڑتال یا اسٹرائک کی نوبت آئی۔

مولانا مرحوم میں بہت خوبیاں تھیں، تہجد اور سحر خیزی کی عادت اور ذکر و اشغال کی پابندی برابر فرماتے؛ مگر اس کو چھپاتے تھے، کئی بار سفر میں دیکھا گیا کہ مولانا پچھلی شب میں بہت آہستگی سے بستر سے اٹھتے اور وضو کرکے کسی کونے میں خاموشی سے نوافل اور ذکر میں مشغول ہوجاتے اور رفقا کو پتہ بھی نہ چلتا بلکہ فجر سے قبل بستر پر لیٹ جاتے تاکہ دوسروں کو مولانا کی سحر خیزی کا پتہ نہ چلے۔

مولانا رحمہ اللہ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ تھے، ان میں سادات کے اخلاق و عادات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔ باوجود مجرد رہنے کے کوئی مہمان آجاتا بلکہ اپنے شاگردوں میں سے کوئی آجاتا تو اس کی خاطر تواضع اور مہمانی میں

(۱) ترجمہ: اپنی حکومت کے معاملات بادشاہ زیادہ جانتے ہیں۔

حتی الامکان سعی فرماتے، حسب موقع کھانا یا چائے ناشتہ سے تواضع فرماتے، چھوٹے بچوں بل کہ بڑوں کو بھی جیب سے کمینڈی چاکلیٹ وغیرہ پیش کرتے، خردوں کے سر پر دستِ شفقت رکھتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

شادی کا موقع ہوتو دلہا دلہن کو مبارک باد اور دعائیہ کلمات سے نوازتے اور کچھ نہ کچھ ہدیہ میں پیش فرماتے تھے۔

دوست احباب یا تعلق والوں میں سے کسی کے گھر کوئی حادثہ ہوتا یا وفات کی خبر ہوتی، اس کی تعزیت اور پرسا کے لیے تشریف لے جاتے، بیماروں اور پریشان حالوں کی عیادت اور دل جوئی فرماتے۔

مولانا رحمہ اللہ وسیع المطالعہ عالم تھے، مختلف مواقع پر مولانا جب خطاب کے لیے کھڑے ہوتے تو موقع کی مناسبت سے ایسی شستہ اور دل پذیر تقریر فرماتے کہ سامعین حیران ہوجاتے۔

مولانا میں مسلکی تعصب بالکل نہیں تھا، اس لیے مختلف اداروں کے ذمے داروں کی تشریف آوری کے موقع پر ان کی خوبیوں اور اچھی خدمات کو اجاگر فرماتے تھے اور فلاحِ دارین کی ترجمانی کا حق ادا فرماتے۔

دارالعلوم فلاحِ دارین میں ایک مرتبہ مالیگاؤں اور دیگر شہروں کے بعض شعرا کو دعوت دے کر ادبی مجلس منعقد کی گئی، جلسہ میں تمہیدی کلمات کے لیے مولاناؒ کو دعوت دی گئی تو ادب اور اردو زبان اور شعر شاعری پر ایسی بصیرت افروز اور پُر از معلومات گفتگو فرمائی کہ مہمان ادبا اور شعرا بھی بہت محظوظ ہوئے اور مولانا کی وسعتِ

معلومات اور زبان دانی کی تعریف کرنے لگے۔(۱)

ایک مرتبہ احمد آباد کے تین پروفیسر صاحبان مدرسہ کے مہمان ہوئے، عربی زبان کی درسی کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں وہ تشریف لائے تھے، تین روزہ قیام میں ایک روز مولانا نے ادبی مجلس بھی رکھی اور مختلف طلبا کو علامہ اقبال، جگر اور دوسرے شعرا کی نظمیں یاد کرا کر پیش کیا، خود مولانا نے پُرمغز تقریر فرمائی۔ مہمان پروفیسر صاحبان بہت متاثر ہوئے، ایک محترم فرمانے لگے ہم تو مولوی صاحبان کو بالکل خشک مزاج سمجھتے تھے؛ مگر یہاں کے تین روزہ قیام میں ہماری رائیں بدل گئیں اور ہمارے دل میں ان مدارس اور علما کی قدر بڑھ گئی۔

دارالعلوم فلاحِ دارین کے انگریزی کے استاذ مرحوم ماسٹر موسیٰ گورا صاحبؒ(۲) علی گڑھ یونی ورسٹی کے تعلیم یافتہ اور مطالعہ کے شوقین شخص تھے، اکثر عصر کے بعد مولانا مرحوم کے کمرہ پر تشریف لے جاتے اور مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا تو مولانا ان کو مطمئن کرتے، کبھی اقبالیات پر بات ہوتی تو مولانا کی اقبال شناسی کے جوہر کھلتے۔

اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو تقریر کے ساتھ تحریر کا بھی سلیقہ عطا فرمایا تھا، استقبالیہ خطبہ ہو یا تعزیتی تجاویز، بہت شستہ اور سلیس زبان میں تحریر پیش کرتے اور موضوع کا حق ادا فرماتے، اپنے طلبہ کی تحریری خدمات کو سراہتے اور ہمت افزائی فرماتے، مختلف

---

(۱) اس کا کچھ نمونہ مولانا مرحوم کی ایک کتاب ''مدحتِ رسول ﷺ'' کے مقدمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ماسٹر حاجی موسیٰ گوراڈیسائی صاحبؒ کا انتقال ۱۹۸۶ء میں تقریباً ۸۱/سال کی عمر میں ہوا اور ترکیسر میں محوِ خواب ہیں۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً!

اوقات میں سیمینار منعقد کر کے طلبا سے مقالات لکھواتے اور ان کو انعامات دلواتے اور اس طرح کتنے طلبا کی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔

وقت کے سلگتے مسائل پر مقالات لکھوا کر طلبا کو مسائل حاضرہ پر جواب دینے کے قابل بناتے۔ الحمدللہ! کئی اہلِ علم جوان سیمیناروں (مجلسِ مذاکرہ) میں بطور مہمانانِ خصوصی تشریف لاتے، اپنی دلی مسرت کا اظہار فرما کر مبارکباد پیش کرتے۔

مولانا مرحومؒ نے دارالعلوم دیوبند میں فارسی سے دورہ تک مکمل تعلیم حاصل کی، دارالعلوم کا پانچ سالہ فارسی نصاب محنت سے پڑھا تھا، اس لیے فارسی زبان میں وہ بہت ممتاز تھے۔ ناچیز کو جب بھی کسی فارسی لفظ کی تحقیق کرنی ہوتی مولانا کے پاس پرچہ لکھتا اور مولانا فوراً اس کے معنی کی وضاحت لکھ کر بھیج دیتے۔ مولانا مرحوم کو مثنوی شریف سے بھی خاص لگاؤ تھا، بعض شوقین طلبہ کو اپنے کمرہ پر مولانا روم رحمہ اللہ کی یہ پراثر مثنوی شریف کا درس دیتے تھے۔(۱)

(۱) احقر کی ناقص معلومات کے مطابق حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے دومرتبہ مثنوی کا درس دیا ہے۔ ایک ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ء میں، یہ درس دو سال تک جاری رہا اور اس درس کے شرکا میں حضرت قاری مفید الاسلام صاحب فلاحی کلکتوی، حضرت مولانا تصور صاحب اندوری، حضرت مولانا نذیر صاحب ٹنکاروی، حضرت مولانا داؤد صاحب واوڑا، حضرت مولانا احمد صاحب سملکی اور حضرت مولانا اسماعیل اَسمال صاحب وغیرہ حضرات ہیں۔ عبارت کی خواندگی حضرت مولانا اسماعیل اسمال صاحب نے فرمائی، یہ درس عصر کی نماز کے بعد حضرت کے مستقر پر ہوتا۔ دوسری دفعہ ۲۰۰۰ء میں کچھ ماہ کے لیے حضرت کا درس ہوا جو حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن صاحب ندوی، حضرت مفتی سلیمان صاحب شاہوی اور حضرت مولانا صلاح الدین صاحب سیفی کی درخواست پر شروع ہوا۔ اِن حضراتِ ثلاثہ کے علاوہ جناب مفتی انور صاحب کوکنی جو اُس سال درجۂ افتا کے سال دوم کے طالب علم تھے، اُنہوں نے بھی شرکت فرمائی اور عبارت کی خواندگی کا شرف حاصل فرمایا۔ پہلے درس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دو سال تک جاری رہا اور مثنوی کا کافی =

اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو کئی بار حج وعمرہ کی سعادت بخشی؛ مگر ہر بار مولانا سفر کو مخفی رکھتے رہے۔ بعض مرتبہ بمبئی سے روانگی کے بعد ہمیں علم ہوتا کہ حضرت حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے ہیں، ان مبارک سفروں سے واپسی کے بعد بھی بہت کم اس کا تذکرہ فرماتے۔

ایک مرتبہ مولانا عمرہ کے لیے تشریف لے گئے، یہ ناچیز یہاں کینیڈا میں تھا، اطلاع ملنے پر مولانا کو مبارک بادی اور اس سعادت پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے مکتوب ارسال کیا، مجھے یاد نہیں کہ میں نے خط میں کیا لکھا تھا؛ مگر مولانا کا جواب آیا تو تحریر فرمایا کہ آپ کے خط نے میرے دل کو بہت متاثر کیا اور میں بہت دیر تک روتا رہا۔ اللہ اللہ!! بیت اللہ شریف اور روضۂ اقدس کے ساتھ کیا والہانہ تعلق تھا کہ اس کے ذرا سے تذکرہ نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑ دیا اور یہ بے تابی پیدا کردی ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

غرض یہ کہ مولانا محدث تھے، مفسر تھے، فقیہ تھے، بہترین خطیب تھے، صاحبِ قلم تھے، بہترین منتظم تھے، اخلاق وشرافت، تواضع اور نرم خوئی کا اعلیٰ نمونہ

= حصہ پڑھایا گیا، اس کے مقابلہ میں دوسری دفعہ کا درس گرچہ طویل مدت تک جاری نہ رہ سکا لیکن اس میں فلاحِ دارین کے اساتذۂ کرام نے شرکت فرمائی تھی اِس حیثیت سے یہ درس خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ بہر حال دونوں درس میں حضرتؒ بڑے اہتمام سے شرکت فرماتے، مثنوی شریف کے رموز ونکات، علوم ومعارف اور روحانی پہلوؤں کو باریک بینی سے اُجاگر فرماتے۔ اللہ کرے یہ درس کسی کے پاس محفوظ ہو تو حضرت کے روحانی اور سلوکی افادات کا بیش بہا ذخیرہ ثابت ہوگا۔ (احقر اسماعیل غفرلہ)

تھے، ایسے ہی باکمال لوگوں کے لے کہا جاتا ہے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وَر پیدا
(اقبال)

اور عربی شاعر کی یہ بات بھی مولاناؒ پر ثابت ہوتی ہے کہ ۔

و ما كان قيس هلكه هلك واحدٍ و لكنه بنيان قوم تهدما

حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ(۱) کی وفات پر ان کے ایک مخلص نے اپنے ایک

---

(۱) **حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ:** حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے صاحب زادے اور حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے برادرِ کبیر ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۱۸ء میں مئو میں ہوئی۔ بیشتر تعلیم مفتاح العلوم مئو میں حاصل فرمائی۔ یہاں کے اساتذہ میں محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۳۸ء میں دیوبند سے سندِ فضیلت حاصل فرمائی، یہاں آپ نے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، حضرت شیخ الادبؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ وغیرہ اکابر سے کسبِ فیض فرمایا۔ ۱۹۴۴ء میں مئو کے D.A.V کالج سے B.A کا ایکزام پاس کر کے عصری علوم میں بھی مہارت حاصل فرمائی۔ اس کے بعد بلیا کے ایک مدرسے میں صدر مدرس ہو گئے؛ مگر مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے حکم پر ۱۹۶۲ء میں آپ نے فاضلِ طب کیا اور حضرت کے حکم پر جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں درخواست دی؛ چناں چہ وہاں کے لیے آپ منتخب ہو گئے۔ جون ۱۹۶۳ء سے جامعہ طبیہ دیوبند میں طبی درس و تدریس کا آغاز فرمایا اور تیئیس سال تک مسلسل یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۸۶ء میں جب جامعہ طبیہ کو بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو آپ کو شیخ الہند اکیڈمی میں منتقل کر دیا گیا، جہاں ۱۹۸۸ء تک خدمات انجام دے کر سبک دوش ہوئے۔ آپ نے کئی مفید کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں ''امراضِ صدر، وصی ڈکشنری اور سنگم'' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ثانی الذکر کتاب ایک طبی لغت ہے جو ۲۰۰۳ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے۔ اور ثالث الذکر سہ لسانی اردو عربی انگلش ڈکشنری ہے جو ۲۰۰۵ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکی ہے، ان کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں آپ کے قلم سے وجود میں آئی ہیں۔ حکیم صاحب کا انتقال ۱۹؍رمضان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۰۹ء کو ہوا۔ رحمه الله رحمةً واسعةً!

مضمون میں مندرجۂ ذیل اشعار لکھے تھے جو ہمارے دل کی بھی ٹھیک ترجمانی کررہے ہیں، ان کو نقل کرکے بات ختم کرتا ہوں ؎

صبر کا اب اور کیا ہوگا ہمارا امتحان
دور ہیں آنکھوں سے کل تک تھے سب کے درمیان
ان کے جیسا کوئی دوسرا نظر آتا نہیں
غم گسار و مونس و ہمدرد و مخلص و مہرباں
ہو گئے آنکھوں سے اوجھل ماہِ تاباں علم کے
رہ گئی ہونٹوں پر اب تو صرف ان کی داستاں
وقت ان کا آ گیا تھا ، ان کو جانا ہی پڑا
جو بھی کوشش کی معالج نے ، گئی وہ رائیگاں
جنت الفردوس میں آرام فرما آج ہیں
نیک سیرت ، پاک دل ، غمخوار و مونس ، مہرباں

حضرت مولاناؒ نے اپنے پس ماندگان میں نسبی اولاد میں حافظ وعالم فرزند مولوی جنید سلمہٗ (۱) اور..

(۱) **حضرت مولانا سید جنید احمد صاحب مدظلہ:** حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ کے چھوٹے صاحب زادے ہیں۔۱۲؍دسمبر۱۹۷۳ء کو مدھیہ پردیش کے تاریخی قصبہ 'نرور' میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنی والدہ ماجدہ اور حافظ مختار صاحب فتح پوریؒ سے حاصل فرما کر ۱۹۸۵ء میں دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں جناب حافظ محمد چوہان صاحبؒ کے پاس حفظ کی تکمیل فرمائی۔عالمیت کی تعلیم بھی اسی مدرسے میں حاصل فرما کر ۱۹۹۵ء میں سندِ فراغت حاصل فرمائی۔آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ، حضرت مولانا شیر علی صاحب افغانیؒ، حضرت مولانا سید

ذوالفقار احمد صاحب نوریؒ، حضرت مولانا یعقوب گوراصاحبؒ، حضرت مفتی اسلم صاحب مدظلہٗ وغیرہ علما و مشائخ ہیں۔ دارالعلوم فلاحِ دارین سے رسمی فراغت کے بعد ۱۹۹۶ء میں تقریباً ایک سال حضرت مولانا مفتی حنیف صاحب جون پوریؒ کی صحبت میں رہے، جہاں مشقِ فتاویٰ نیز کتبِ فتاویٰ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تخریج احادیث کا ملکہ بھی پیدا فرمایا، پھر ۱۹۹۷ء میں ''المعہد العالی الاسلامی'' حیدرآباد تشریف لے جاکر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ کی صحبت میں رہ کر فتاویٰ کی مشق بہم پہنچائی۔ ۱۹۹۸ء سے ایم پی کے مشہور ادارہ دارالعلوم سینڈھوا میں مدرس ہوئے اور قدوری، نورالایضاح، اصول الشاشی وغیرہ کتابیں پڑھائیں، پھر ایک سال جامعہ پیتھم پور اندور چوپاٹی میں قیام فرما کر نورالانوار، علم الصیغہ وغیرہ کتابوں کی کامیاب تدریس فرمائی۔ اس کے بعد کچھ اور خدمت انجام دینے کے بعد اندور ہی میں مقیم ہیں اور پلاسیہ مسجد میں خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اندور میں قیام کے دوران آپ کے قلبِ حساس نے امت کی زبوں حالی اور اخلاقی اَنارکی کو دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ لیا کہ تعلیم و تدریس کے کام کو کچھ مدت کے لیے موقوف کر کے امت کے ایمان کی فکر کی جائے؛ چناں چہ آپ نے یہاں کی مسجد میں قیام فرما کر مستقل دعوتی کام کا آغاز فرمایا، اِس راہ میں آپ نے بڑی مشکلات کا سامنا کیا؛ مگر الحمدللہ! آج آپ کی محنتیں رنگ لائیں؛ چناں چہ ایم پی کے چپے چپے پر آپ کی قربانیوں کے آثار نمایاں ہیں۔ باوجود یہ کہ آپ کسی ادارے سے متعلق نہیں ہیں، نیز نہ کسی کے تنخواہ دار ملازم ہیں، پھر بھی متوکلاً علی اللہ دین کی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور الحمدللہ! دنیا سے بے زاری کے باوجود تقریباً ۹ ملکوں کا سفر فرما چکے ہیں۔ آپ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے مدعوِ خصوصی، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کے رکنِ تاسیسی، ملی کونسل آف مدھیہ پردیش کے سرپرست، مجلسِ اتحادِ امت کے بانی و سرپرست، سراجٌ منیر ٹرسٹ کے بانی و صدر اور کئی دینی و ملی تنظیموں کے معزز رکن ہیں۔ تحفظِ ختمِ نبوت کا مشن آپ کی زندگی کا سب سے اہم منشور ہے، جس کے تحت ملک بھر کے دورے فرماتے رہتے ہیں اور اِس حوالے سے ہزاروں کیلومیٹر کا سفر فرما چکے ہیں۔ مصدقہ معلومات کے مطابق گوالیار کے علاقہ میں تقریباً اَسّی فیصد قادیانیت و شکیلیت کے جراثیم پھیل چکے تھے، لیکن آپ کی محنتوں کی برکت سے الحمدللہ یہ وَبا تقریباً پورے علاقے سے ختم ہوتی جارہی ہے۔ نیز ''سراجٌ منیر ٹرسٹ'' کے تحت کئی مکاتب کا قیام اور مدرسین کی تنخواہ، مساکین و بیوگان کی امداد کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مختصر عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں سے زبردست خدمات لی ہیں۔ آپ کی زیارت کرنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مشین ہے جو دَمادَم فتوے جاری کر رہی ہے، مشورے دے رہی ہے، فیصلے کر رہی ہے، صلح مابین الناس کا فریضہ انجام دے رہی ہے اور سیاسی، دینی، ملی، طبی اور دنیوی مسائل میں مشورے دے رہی ہے اور متعلقین کی رہ نمائی کر رہی ہے۔ غرض! آپ کی زندگی کا ایک ایک پل قوم و ملت کی خدمت کے لیے آپ نے وقف فرما رکھا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زمینی سطح پر آپ جیسے اخلاص و للّٰہیت سے کام کرنے والے افراد بہت کم دیکھے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں بعافیت برکت عطا فرمائے اور آپ کی خدمات سے امت کو مدتِ مدید تک فیض پہنچاتا رہے۔ آمین!

...........میاں سہیل سلمہٗ (۱) کو چھوڑا ہے، جو امامت وخطابت اور تعلیم وتعلّم کے مبارک مشغلوں میں لگے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو استقامت کے ساتھ اپنے عظیم والد کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق کے ساتھ دین کی خدمت میں مشغول رکھے۔ان کے علاوہ مولانا نے سیکڑوں روحانی اولاد بھی چھوڑی ہے جو دنیا کے مختلف خطوں میں عظیم الشان خدمات انجام دے رہی ہے، یقیناً یہ مولاناؒ کے لیے بہت بڑا صدقۂ جاریہ ہے۔

اللّٰهم اغفرله وارحمه وأمطر عليه شآبيب رحمتك ورضوانك، و أدخله في أعلى الجنة جنة الخلد برحمتك وفضلك يا أرحم الراحمين. و صلى الله تعالیٰ على شفيع المذنبين وخاتم النبيين وعلى اٰله وأصحابه أجمعين، اللّٰهم وفقنا جميعا لما تحب وترضى، واجعل آخرتنا خيرًا من الأولى. آمين يا رب العالمين!

عبداللہ غفرلہ کاپودروی

---

(۱) آپ حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ کے فرزندِ اکبر ہیں۔آپ نے گوالیار یونی ورسٹی سے اردو وانگلش سے ایم اے کر رکھا ہے۔۱۹۹۰ء سے 'نروز' میں اسکول ٹیچر کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔فی الحال اپنا ایک پرائیویٹ اسکول بھی چلاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ کالج میں تدریس بھی فرمارہے ہیں۔ماشاء اللہ! متواضع شخصیت کے حامل ہیں۔اللہ تعالیٰ خوش وخرم رکھے۔آمین!

آہ! مفتی اسماعیل صاحبؒ

نَجُمٌ تَعَلَّقَ ثُمَّ هَوَىٰ (ایک ستارہ چمکا اور پھر چھپ گیا)

اس عالمِ رنگ و بو کے بارے میں اس کے خالق و مالک کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ یہاں کسی چیز کو بھی بقا نہیں ہے۔ کُلُّ مَنْ علیها فانٍ و یبقٰی وَجه رَبك ذوالجلال و الإکرام (الرحمٰن: آیت:۲۶،۲۷) — انسان، حیوان، نباتات، جمادات سب پر یہ قانون جاری رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ مقرب اور محبوب ہوتے ہیں؛ مگر ان کا بھی وقت مقرر ہوتا ہے اور اجلِ مسمیٰ مکمل ہونے پر اپنے رب کے پاس پہنچ جاتے ہیں ؎

انساں کو چاہیے کہ خیالِ قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسولِ خدا رہے (میر انیس)

مذکورہ حقیقت کے اعتراف کے باوجود انسان اپنے کسی اہلِ تعلق کی جدائی اور اس عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف سفر کی خبر سنتا ہے تو رنج و غم میں ڈوب جاتا ہے۔

عرب کے مشہور شاعر ابو العتاہیہ نے صحیح کہا ہے ؎

وَ مَا الْمَوْتُ إِلَّا رِحلَةٌ غَيرَ أَنَّهَا ☆ مِنَ الْمَنزِلِ الْفَانِيُ إِلَى الْمَنزِلِ الْبَاقِيُ(۱)

(۱) ترجمہ: موت ایک سفر ہی ہے، بس صرف فرق اتنا ہے کہ یہ سفر دارِ فانی سے دار البقا کی طرف ہے۔

مگر یہ مسافرِ آخرت پسماندگان کے قلب کو رنجیدہ کر دیتا ہے، حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتا ہے۔ اور یہ ایک رحمت و محبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل میں پیدا فرمائی ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر سنتے ہی دل کو شدید صدمے کا احساس ہوا؛ حالاں کہ ان کے مرض کے احوال ملتے رہتے تھے، بار بار زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلتے رہے۔

مرحوم مفتی صاحب ہم سے عمر میں چھوٹے تھے؛ مگر ان کے علمی ذوق اور اخلاص ومحبت کے جذبات کی وجہ سے دل میں بہت زیادہ قدر واحترام رہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فقہ، حدیث شریف اور دیگر علومِ اسلامیہ میں ان کو بڑا حصہ عطا فرمایا تھا۔ ایک طرف درسِ حدیث میں انہماک تو دوسری طرف فقہ وفتاویٰ میں مشغولیت کی وجہ سے انہوں نے اپنے ہم عصروں میں اچھا مقام پیدا کر لیا تھا۔

علمی میدان میں اس بلند مقام پر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع اور انکساری کے قیمتی جوہر سے نوازا تھا۔ اگر انسان کو دین کی صحیح سمجھ ہو، اس کو تفقہ حاصل ہو، اور اس کے ساتھ اس کے دل میں خشیت اور تواضع ہو تو وہ یقیناً بلند مرتبہ کا انسان سمجھا جاتا ہے۔ اور ایسے افراد ہی امت کے لیے قابلِ قدر سرمایہ ہوتے ہیں، مفتی صاحب بھی امت کا قابلِ قدر سرمایہ تھے۔

اس لیے ان کی وفات نہ صرف ان کے اہلِ خاندان کے لیے؛ بل کہ پورے علمی حلقے کا عظیم نقصان اور خسارہ ہے۔ فإنا لله وإنا إليه راجعون!

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت بہتر جانتے ہیں، ورنہ امت کے لیے یہ مسلسل صدمات بہت ہی دل گداز اور پریشان کن ہیں۔ مولانا عبد الرحیم صاحب متالاؒ (۱) خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی اچانک وفات، مفتی صاحب کی جدائی اور ابھی ابھی خبر آئی ہے کہ مولانا عبداللہ الحسنیؒ ایسے داعی الی اللہ بھی ہم سے رخصت ہو گئے۔

إنا لله و إنا إليه راجعون!

اللّٰهم اغفرلهم وارحمهم، وأمطر عليهم شأبيب رحمتك و رضوانك يارب العالمين!

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ بلند منصب ملنے پر یا لوگوں میں مقبولیت پیدا ہونے پر اپنے بڑوں اور اساتذہ کو نظر انداز کر دیتے ہیں، اور اپنے محسنوں کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کرتے۔ مگر حضرت مفتی اسماعیل صاحب رحمہ اللہ کو دیکھا کہ

---

(۱) حضرت مولانا عبدالرحیم بن سلیمان متالا صاحبؒ: قطبِ افریقہ، فاضل ''جامعہ حسینیہ راندیر'' و ''مظاہر علوم سہارنپور'' بانی ''معهد الرشيد الإسلامي'' چیپاٹا، مُجاز بیعت حضرت شیخ الحدیثؒ۔ ''ورتھی ضلع سورت'' میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد صوفی عبدالغفور صاحب، مُجاز حضرت کشمیریؒ کے خلیفہ تھے۔ اُن پر حالتِ جذب طاری ہو جانے سے ''نرولی'' ننھیال میں منتقل ہو گئے، اور وہیں پروان چڑھے۔ آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے دوبار بخاری شریف پڑھی۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے کاتب، معتمد اور محبوب ترین شاگرد ہونے کی وقیع نسبتوں کے حامل تھے۔ آپ کے ساتھ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی محبت کا اندازہ ''محبت نامے'' کی تین جلدوں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کی کتبِ حدیث کو مصر و بیروت سے سب سے پہلے طبع کرانے کا سہرا آپ ہی کے سر جاتا ہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ ہی کی ایما پر ''زامبیا'' میں ''دارالعلوم'' قائم کیا، جہاں آپ شیخ الحدیث بھی رہے۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے درسِ بخاری کے افادات ''سراج القاری'' کے نام سے مرتب کرائے جو آپ کے بے مثل کارناموں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ افسوس! ۹ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو یہ آفتابِ علم وفضل السلام علیکم کہتے ہوئے غروب ہو گیا۔

بار بار اپنے اساتذہ اور جن سے تھوڑا بہت بھی استفادہ کیا ہو، بہت احترام اور جذبۂ تشکر سے ان کا ذکر فرماتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب آنند میں زیرِ تعلیم تھے، ہدایہ کے تکرار میں جہاں مشکل پیش آتی فوراً مدرسے کے قریب مولانا سلیمان کاپودرویؒ(۱) کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ مولانا مرحوم جید الاستعداد عالم تھے؛ مگر معمولی تجارت پر گزارہ کرتے تھے۔ فقہ اور دیگر کتب پر گہری نظر تھی، طلبا سے عبارت سنتے اور مسئلے کی وضاحت فرما دیتے تھے۔ مفتی صاحب مرحوم نے ناچیز کو بارہا سنایا کہ ہم نے کئی مقامات مولانا سلیمان کاپودروی رحمہ اللہ سے حل کیے ہیں۔

مولانا سلیمانؒ کی زندگی میں مفتی صاحب کاپودرا آکر ان سے ملتے اور ان کی وفات کے بعد ہمیشہ ان کے لیے کلماتِ خیر اور دعائیہ جملے ارشاد فرماتے تھے۔

---

(۱) حضرت مولانا سلیمان پانڈور صاحب کاپودرویؒ: ''کاپودرا ضلع بھروچ'' کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد حضرت تھانویؒ سے بیعت تھے، جس کی برکت سے روزانہ ''مواعظِ تھانوی'' اور ''مثنوی شریف'' کی تعلیم ہوتی، جس میں لوگ ذوق وشوق سے شریک ہوتے۔ ''جامعہ ڈابھیل'' سے فراغت حاصل کی۔ ''کھیڑا'' اور ''آنند'' میں برسوں مقیم رہے۔ فقہی جزئیات پر بڑا عبور حاصل تھا، نحو وصرف پر بھی کامل دستگاہ تھی۔ ''آنند کے قیام کے دوران ''دارالعلوم آنند'' کے طلبا آپ سے استفادہ کرتے رہے۔ فارسی زبان پر اس درجہ قدرت تھی کہ مثنوی کے طرز پر اشعار کہتے تھے۔ بڑے باوضع اور اصول پسند آدمی تھے۔ ستمبر ۱۹۸۴ء میں علم وفضل کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ کی شان میں کہے ہوئے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

عالمے سنجیدۂ زین روستاں — ہست در ترکیسر از اتقیا
عالمِ ربانی کردہ مقام — ہست در ترکیسر بر اہتمام
اہتمامش چست و در تدبیر تیز — باز دارد رائے او از رستخیز

اپنے بڑوں کی یہ احسان شناسی اب نئی نسل میں کم ہوتی جارہی ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی صلاحیت کا اندازہ اس ناچیز کو اس وقت ہوا جب ہم ''فقہ اکیڈمی'' کے جلسے میں مدراس شامل ہوئے، وہاں مفتی صاحب نے بحث میں حصہ لیا اور دلائل سے اپنی بات سمجھالی۔ جلسے کے بعد قاضی مجاہد الاسلام رحمہ اللہ نے بندے سے فرمایا ''یہ نوجوان اچھی صلاحیت رکھتے ہیں، ان کو لگائے رکھیں، انشاء اللہ اچھا کام کریں گے''۔

قاضی صاحبؒ کی بات بالکل صحیح ثابت ہوئی، جیسے بعد کے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کو جتنی مدت کام لینا تھا لیا گیا اور پھر اپنے پاس بلالیا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبولیت عطا فرماوے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے، اور ہم پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرماوے اور ہمارے دونوں اداروں(۱) کو نعم البدل عطا فرماوے۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے(۲)

ہم تو اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہیں گے۔

جزائے دائمی ملتی رہے خلاقِ عالم سے
کی نصرت اور اعانت تم نے دین احمدؐ کی

---

(۱) اس سے مراد ''دارالعلوم کنتھاریہ'' اور ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر'' ہیں، کہ اول الذکر میں موصوف صدر مفتی اور ثانی الذکر میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

(۲) اس شعر میں حیدر علی آتش اور امیر مینائی کے دو الگ الگ مصرعوں کو جوڑ دیا گیا ہے۔

امیر مینائی کا شعر ہے: ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اور خواجہ حیدر علی آتش کا مکمل شعر یوں ہے: نہ قبرِ سکندر، نہ ہے گورِ دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

باسمہ تعالیٰ

دارالعلوم دیوبند کے ایک ممتاز اور مایۂ ناز فرزند کی وفات

مؤرخہ ۲۰؍دسمبر ۲۰۱۷ء سہ پہر کو ناچیز حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہٗ کا ارسال کردہ سہ ماہی مجلّہ ''بحث ونظر'' کا مطالعہ کر رہا تھا کہ عزیزم مولانا اسماعیل سلمہٗ (۱) نے ایک دل دوز خبر سنائی جوفون پر بہ ذریعۂ واٹس ایپ پہنچی تھی کہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی قاسمیؒ (۲) کی ریاض سعودی عربیہ میں وفات ہوگئی۔

---

(۱) حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب مدظلہٗ: مفکرِ ملت حضرت کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ کے لختِ جگر، خادمِ خاص، مزاج شناس، سفر وحضر کے حاضر باش اور بزرگوں کے معتمد۔ ۴؍اپریل ۱۹۶۳ء میں پیدا ہوئے۔ ''فلاحِ دارین ترکیسر'' میں درجۂ عربی پنجم تک تکمیل ہی ہوئی تھی کہ ''انگلینڈ'' جا پہنچے۔ ۱۹۸۴،۸۵ء میں ''دارالعلوم بری'' سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد مادرِ علمی ہی میں عربی علوم کی تدریس کی، پھر ایک مدت تک ''بولٹن'' میں مدرس رہے۔ آپ کو حضرت مولانا اجمل صاحب قادری حفید حضرت لاہوریؒ، حضرت مولانا نعیم اللہ فاروقی نقش بندی دام ظلہٗ، حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحب جون پوری نوراللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی دام ظلہٗ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ، حضرت مولانا منیر احمد صاحب بمبئی، مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ اور ڈاکٹر تنویر احمد صاحب مُجاز حضرت مسیح الامتؒ سے اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ ۲۰۱۰ء سے یورپ کے عیش وآرام کو قربان کر کے اپنے آپ کو والد ماجد کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ فی الحال کاپودرا ہی میں مقیم ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند اور جامعہ حقانیہ کٹھور جیسے دینی اداروں کی رکنیت کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

(۲) ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحب اعظمی زیدت معالیہ: ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں بمقام مئو آنکھیں کھولیں۔ ۱۹۵۲ء میں ''دارالعلوم'' سے سندِ فضیلت حاصل کی، پھر مصر جاکر ''جامع ازہر'' کی "كلية اللغة العربية" سے سندِ عالمیت واجازتِ تدریس حاصل فرمائی۔ ۱۹۶۴ء میں انگلینڈ جاکر ''کیمبرج یونی ورسٹی'' سے متعلق ہوکر ''دکتورہ'' کیا۔ ''جامعۃ الملک سعود'' ریاض میں اصولِ حدیث کی تدریس فرمائی۔ چند سال قطر میں بھی مقیم رہے۔ الکمبیوتر و استعماله في خدمة =

اس خبر کو سنتے ہی دل پر رنجم وغم چھا گیا اور بار بار ''انا للہ......'' کے الفاظ دہراتا رہا، ذہن پر پچھلے ۵۶/سال کی یادیں تازہ کرتا رہا۔

ناچیز ۴۹-۱۹۴۸ء میں دارالعلوم دیوبند پہلی مرتبہ آیا اور کنز الدقائق وغیرہ کتابوں میں شامل ہوا، میرے ایک رفیقِ درس جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں عربی درجۂ اوّل میں میرے ہم سبق تھے، مجھ سے پہلے دارالعلوم آچکے تھے، بندہ اکثر ان ہی کے کمرہ میں بیٹھتا تھا، دارالعلوم کے صدر دروازہ سے داخل ہوتے ہی بائیں جاتے ہوئے ایک زینہ تھا' وہیں ان کا قیام تھا، ان کا اسم گرامی اسماعیل عبدالرزاق افریقی تھا، وہ بھی دارالعلوم کے ممتاز طلبہ میں شمار ہوتے تھے۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ بھی دارالعلوم میں درجۂ علیا میں طالب علم تھے اور دارالعلوم کے بہت ذہین طلبہ میں ان کا شمار ہوتا تھا، امام المنطق والفلسفہ حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ کے پاس صدرا اور شمس بازغہ کے اسباق ہوتے تھے، مولانا محمد مصطفیٰ صاحب ان اسباق میں شریک تھے۔

مولانا ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمیؒ انگریزی زبان سیکھنے کے لیے مولانا اسماعیل افریقی کے پاس اکثر آتے تھے، بندہ بھی وہاں موجود رہتا تھا، اس لیے اکثر ان سے بے تکلف مجلسیں ہوتی تھیں، دارالعلوم ہی کے قیام کے زمانے میں مولانا محمد مصطفیٰ

= السنة النبوية، تحقيق العلل لابن المديني، تحقيق صحيح ابن خزيمة، كُتَّاب النبي صلى الله عليه و سلم، دراسات في الحديث النبوي و تاريخ تدوينه، منهج النقد عند المحدثين مع تحقيق كتاب التمييز للإمام مسلم رحمه الله جیسے شاہ کار آپ کے قلم سے نکل کر علمائے عرب وعجم سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔

(الموسوعة العربية العالمية)

صاحب نے .M.A کا امتحان دیا تھا اور اس میں کامیاب ہوئے تھے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد ان کا علمی سفر جاری رہا اور انہوں نے مصر جاکر تعلیم حاصل کی، جمال عبدالناصر کے دور میں اخوان کے ممبروں کی گرفتاری شروع ہوئی اور مولانا محمد مصطفیٰ صاحبؒ بھی شدید آزمائش سے گزرے، خدا خدا کر کے وہ مصر سے باہر نکلے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۱۹۵۵ء میں انہوں نے مصر سے .M.A کی ڈگری حاصل کرلی تھی۔

اس کے بعد ان کے بعض رُفقا کی وساطت سے - جو مصر میں ان کے ساتھ تھے - قطر پہنچے اور وہاں کی پبلک لائبریری میں خدمات انجام دینے لگے۔ قطر کے قیام کے زمانے میں بھی انہوں نے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا؛ چناں چہ ۱۹۶۶ء میں برطانیہ جاکر وہاں کی مشہور یونی ورسٹی کیمبرج میں داخل ہوئے اور حدیث کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی، پھر کچھ مدت قطر میں رہ کر ۱۹۶۸ء میں سعودیہ تشریف لائے اور وہاں کی معروف درس گاہ ''جامعہ ام القریٰ'' میں مساعد پروفیسر کی ذمے داری سنبھالی۔

مولاناؒ اپنی ذہانت اور خوش خلقی کے سبب مقبولیت حاصل کرتے رہے، ۱۹۷۳ء سے ۱۹۹۱ء تک ریاض میں ملک سعود یونی ورسٹی میں مصطلحات الحدیث کے پروفیسر رہے، جس زمانے میں مولاناؒ ''جامعہ ام القریٰ'' میں خدمت انجام دے رہے تھے، بندہ کا براہِ عراق واردُن سعودیہ کا سفر ہوا، ایک روز بازار کے قہوہ خانہ میں مولاناؒ کو باہر کرسی پر بیٹھا دیکھ کر ان کے پیچھے گیا اور دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے، وہ اچانک اس طرح آنکھوں پر ہاتھ رکھنے سے حیرت زدہ ہوئے اور '' مَــن ؟ مَـن؟''

پکارنے لگے، بندہ نے ہاتھ چھوڑ کر ملاقات کی تو بغل گیر ہو کر پاس بٹھایا، احوال پوچھتے رہے اور عربی چائے سے تواضع فرمائی۔

پھر دوسرے ایک سفر میں بندہ نے ان کو مسجدِ نبوی شریف میں روضۂ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہوئے دیکھا، مغربی چوغہ زیب تن تھا اور بہت خشوع کے ساتھ سلام پڑھ رہے تھے، بندہ ان کا انتظار کرتا رہا، جب وہ فارغ ہوئے تو ملاقات کی اور بہت مسرت کا اظہار فرمایا۔

مولاناؒ ریاض سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی دعوت پر کچھ طلبہ کے امتحان کے لیے تشریف لائے تھے اور جامعہ کی طرف سے ایک ہوٹل میں مقیم تھے، بندہ نے عرض کیا کہ مجھے بھی جامعہ اسلامیہ کی زیارت کی تمنا ہے، فرمایا کہ آپ صبح آٹھ بجے ہوٹل تشریف لے آئیں اور ہم ساتھ ہی گاڑی میں جامعہ جائیں گے، بندہ مقررہ وقت پر ہوٹل پہنچا اور ان کی معیت میں جامعہ پہنچا، ان کے استقبال کے لیے جو لوگ موجود تھے، ان میں سے ایک صاحب سے کہا کہ ''یہ میرے دوست ہیں، ان کو جامعہ کی زیارت کا شوق ہے تو آپ ان کی رہ نمائی کریں''؛ چناں چہ میں ان کے ساتھ گیا اور ڈاکٹر صاحبؒ اپنے کام کے لیے تشریف لے گئے۔

اس کے بعد ایک طویل عرصے تک ان سے ملاقات نہ ہوسکی؛ البتہ ۲۰۱۴ء میں پھر عمرہ کے لیے سفر ہوا تو عزیز محترم مولانا ارشد اعظمی (۱) سے ملاقات ہوئی، مولانا دارالعلوم فلاحِ دارین میں مدرس رہ چکے تھے، بہت محبت اکرام سے ملے اور اپنے

(۱) سابق استاذ عربی دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر و حال مقیم مکہ مکرمہ۔

مکان پر کھانے کی دعوت دی؛ چناں چہ وہاں حاضری ہوئی تو ان کے گھر سے بذریعۂ فون ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صاحبؒ سے خیر و عافیت دریافت کی، ڈاکٹر صاحب علیل تھے؛ مگر اس بات سے خوش ہوئے کہ فون سے بات چیت ہوئی، بس یہ ان سے آخری ملاقات تھی، اور یہ افسوس ناک خبر آئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ گئے۔

إنا لله و إنا إليه راجعون!

موت سے کس کو رستگاری ہے؟
آج وہ، کل ہماری باری ہے
(شوق لکھنوی)

اللہ تعالیٰ مرحوم کی علمی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین!

مولاناؒ کی تحقیقی اور عظیم علمی خدمات یہ ہیں کہ انہوں نے انگریزی میں ایک عمدہ کتاب لکھی، جس کا نام Studies in early Hadith literature ہے، پھر اس کا عربی ترجمہ "دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه" کے نام سے شائع ہوکر بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحبؒ نے مستشرقین کے اعتراضات کا علمی انداز میں رد کیا ہے، اس کے علاوہ مولاناؒ نے "صحیح ابن خزیمہ" کی تصحیح اور تعلیق فرما کر شائع فرمائی۔

جس زمانے میں مولاناؒ "صحیح ابن خزیمہ" کا کام کرنا چاہتے تھے، بندہ کے پاس ان کا گرامی نامہ آیا کہ اگر اس کتاب کا مخطوطہ احمد آباد یا پٹن میں ہو تو مطلع

فرمائیں، ناچیز نے تحقیق وجستجو کی؛ مگر کامیابی نہیں ملی، مولاناؒ کی محنت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مختلف کتب خانوں سے مخطوطات تلاش کرکے ان پر کام کرتے تھے، اس کے علاوہ بھی وہ کئی اہم مضامین مختلف مجلّات میں شائع فرماتے رہے۔ان کی ان ہی خدماتِ جلیلہ قیمہ کی قدر کرتے ہوئے انہیں ''ملک فیصل ایوارڈ'' عنایت کیا گیا، نیز ان کو سعودی نیشنالٹی بھی دی گئی، جس کے وہ مستحق تھے۔

مولاناؒ کی عمر ۸۰ سے متجاوز تھی اور عرصہ سے بیمار بھی رہتے تھے، آخر وقت موعود آ گیا اور جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

''يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً''

(سورۃ الفجر:۲۷-۲۸)

بندہ نے ایک مرتبہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ- جب کہ وہ دارالعلوم کے مہتمم تھے- سے عرض کیا تھا کہ دارالعلوم کو اپنے ممتاز فضلا کو سال میں ایک مرتبہ دارالعلوم میں بلا کر ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔ جنوبی افریقہ، ملاوی، پاکستان، بنگلہ دیش وغیرہ ملکوں میں کئی فضلا بلند مقام پر ہیں، دارالعلوم کو ان کے ساتھ ربط رکھنا چاہیے، حضرتؒ نے بندہ کی تائید فرمائی؛ مگر شاید عملی طور پر کچھ کام نہیں ہوسکا۔ ''لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَالِكَ أَمْرًا''!

بہرحال اب تو مرحوم کے لیے دعا ہی کرتے ہیں: ''اللّٰهم أمطر عليه شآبيب رحمتك ورضوانك، وأدخله في جنات النعيم بفضلك وكرمك، يارب العالمين. آمين!

ایک چراغ اور بجھا اور ہوا اندھیرا

حضرت مولانا محمد حسن بوڑھانویؒ(۱) فاضل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل رحلت فرما گئے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون!

مولانا محمد حسن بوڑھانویؒ ضلع سورت کے مشہور گاؤں بوڑھان کے باشندہ تھے، ان کی ولادت ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور اسکول میں حاصل کی، مولانا کے والد بہت دین دار اور صوم وصلاۃ کے پابند تھے، مولانا کی عمر ۱۲ر سال تھی اور والدِ محترم کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ ان کے والد مکرم اپنے دوستوں سے کہتے رہتے تھے کہ میرے بیٹے کو عالم بنانا ہے، والد صاحب تہجد کے لیے بیدار

---

(۱) **حضرت مولانا محمد حسن صاحب بوڑھانویؒ:** فاضل ''جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل''، تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، مُجاز حضرت فدائے ملتؒ۔ ۳۰ر ستمبر ۱۹۲۹ء میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی دینی تعلیم و فارسی گاؤں ہی میں مولانا موسیٰ صاحب تراجویؒ وغیرہ اساتذہ سے حاصل فرمائی۔ ۱۹۴۴ء میں ''جامعہ ڈابھیل'' میں درجۂ فارسی دوم میں داخلہ لے کر انتہائی محنت و جاں فشانی سے تعلیم کی تکمیل کی۔ ۱۹۵۲ء میں سندِ فراغ حاصل کی، اُس سال اپنی جماعت میں اول نمبر سے کامیابی حاصل فرمائی۔ بعدہٗ دیوبند جا کر حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بخاری و ترمذی شریف کی سماعت فرما کر خصوصی اجازت حاصل فرمائی۔ ایک سال حضرت مدنیؒ کی خدمت میں رہ کر باطنی فیوض کا اکتساب فرمایا۔ حضرت مدنیؒ، مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ اور مولانا عبد الرؤف صاحب پشاوریؒ وغیرہ اکابر علما آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ تقریباً ۱۷ر سال کوسمبا میں امامت وخطابت کے فرائض انجام دیے۔ ''انجمن اشاعتِ اسلام والسال'' کی طلب پر برطانیہ کا سفر فرمایا اور اب وہیں مقیم ہو کر مصروفِ افادہ ہیں۔ افسوس ہے کہ اتنی جلیل القدر شخصیت سے جامعاتِ عربیہ خدمات حاصل نہ کر سکے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے۔ آمین!

ہوتے تھے تو ان کو بھی بیدار کردیتے تھے اور یہ حفظ یاد کرتے تھے۔قرآن مجید مولانا حافظ موسیٰ ایمجیؒ کے پاس حفظ مکمل کرکے مزید تعلیم کے لیے گجرات کی مشہور درس گاہ ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین‘‘ ڈابھیل میں ۱۹۴۳ء میں داخل ہوئے۔ جامعہ ڈابھیل میں مولانا کے اساتذہ میں مولانا ابراہیم گودھرویؒ، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی، نیز مفتی اسماعیل بسم اللہ رحمہ اللہ(۱) کے نام شامل ہیں۔

مولانا محمد حسن ابتدا سے دورۂ حدیث تک ایک محنتی، پابندِ شریعت اور اساتذہ کے منظورِ نظر رہے، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو بہترین ذہانت اور حافظہ عطا فرمایا تھا اور شروع سے تقویٰ وطہارت کے ساتھ مدرسہ میں مقبول طالب علموں میں شمار ہوتے تھے۔

راقم الحروف کا جب مشکاۃ شریف کا سال تھا اس وقت مولانا دورۂ حدیث میں تھے اور جامعہ کے دارالاقامہ میں کمرہ (۴۲) میں ہمارا ایک ساتھ قیام تھا، مولانا ہمیشہ خوش مزاج اور رفقا کے ساتھ محبت کے ساتھ رہتے تھے۔ جامعہ میں اس وقت طلبہ کو مطبخ سے کھانا تقسیم ہوتا تھا، ہر کمرے کے طلبہ باری باری کھانا لاکر ساتھ کھاتے تھے اور برتن بھی باری باری صاف کرتے تھے، مولانا باوجود اعلیٰ صلاحیت کے کمرے کی صفائی اور برتن کے دھونے میں کبھی عار نہیں محسوس کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ اور مولانا عبدالرؤف پشاوریؒ(۲) کے پاس

(۱) حضرت مولانا فضل الرحمٰن دیوبندیؒ اور حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمہ اللہ کے احوال کے لیے مصنف کی مقبول کتاب ’’رشد وہدایت کے منار‘‘ صفحہ ۴۳ اور ۵۳ کی مراجعت فرمائیں۔

(۲) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور مولانا عبدالرؤف صاحب پشاوریؒ کے احوال کے لیے مراجعت فرمائیں ’’رشد وہدایت کے منار‘‘ صفحہ ۵۹، ۵۶۔

بخاری شریف کا سبق ہوتا تھا، دونوں اساتذہ مولانا پر خاص توجہ فرماتے تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ ہر شب جمعہ سورت اور بھروچ ضلع کے مختلف مقامات پر وعظ کے لیے تشریف لے جاتے تھے، مولانا کے وعظ بہت مقبول تھے، اس لیے اچھا خاصا مجمع ہو جاتا تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ از راہِ کرم مولانا حسن صاحب اور اس ناچیز کو سفر میں ساتھ لے جاتے تھے۔ اور ہماری تربیت کے لیے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ سے پہلے تلاوت کے بعد ہم دونوں کو پندرہ پندرہ منٹ تقریر کرنے کا حکم فرماتے تھے، حضرت رحمہ اللہ کی اس عنایت کا ہم دونوں کو بہت فائدہ پہنچا۔

فجزاهم الله أحسن الجزاء!

دورۂ حدیث کے امتحان میں محدث عصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے مولانا حسن کا پرچہ دیکھا تو خوش ہو کر (۵۲) نمبر دئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم ہے نمبرات (۵۰ یا ۵۱) ہوتے ہیں، مگر اس طالب علم نے اتنا عمدہ لکھا ہے کہ میں نے اپنی طرف سے اس کو مزید ایک نمبر دیا ہے، اس سے ان کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جامعہ اسلامیہ کے ریکارڈ سے معلوم ہوگا کہ مولانا ہمیشہ اول نمبر آتے رہتے تھے، دورہ میں بھی اول نمبر سے کامیاب ہوئے تھے۔

مولانا کی زندگی شروع سے پاکیزہ اور مرنجاں مرنج تھی، ہمیشہ صف اول میں نماز کے عادی تھے اور اسباق کے بے حد پابند تھے، مولانا خوش خط تھے، اس لیے ان کی درسی کاپیاں بھی بہت اچھی ہوتی تھیں۔ ڈابھیل سے فراغت کے بعد مولانا دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، مولانا ابراہیم بلیاویؒ،

مولانا اعزاز علی امروہیؒ، قاری حفظ الرحمٰنؒ جیسے مشہور اساتذہ سے علم حاصل کیا، حضرت مدنیؒ نے اپنی خصوصی سند بھی عنایت فرمائی۔ دیوبند کے قیام کے زمانے میں سہارن پور جاکر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے اسباق میں بھی حاضری دی، فراغت کے بعد تدریسی سلسلہ شروع ہوا، پہلے کہاں مدرس رہے اس کی مجھے خبر نہیں؛ مگر بعد میں کوسمبا میں مکتب میں سالہا سال پڑھاتے رہے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا جب بھی گجرات کا دورہ ہوتا تھا، اس کا پورا نظام کوسمبا کے ابراہیم پٹیل صاحب(۱) فرماتے تھے، اس لیے حضرتؒ کا پہلا قیام کوسمبا میں ہوتا تھا۔

مولانا محمد حسن صاحب کو حضرت مدنیؒ سے صرف محبت نہیں عشق تھا، اس لیے ہر سفر میں حضرت کے ساتھ رہتے تھے، حضرت سے بیعت بھی ہو گئے اور اوراد وظائف کے پابند تھے۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے تعلق قائم کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے، جس کے وہ مستحق تھے، ہم ان کو مادرزاد ولی کہتے تھے۔ چوں کہ ناچیز ان کے ساتھ ایک کمرے میں رہتا تھا اور سفر میں بھی ساتھ ہوتا تھا اس لیے ان کے اخلاق کریمہ سے بخوبی واقفیت تھی؛ نیز ناچیز کو ان کی

---

(۱) جناب حاجی ابراہیم محمد پٹیل صاحب رحمہ اللہ: کوسمبا ضلع سورت کے باشندے تھے اور جمعیۃ علمائے ہند کے مخلص کارکنان میں سے تھے، سنی بوہرہ سوسائٹی کے بانیوں میں سے تھے، بہت اچھے اور صاف گو مقرر تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آپ ہی نے سب سے پہلے سنی بوہرہ سوسائٹی کی بنیاد کے لیے میٹنگ بلائی تھی۔ جامع مسجد کوسمبا کے متولی اور کوسمبا گاؤں کے اہم ذمے داروں میں سے تھے، اکابر علمائے دیوبند خصوصاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے عشق کے درجے کا تعلق تھا، آپ ہی کی دعوت پر حضرت مدنیؒ کے اس علاقے میں بہ کثرت دورے ہوا کرتے تھے۔ ۱۹۷۸ء میں حاجی صاحب کی وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً!

علمی استعداد اور قابلیت کا بھی علم تھا، اس وجہ سے بارہا کوشش کی کہ ان کو "دارالعلوم فلاحِ دارین" میں لاکر عربی کتب کے اسباق سپرد کروں؛ مگر وہ ہر وقت ایک ہی جواب دیتے تھے کہ مجھے استخارہ کا موقع دیجیے، پھر میں جواب دوں گا۔ بے تکلفی کی وجہ سے عرض کرتا تھا کہ مجھے معلوم ہے تمہارے استخارہ میں جناب ابراہیم پٹیل صاحب ہی سامنے آئیں گے اور وہ ہنس کر خاموش ہو جاتے تھے۔ مولاناؒ ڈابھیل جامعہ میں بھی تدریس کے لیے بلائے گئے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے پورے خاندان سے بے حد محبت رکھتے تھے، اور ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے، حضرت مدنیؒ کی وفات ۱۹۵۷ کے بعد مولانا برطانیہ تشریف لے گئے اور والسال (Walsall) میں دینی تعلیم اور وعظ وارشاد کی خدمت انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دورۂ برطانیہ میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے، اور پورا انتظام مرتب کرکے پروگرام چلاتے تھے، ۱۹۷۴ء میں سب سے پہلے مولانا سید اسعد مدنیؒ کا دورہ ہوا، مولاناؒ کے بعد حضرت مولانا سید ارشد مدنی کے ساتھ بھی یہی معاملہ جاری رکھے رہے۔

ناچیز کا جب بھی برطانیہ کا سفر ہوتا تھا، والسال میں بھائی سعید کلنگ کے گھر ٹھہرنا ہوتا تھا، سعید بھائی از راہ محبت میرے دوست قاری محمد عثمان سورتی(۱)، ......

---

(۱) **حضرت قاری محمد عثمان صاحب حافظیؒ**: شہر سورت کے باشندے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۳/نومبر ۱۹۳۵ء کو ہوئی۔ آپ نے رانی تالاب سورت میں ابتدائی تعلیم حاصل فرما کر دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں حفظ کلام پاک کی تکمیل فرمائی، پھر =

مولانا محمد حسن صاحب، مولانا غلام محمد صاحب بارڈولی(۱)، مولانا عبدالاول(۲) وغیرہ احباب کو ناشتہ پر بلا لیتے تھے اور خوب بے تکلف مجلس رہتی تھی۔

= سات سال دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل فرما کر سند فراغت حاصل فرمائی۔ رسمی فراغت کے بعد کچھ سال چاند شہید مسجد سورت میں امامت فرمائی، اسی دوران مجلسِ خدام الدین میں تعلیم دی۔ ۱۹۶۴ء سے مسجد حمیدیہ نیوٹاؤن جوہانسبرگ میں پیش امام کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ ۱۹۷۲ء میں برطانیہ تشریف لے گئے اور وہاں مسجد الفاروق والسال میں امامت اور تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔ یکم ستمبر ۲۰۱۸ء کو آپ نے انتقال فرمایا، حضرت مفکرِ ملتؒ کے مخلص رفقا میں سے تھے، اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرف قبول بخشے۔ آمین!

(۱) حضرت مولانا غلام محمد بن ابراہیم فینسی صاحب مدظلہ: بارڈولی ضلع سورت کے باشندے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۵؍جون ۱۹۵۲ء کو ہوئی، اپنے وطن میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ مفتاح العلوم تراج میں حفظ کی تکمیل فرمائی، بعدہٗ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں دس سال قیام فرما کر دورۂ دورہ کی تکمیل ۱۹۷۶ء میں فرمائی، پھر ایک سال دعوت وتبلیغ کے لیے وقف فرمایا، اِس دوران حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے حکم پر مدرسہ کاشف العلوم حضرت نظام الدین میں تین ماہ درجۂ حفظ کی تدریس فرمائی؛ چناں چہ حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ اور حضرت مولانا عبدالعلیم بن مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی مدظلہ نے اسی زمانے میں آپ سے حفظ کی تعلیم حاصل فرمائی۔ نظام الدین سے واپس آ کر بارڈولی منارہ مسجد میں کچھ ماہ امامت فرمانے کے بعد ۱۹۷۸ء سے والسال برطانیہ میں مقیم ہیں۔ کچھ سال ناظرہ کی تعلیم دینے کے بعد ۱۹۷۹ء میں آپ نے درجۂ حفظ شروع فرمایا اور تاحال حفظ کی تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ مسلسل ۴۴؍سال سے مسجد الفاروق والسال میں امامت کے فرائض انجام دے رہے ہیں؛ نیز مسلسل ۵۴؍سال سے تراویح بھی سنا رہے ہیں۔ ماشاء اللہ! مولانا موصوف داعیانہ مزاج کے حامل، نرم خو، متواضع اور مجموعۂ محامد شخصیت کے حامل ہیں، دارالاحسان بارڈولی، مدرسہ مفتاح العلوم تراج اور ہندوستان کے متعدد اداروں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی تمام خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور آپ کی عمر میں بعافیت برکت عطا فرمائے۔ آمین!

(۲) حضرت مولانا عبدالاول بن مولانا محمد صاحب ملاّ مدظلہ: سامرود ضلع سورت کے باشندے ہیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں رہ کر اپنے والد ماجد سے حاصل فرمائی، پھر مدرسہ مفتاح العلوم تراج میں داخلہ لے کر تکمیل حفظ کلام پاک کے بعد اردو، فارسی تا عربی دوم کی تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر جامعہ مظاہر علوم سہارن پور تشریف لے جا کر شرح جامی میں داخلہ لیا اور تین سال تعلیم حاصل کی۔ بعدہٗ ٹی بی کا عارضہ لاحق ہوا تو ایک سال بیماری کی نذر ہو گیا۔ بعد میں اطبا کے مشورے پر قریبی ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخلہ لیا اور درجۂ مشکاۃ و دورۂ حدیث شریف کی تعلیم =

پھر مولانا کی بیماری کی شدت کی وجہ سے ہم خود ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے تھے اور ان سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ بہر حال! وقت موعود آ گیا اور مؤرخہ ۱۰/ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۹/دسمبر ۲۰۱۷ء کو اپنی جان سپرد فرما دی۔

إنا لله وإنا إليه راجعون!

بندہ نے ان کے صاحب زادے کو تعزیت کے لیے فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک ہفتہ قبل انہوں نے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کو خواب میں دیکھا، حضرت نے فرمایا تم بہت جلد میرے پاس پہنچ جاؤ گے۔

مولانا نے عشا کی نماز پڑھی، ہاتھ میں تسبیح تھی، ورد کرتے کرتے آنکھیں بند کرلیں اور اس دار فانی کو خیر باد کہہ دیا۔

اللّٰهم اغفر له وارحمه وأكرم نزله وأدخله في جنتك جنات النعيم برحمتك وفضلك.

ابھی چند روز پہلے ڈاکٹر مصطفیٰ صاحب اعظمی کی وفات سے صدمہ پہنچا تھا

= حاصل فرمائی۔ ۱۹۷۲ء میں آپ نے سندِ فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پالن پوریؒ اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ فراغت کے بعد اپنے استاذِ گرامی حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ کے مشورے پر دارالعلوم رام پورہ سورت میں خدمت انجام دی۔ ایک سال کے بعد جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریس کے لیے آپ کی درخواست منظور ہوئی تو یکم محرم سے تدریس کا آغاز فرمایا اور حفظ، فارسی اور عربی کی تعلیم تقریباً ۹/سال تک جامعہ میں دیتے رہے۔ ۱۹۸۲ء میں والسال تشریف لائے، یہاں امامت وخطابت اور تدریس کے فرائض متعلق رہے، فی الحال وظیفہ یاب ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ سے اجازتِ بیعت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور علم وعمل میں بے حد برکت عطا فرمائے۔ آمین!

اور یہ اندوہ ناک خبر آئی۔ متنبّی نے کہا ہے ؎

وَ قَد فَارَقَ النَّاسُ الأَحِبَّة قَبلنَا وَ أَعیٰی دَوَاءُ المَوتِ کُلَّ طَبِیبِ (۱)

اور بے شک ہم سے پہلے تمام لوگوں نے اپنے دوستوں سے مفارقت اختیار کی ہے اور موت کی دوا نے ہر طبیب کو عاجز کر دیا ہے (تو ایسی صورت میں مصیبت زدہ کو صبر لازم ہے)۔

سُبِقنَا إِلَی الدُّنیَا فَلَو عَاشَ أَهلُهَا مُنِعنَا بِهَا مِن جَیئَةٍ وَ ذُهُوبِ

دنیا میں ہم سے پہلے بھی لوگ لائے گئے، اگر وہ سب زندہ رہتے تو ہم آنے اور جانے سے روکے جاتے (یعنی بسبب کثرت آبادی کے کوئی چل پھر نہ سکتا، خلاصہ یہ کہ موت حکمت سے خالی نہیں)۔

جمعہ کی نماز کے بعد برطانیہ کے مختلف شہروں سے سیکڑوں علما اور اہلِ تعلق نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ حضرت قطب الاقطاب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے خلیفہ اور دارالعلوم بری کے شیخ الحدیث وبانی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا زید مجدہٗ (۲) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بہت سے لوگ شرکت سے محروم رہے، برطانیہ میں اتنی بڑی تعداد کی شرکتِ جنازہ مولانا رحمہ اللہ کی عنداللہ مقبولیت کی دلیل ہے۔

---

(۱) متنبّی مترجم: ص ۲۴

(۲) حضرت مولانا یوسف بن سلیمان بن قاسم متالاؒ: ورٹھی ضلع سورت کے باشندے تھے۔ آپ کے والد صوفی عبدالغفور صاحب بنگالی خلیفہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مجاز اور صاحبِ کرامت و صاحبِ حال بزرگ تھے۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۴۶ء کو آپ کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ ترغیب القرآن نانی نرولی میں حاصل فرما کر ۱۹۶۱ء میں گجرات کی مشہور و قدیم دانش گاہ جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ لیا اور یہاں ہدایہ اوّلین تک تعلیم حاصل فرمائی۔ دورانِ تعلیم اپنی =

اللہ تعالیٰ اس مرد صالح اور عالم باعمل کی بال بال مغفرت فرمائے اور جملہ پس ماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ اپنے اپنے وقت پر ایمان پر فرمائے۔ آمین!

از: عبداللہ غفرلہ/ ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ - ۳۰ر دسمبر ۲۰۱۷ء بروز سنیچر

= فہم وفراست اور ذہانت وفطانت کی وجہ سے تمام اساتذہ کے درمیان یکساں طور پر مقبول رہے۔ بعدازاں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لے کر مشکاۃ اور دورۂ حدیث شریف کی تعلیم حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ، حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ، حضرت مفتی یحییٰ صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ، حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب مدظلہ وغیرہ جبال العلم ہیں۔ جامعہ حسینیہ راندیر کی تعلیم کے دوران ہی حضرت شیخ سے وابستہ ہو گئے تھے اور مظاہر علوم پہنچ کر اس میں مزید جلا پیدا ہوا؛ چناں چہ ۱۳۸۹ھ میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی طرف سے خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔ آپ نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حکم پر ہولکمب بری میں ایک عظیم الشان دارالعلوم قائم فرمایا جو یورپ کا سب سے پہلا دارالعلوم ہے؛ گویا آپ یورپ کے مولانا محمد قاسم نانوتوی ہوئے۔ اس کے علاوہ جامعہ زکریا وغیرہ متعدد ادارے قائم فرمائے۔ یورپ میں آپ کی خدمات کے نقوش چپے چپے پر پھیلے ہوئے ہیں۔ انگلینڈ میں ۷۵ر فی صد انگریزی جاننے والے علما آپ ہی کے ادارے سے فارغ ہیں۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ کو آپ سے بے پناہ محبت تھی اور آپ حضرت شیخ کے فداکار خدام میں شمار ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ تادم آخر حضرت شیخ رحمہ اللہ کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت میں لگے رہے۔ آپ کے شاگرد اور خلفا کی بہت بڑی تعداد انگلینڈ میں پھیلی ہوئی ہے۔ اَضواء البیان فی توضیح القرآن، مشائخِ احمد آباد اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور ان کے خلفائے کرام جیسی کئی مفید کتابیں آپ کے قلم کی شاہ کار ہیں۔ ۹ر ستمبر ۲۰۱۹ء بروز پیر کینیڈا کے وقت کے مطابق شام ۸:۲۰ بجے آپ کی وفات ہوئی اور کینیڈا ہی میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے سانحۂ ارتحال سے یورپ میں ہر طرف غم کی لہر دوڑ گئی۔ حضرت مولانا اور آپ کے برادرِ کلاں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ کو ہمارے نانا جان کے ساتھ بہت ہی خلوص اور محبت کا تعلق تھا، نیز احقر کی والدہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ سے تعلیم حاصل کی ہوئی ہیں؛ اسی طرح حضرت مولانا ہمارے رشتے دار بھی ہوتے ہیں، اِس وجہ سے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ اور حضرت مولانا یوسف صاحب متالاؒ کی احقر کے ساتھ بڑی شفقتیں رہیں؛ اللہ تعالیٰ دارین میں اس کی جزا عطا فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے اور فردوسِ بریں میں آپ کو مقام بخشے۔ آمین!

باسمہ تعالیٰ

ایک دیا اور بجھا

خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ، عالمِ جلیل، استاذِ باکمال، مثالی خطیب حضرت مولانا اسلم صاحب قاسمی کے سانحۂ ارتحال کی خبر نے اس زخم کو اور گہرا کر دیا جو سالِ رواں متعدد اکابر وعلما کے اٹھ جانے سے اس دل نازک پر لگتا رہا ہے۔ ان اکابر ومشائخ کی وفات سے علمی حلقے میں پیدا شدہ خلا پُر کیا ہوتا، حضرت مولانا کے انتقال پُر ملال نے اس خلا کو اور بڑھا دیا؛ بہر حال کاتبِ تقدیر کے فیصلے پر راضی رہنے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔ إنا لله وإنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ...... الخ.

اس وقت یہ حقیر قرآنِ کریم کی بلیغ تعبیر میں "أرذل العمر" کے مرحلے پر اور چراغِ سحری کی تصویرِ واقعی بنا ہوا ہے؛ لیکن حضرت مولانا کے سانحۂ وفات نے اس پیرِ لاغر کو اچانک دورِ شباب میں پہنچا دیا اور وہ لمحات ومناظر قلب ونظر میں گردش کرنے لگے جب یہ حقیر حضرت مولانا اسماعیل صاحب گارڈیؒ کے فرزندوں کے اتالیق کی حیثیت سے ۶۰-۱۹۵۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں مقیم تھا، ''رفیع منزل'' میں قیام تھا اور مولانا اسلم صاحب اس وقت انگریزی سیکھنے کے لیے ''رفیع منزل'' آتے جاتے تھے۔ یہیں ان سے شناسائی ہوئی اور یہ تعارف آگے چل کر بے تکلف تعلق میں تبدیل ہو گیا۔ مولانا نجابت وشرافت اور اخلاق ومروت میں ایک مثالی فرد اور اعلیٰ خاندانی روایات و اقدار کے امین و پاس دار تھے، انہوں نے اپنی خداداد

صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں کبھی بخل سے کام نہیں لیا، سالہا سال تک مولانا تشنگانِ علوم کو شاد کام کرتے رہے اور تدریسی میدان میں فتح و کامرانی کے وہ پرچم نصب کیے کہ مسندِ درس سے اٹھ کر طلبہ کی مسندِ قلوب پر جا بیٹھے تھے۔ چوں کہ مولانا انگریزی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے، اس لیے اپنے والد محترم حکیم الاسلامؒ کے ہمراہ بیرونِ ہند اسفار میں تشریف لے جاتے اور حقِ خدمت و رفاقت اور حقِ ترجمانی ادا کرتے، بعد میں چل کر خطابت کے میدان میں خود مولانا نے بڑے میدان سر کیے اور صوبۂ گجرات میں بھی اس عنوان پر حضرت مولانا کے کئی دورے ہوئے۔

آپ کی شخصیت کے ان مختلف و متنوع پہلوؤں کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا کے سانحۂ ارتحال نے تدریس، خطابت، نظامت سمیت کئی میدانوں میں خلا پیدا کر دیا ہے، جسے پُر کرنے کے لیے ان کی حقیقی اور روحانی اولاد کوشاں رہے گی اور انشاء اللہ مولانا کے کارناموں کے سلسلے کو آگے بڑھاتی رہے گی، باری تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں پوری امت کی طرف سے اپنی شایانِ شان بدلہ عنایت فرمائے، پس ماندگان کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
(علامہ اقبال)

احقر عبداللہ غفرلہ کاپودروی

۲۹؍ صفر المظفر ۱۴۳۹ھ - ۱۹؍ نومبر ۲۰۱۷ء

آہ! مولانا محمود اچھا فلاحیؒ

مولانا محمود اچھا دراصل موریشش کے باشندے تھے، دارالعلوم فلاحِ دارین میں داخل ہوکر عالمیت کی سند حاصل کی، طالبِ علمی کے زمانہ میں اپنی محنت اور مدرسہ کے قواعد وضوابط کی پابندی کے سبب اراکین واساتذہ ان سے خوش رہے۔

دارالعلوم فلاحِ دارین کے محسن محترم حاجی موسیٰ راوت صاحب(۱) نے ان کے حسنِ اخلاق اور صلاحیت کو دیکھ کر اپنی صاحب زادی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا تھا۔

فراغت کے بعد مرحوم ری یونین میں خدماتِ دینی میں مشغول ہوگئے۔

پھر مکۃ المکرّمہ کی مشہور یونی ورسٹی ''امّ القریٰ'' میں داخل ہوکر وہاں سے بھی اچھے نمبروں سے کامیاب ہوکر وطن واپس ہوئے، مولانا مرحوم فرنچ کے علاوہ انگریزی، اردو اور عربی زبان میں بھی دل چسپی رکھتے تھے، ان کی عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی؛ مگر اللہ تعالیٰ نے بہت جلد اپنے یہاں بلالیا۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون!

---

(۱) **الحاج جناب موسیٰ صاحب راوتؒ**: راوت فیملی کے بزرگوار، ''فلاحِ دارین'' کے روحِ رواں ومعمار، عبادت گزار وشب زندہ دار، علما وطلبا کے محبّ ومحسن، اکابر کے میزبان۔ مرحوم نے سیکڑوں مساجد ومکاتب اپنے جیب خاص سے تعمیر کرائے۔ ''فلاحِ دارین'' میں طویل طویل قیام فرما کر اپنی نگرانی میں عمارتوں کی تعمیر آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ تعلق مع اللہ کا یہ حال تھا کہ گھنٹوں دعاؤں میں مشغول رہتے۔ افسوس! ۲۰ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ مطابق ۵ر دسمبر ۲۰۱۲ء کو داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ حق تعالیٰ اپنی رحمتِ خاص میں ڈھانپ لے، اور ان کے لگائے ہوئے اس گلشن کو ہمیشہ ہمیش شاداب وآباد رکھے۔ آمین!

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے اہل وعیال کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ اپنے اپنے وقت پر ایمان پر فرمائے۔ آمین!

اللهم اغفر له وارحمه وسكنه في الجنة، اللّٰهم تقبل من حسناته وتجاوز عن زلّاته برحمتك وفضلك يا أرحم الراحمين، وصلى الله تعالىٰ علىٰ نبينا وسيدنا محمد وعلىٰ اٰله وأصحابه أجمعين. والسلام

محتاج دعا

عبداللہ غفرلہ کاپودروی

۳۰ رشوال المکرّم ۱۴۳۷ھ - ۴ راگست ۲۰۱۶ء

مولانا محمد سعید راندیریؒ

(وفات:۱۳۹۶ھ-۱۹۷۶ء)

مولانا محمد سعید بن حکیم مولانا ابراہیم راندیریؒ کی ولادت باسعادت ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۲ رستمبر ۱۹۰۹ء کو راندیر کے ایک مشہور ومعروف علمی گھرانے میں ہوئی۔

راندیر میں مولانا کے عم محترم مولانا محمد حسین راندیریؒ(۱) کا علمی چشمہ جاری تھا، اسی درس گاہ سے کسبِ فیض فرمایا، اور ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں درسِ نظامی سے فراغت حاصل فرمائی۔

---

(۱) حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیریؒ: قاری اسماعیل صاحب راندیریؒ کے فرزند ارجمند اور حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ کے برادرِ خرد ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم راندیر میں حاصل کرنے کے بعد مدرسہ امینیہ دہلی سے ۱۳۳۲ھ میں فضیلت کی تکمیل کی، بعدہٗ دیوبند گئے اور دورۂ حدیث شریف مکرر پڑھ کر حضرت شیخ الہندؒ اور علامہ کشمیریؒ کی شاگردی اختیار کی۔ اپنے برادر اکبر حضرت حکیم محمد ابراہیم صاحبؒ اور حافظ احمد موٹا صاحبؒ کے ساتھ مل کر ۲۰ رفروری ۱۹۱۷ء کو جامعہ حسینیہ کی سنگ بنیاد رکھی۔ آپ کے زیر نگرانی یہ ادارہ کچھ ہی مدت میں ترقی کے بام عروج کو پہنچ گیا، آپ ہی اس کے اوّلین شیخ الحدیث اور مہتمم رہے۔ آپ نے شعبۂ نشر واشاعت قائم فرما کر مختلف مفید وضروری کتابوں کو شائع فرمایا۔ اس کے علاوہ گجرات کے کوردہ علاقوں کا سفر فرما کر فتنۂ ارتداد سے مسلمانوں کو باہر نکالا۔ آریوں کے خلاف کئی کتابیں لکھ کر شائع کیں، جس سے گجرات میں ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ تحریکِ خلافت اور عدم موالات میں خصوصی دل چسپی تھی، حضرت شیخ الہندؒ کے مشن کو گجرات میں آپ ہی نے پھیلایا، آپ کی بے لوث خدمات اور جرأت مومنانہ ہی کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو شیرِ گجرات کا لقب دیا۔ ۱۰ ررجب ۱۳۵۱ھ-۱۰ رنومبر ۱۹۳۲ء کو صرف چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ فتاویٰ حسینیہ اور کئی چھوٹے اردو و گجراتی رسالے صدقۂ جاریہ ہیں۔ رحمه الله رحمةً واسعةً و أعلى الله مراتبه!

راندیر سے فراغت کے بعد ''دارالعلوم دیوبند'' میں داخل ہوکر شیخ العرب و العجم مولانا حسین احمد مدنیؒ، فاضل اجل مولانا اعزاز علیؒ اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ سے استفادہ فرما کر دہلی تشریف لے گئے۔ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں رہ کر فتویٰ نویسی کی مشق فرمائی، محدث عصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے تلمذ کا شرف حاصل فرمایا۔

دہلی سے وطن واپس تشریف لائے تو ''جامعہ حسینیہ راندیر'' میں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ فقہ، حدیث اور علوم عربیہ کی مختلف کتابیں پڑھائیں اور نیابت اہتمام کا کام بھی انجام دیتے رہے۔

مولانا حکیم ابراہیم راندیریؒ(۱) اور حضرت حافظ احمد موٹاؒ کی وفات کے بعد

(۱) **حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ:** فاضل مدرسہ امینیہ دہلی و دارالعلوم دیوبند، سابق امام وخطیب سورتی جامع مسجد برما، بانی مدرسہ تعلیم الدین برما، سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر ورکنِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند۔ آپ کی ولادت تخمیناً ۱۳۰۱ھ میں ہے۔ مدرسہ امینیہ دہلی و دارالعلوم دیوبند سے اکتساب فیض کیا، آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا ضیاء الحق صاحب، حضرت شیخ الہند، علامہ کشمیری رحمہم اللہ وغیرہ مشایخ ہیں۔ حضرت شیخ الہند ومفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے خصوصی جاں نثاروں میں تھے۔ تحریکِ ریشمی رومال میں خصوصی مالی تعاون فرمایا۔ مؤتمر عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں علی برادران وحضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کی معیت میں شرکت فرمائی۔ آپ ہی کی تحریک پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے ''تعلیم الاسلام'' تالیف فرمائی، جس کے فیض سے دنیا کا گوشہ گوشہ روشن ہورہا ہے۔ آپ ہی کے نیک مشورے اور مساعی کی برکت سے حضرت تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ، مولانا عبداللطیف صاحب پُر قاضویؒ، علامہ کشمیریؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابرین کی سرزمینِ ''برما'' پر تشریف آوری ہوئی، اِن حضرات کے اسفار کی برکت سے ہندوستان کے مدارس کو جو تقویت پہنچی وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ افسوس! راندیر کا یہ عظیم سپوت ۲رشعبان ۱۳۷۳ھ-۶راپریل ۱۹۵۴ء، بروز سہ شنبہ سوئے آخرت چل بسا اوراب ''راندیر'' کے ''گورِ غریباں'' میں آسودۂ خواب ہے۔ فرحمہ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً!

مہتمم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز ہوئے (یکم جنوری ۱۹۳۴ء سے ۱۹۵۴ء تک نائب مہتمم رہے اور ۶ر اپریل ۱۹۵۴ء سے ۶ر نومبر ۱۹۷۶ء تک مہتمم اعلیٰ کے عہدہ پر فائز رہے)۔

مشکلات میں بھی ثابت قدمی کے ساتھ جامعہ کو چلاتے رہے، برما وغیرہ کے انقلاب کے بعد حالات بہت صبر آزما ہوگئے تھے، تاہم توکلاً علی اللہ جامعہ کے کام کو اچھی طرح مکمل فرماتے رہے۔

اس طویل عرصہ میں مولانا نے پورے خلوص اور جاں فشانی سے جامعہ کی عظیم خدمات انجام دیں، آپ کا دورِ اہتمام تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری ہر لحاظ سے کامیاب دور تھا، جامعہ سے اچھے اچھے فضلا فارغ ہوکر اشاعتِ علومِ دینیہ میں مصروف ہوگئے۔ فجزاہ اللّٰہ أحسن الجزاء!

مولانا مرحوم بہت خوش اخلاق، بہت سادہ مزاج وملنسار تھے، آپ بہترین واعظ تھے، آپ کے مواعظ بہت پُر اثر ہوتے تھے، علمی مجالس میں علمی انداز اور گاؤں میں عوامی سطح کے مطابق وعظ فرماتے تھے، جس سے عوام کو بہت فائدہ ہوتا تھا۔

مختلف موضوعات پر گجراتی زبان میں رسالے تحریر فرمائے جو بعد میں انگریزی اور فرنچ زبانوں میں بھی ترجمہ ہوکر شائع ہوئے اور مقبول عام وخاص ہوئے۔

مولانا مرحوم بہت صائب الرائے اور معاملہ فہم تھے، حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے (۱) اور وظائف کے بہت پابند تھے۔

---

(۱) حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ نے یہ بات حضرت مولانا اسماعیل صاحب موٹا مرحوم سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر کی اتباع میں لکھی ہے، ورنہ آپ کی نجی تحریروں نیز آپ کے صاحب زادۂ گرامی حضرت مولانا محمد شبیر صاحب راندیری =

کئی اداروں کی سرپرستی فرماتے، نئے نئے فاضلوں کی اکثر رہنمائی فرماتے اور ان کو بہترین مشورے دیتے تھے، زندگی کے آخری سالوں میں علالت نے کافی کمزور کردیا تھا۔

بالآخر ۶؍نومبر ۱۹۷۶ء بروز شنبہ دس بجے جان جاں آفریں کے سپرد فرمائی۔

إنا للّٰه و إنا إليه راجعون!

اور شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب (۱) نے نمازِ جنازہ پڑھائی، ضلع سورت کے ہزاروں مسلمان نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے، مولانا اصغر حسین میاں صاحب

=نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً آپ کا اصلاحی تعلق حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے رہا ہے، پھر آپ کو بیعت کی اجازت حضرت مسیح الامتؒ کے دربار سے حاصل ہوئی۔ فلیتحرر!

(اسماعیل کوثر غفرلہٗ)

(۱) **حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ:** بلبلِ گجرات، شعلہ گفتار خطیب، فاضل و سابق شیخ الحدیث ''جامعہ حسینیہ راندیر'' ۱۴۱۴ھ میں اپنے وطن ''پال'' میں آنکھیں کھولیں۔ ۱۹۳۳ء میں ''جامعہ حسینیہ'' سے سندِ فراغت حاصل فرمائی، پھر دارالعلوم دیوبند میں ایک سال قیام فرما کر حدیث شریف کے اسباق میں شرکت فرمائی۔ ۱۹۳۴ء میں جامعہ حسینیہ راندیر میں تدریس کی ابتدا فرمائی۔ مولانا سید شرف الدین آنندوی، مولانا ظہور الحسن ٹونکی، مولانا عبد الرحیم بورسدی، مولانا احمد نور صاحب پشاوری، مولانا محمود حسن صاحب اجمیری، علامہ بلیاوی، مولانا اعزاز علی صاحب رحمہم اللہ جیسی گراں قدر شخصیات سے کسبِ فیض فرمایا۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ جیسے اکابر علما نے آپ کی ذکاوت و ذہانت کی داد دی ہے، اسی لیے صرف ۲۳؍سال کی عمر میں منصبِ شیخ الحدیث تفویض ہوا اور ایک طویل مدت تک بخاری کا درس دیتے رہے۔ افسوس! علم و عمل کا یہ گنجِ گراں مایہ ۹؍دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ سوئے آخرت چل دیا۔

نوٹ: اکابرینِ گجرات: ۵/ ۳۷۱ پر حضرت مفتی اسماعیل صاحب واڈی والاؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۳۳ء میں جامعہ حسینیہ سے آپ نے فراغت حاصل فرمائی، پھر دو سال دارالعلوم دیوبند میں قیام فرمایا اور ۱۹۳۴ء میں جامعہ حسینیہ راندیر میں آپ نے تدریس شروع فرمائی۔ حضرت مفتی اسماعیل صاحب کا مذکورہ بالا بیان اشکال سے خالی نہیں ہے۔ فافہم!

(اسماعیل کوثر غفرلہ)

دیوبندی(۱) اور والد مولانا ابراہیم صاحب کے جوار میں راندیر میں مدفون ہوئے، مولانا احمد اللہ مدظلہ نے مولانا کی وفات پر مرثیہ لکھا جو طبع ہو چکا ہے۔

(منقول از ماہ نامہ دارالعلوم ۱۹۷۷ء تھوڑی ترمیم کے ساتھ)

---

(۱) **حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ:** مشہور صاحب نسبت بزرگ ہیں۔۱۲۹۴ھ میں پیدا ہوئے، ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، بعدہٗ حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ پر اٹالہ مسجد جون پور میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دی، ۱۳۲۸ھ میں ماہنامہ ''القاسم'' کے مدیر کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں خدمت شروع فرمائی، اسی دوران تفسیر وحدیث وغیرہ فنون کے اسباق بھی جاری رہے۔ میاں جی منے شاہ صاحبؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے اجازت بیعت تھی۔ آپ نے مختلف موضوعات پر ۳۵ سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ راندیر میں آپ کے محبین کا بڑا حلقہ تھا، ان کی دعوت پر تشریف لاتے تھے، اسی دوران وفات ہوئی اور راندیر کے گورِ غریباں میں اب محو استراحت ہیں۔۲۲ر محرم ۱۳۶۴ھ کو انتقال فرمایا۔ (تاریخ دارالعلوم: ۲/۹۰-۹۱)

السيرة الذاتية للشيخ عبد الله السورتي رحمه الله بقلمه(١)

بسم الله الرحمن الرحيم

الاسم والأسرة : عبد الله بن إسماعيل بن حسين. ولدت في ١٣٥٢ الموافق ١٩٣٣م، ومسقط رأسي هيهو (Heho) من بلاد "بورما" حيث كان والدي تاجرًا هناك، فلما بلغت من عمري ثلاث سنوات رجع والدي المكرم إلى الهند و رجعت معه، وأقام والدي في قرية كافودره، مديرية بروص، الهند.

وأسرتي من سكّان جيتالي في مديرية بروص، و هي أسرة متوسطة من الفلاَّحين ولكن يمتاز أكثر أفرادها بتعلّمهم وثقافتهم العصرية، و كثير منهم تولّوا مناصب القضاء في المحكمة الحكومية.

و كان أبي مدرس المدرسة الابتدائية الحكومية، ولكنّه ترك الوظيفة واشتغل بالتجارة أولا في الهند ثم سافر إلى رنغون (بورما).

(١) كان أرسل المؤلف هذه المعلومات استجابة على طلب الشيخ محمد المجذوب رحمه الله الأستاذ السابق في الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة السابع من ديسمبر ١٨٨٥ من الميلاد، حيث إنه كان يريد أن يلقى الضوء على شخصيته البارزة في كتابه "علماء و مفكرون عرفتهم".

وكـان مـع اشتـغـالــه فـي التـجـارـة شـديـد التعلّق مع العلماء و المصلحين، مواظبا على الصلوات وقراءة القرآن الكريم، ويقضي أوقات الفراغ في مطالعة الكتب الدينية.

و قد لازم صحبة الشيخ الكبير العالم الفاضل مولانا أشرف علي التهـانوى (رحمه اللّه تعالى) مدة، فكان لهذه الصحبة وكتبه الإصلاحية أكبرالأثر في حياته وحياة أسرتنا.

و قد رباني والدي تربية دينية، فلم يتركني وأنا في حداثة عمري إلٰـى أن يسوقني معه إلى المسجد، و يرشدني إلى حسن السلوك وصالح الأخلاق والآداب. فجزاه اللّه أحسن الجزاء!

التـعـليـم: فـلـمّـا بـلغت من عمري السادسة أدخلني والدي في كتّـاب قـريتـي، فدرست عند حافظ إبراهيم(١) (رحـمة الـلّه تعالٰى عليه) الـقران الكريم نظرا وبعض الكتب الفقهية والعقائد الإسلامية، و كذالك التـحـقـت سـتّ سـنـوات فـي الـمـدرسة الـحكومية، تعلّمت فيها اللغة الـغـجـراتية والـحسـاب وغيـر ذالك مـن الـعـلوم العصرية. فلما أتممت دراستـي فـي الـكتّـاب التحقت بالجامعة الإسلامية تعليم الدين "دابيل" لـدراسة الـلـغة الأردية والـفــارسية والـعـربية وكـتـب الـفـقـه والحديث والتـفسيـر، فـمـكـثـت فيهـا متعلّما ثماني سنوات، وحصلت على شهادة

(١) راجع إلى منائر النور ''*رشدوہدایت کےمنار*'' للتعرف به: ص٢٢.

الـفضيلة في١٩٥٣م. وسافرت إلى ديوبند والتحقت بالجامعة المشهورة بدارالعلوم ديوبند، واستفدت من أساتذتها سنتين أو أكثر.

أسـاتـذتـي الـمشـفقون: لمّا التحقت بالجامعة الإسلامية دابيل قـرأت عـنـد الشيخ عبد الحيّ دابيلي رحمه اللّٰه (١) الـلغة الفارسية وأوائل الكتب العربية، والشيخ عبد الحيّ كان أستاذا شفيقا ومربّيا كبيرا، فكان يـعـرض عـلـيّ الـكتب النافعة للمطالعة ويشجّعني دائما، فله الفضل في خلق ذوق المطالعة في أول مرحلة للتعليم (رحمه اللّٰه رحمة واسعة).

ومـن الأسـاتـذة الـكبـار الشيـخ محمد إبراهيم دابيلي، والشيخ مـحـمد بن محمود السورتي، والشيخ فضل الرحمٰن البشاورى، و أستاذ الـحـديـث الشيـخ عبـد الـرؤف البشاوري، وأستاذ الحديث الشيخ عبد الـجبّارالأعظمي. وفي دارالعلوم ديوبند الشيخ نصير أحمد خان المكرّم، والشيـخ مـعـراج الـحـق الـمكرّم الديوبندي، والشيخ السيد فخر الحسن رحـمـه الـلّٰـه، والشيـخ أختـر حسيـن، والشيخ سيد حسن الديوبندي، والشيـخ الـمـحـدّث الـعـلامة فخرالدين أحمد المرادآبادي رحمه اللّٰه، والشيخ الكبير العلامة إبراهيم البلياوي رحمه اللّٰه، والسيد المفتي مهدي حسـن الشـاه جهانفوري (٢)، فـلـكـل هـؤلاء من الأساتذة فضل ومنة في تكوين شخصيتي الصغيرة وتربيتي العلمية. فجزاهم اللّٰه أحسن الجزاء!

(١) أيضا: ص٢٧. (٢) كلها في منائر النور.

الوظيفة: لمّا تخرّجت من الجامعة الإسلامية ١٩٥٣م عيّنت أوّلا في قسم التعليمات بـ"مجلس خدّام الدين – سملك"، وهي هيئة تعليمية إسلامية. و من أهم أهدافها تنظيم المعاهد الإسلامية و نشر الدعوة الإسلامية، فكنت أ تجول في قرى مختلفة أ تفقد أحوال المسلمين التعليمية والدينية. و بعد سنتين التحقت بالجامعة الإسلامية بدابيل مدرسًا للفصول العربية، و بسبب بعض الظروف الداخلية انتقلت إلى قريتي وفوض إليّ نيابة الإدارة لمجلة "التبليغ" الصادرة وقتئذ من كافودره، وهي مجلة إصلاحية دينية باللغة الغجراتية، عملت مع مديرها الفاضل السيد محمود قاسم سنتين، ثم انتقلت مرة أخرى إلى "مجلس خدّام الدين"، ثم إلى"الجامعة الإسلامية دابيل".

فمن ١٩٦١م إلى نهاية ١٩٦٥م درست الكتب الأدبية مثل مقامات الحريري، ديوان المتنبي وترجمة القرآن الكريم، و بعض كتب الفقه في الجامعة المذكورة. ثم انتقلت إلى المعهد الفتي المسمى بدارالعلوم فلاح الدارين ١٩٦٦م أولاً مدرسًا ثم مديرًا لها، و حتى هذه الساعة أقدّم لهذه الجامعة دارالعلوم فلاح الدارين خدمتي المتواضعة، تقبل اللّٰه.

كتب المطالعة: وكان لي شغف من بداية دراستي لمطالعة الكتب، فطالعت كتب السيد سليمان الندوي، والسيد شبلي النعماني، ومقالات أبي الكلام آزاد، وكتب الشيخ أشرف علي التهانوي، والسيد

سعيد أحمد أكبر آبادي، والسيد عبد الماجد الدريابادي، والأستاذ أبي الأعلى المودودي وغيرهم من العلماء والأدباء باللغة الأردية.

وتيسّر لي أن أستفيد من كتب أدباء العرب الغابرين والمعاصرين، فقرأت كتب د.أحمد أمين، د. طه حسين، والعقاد والمنفلوطي، ومصطفٰى صادق الرافعي، ومحمد حسين هيكل، والشيخ محمد المجذوب، وعبد الرحمٰن رافت الباشا، ومصطفى السباعي، و مقالات سعيد رمضان وغيرهم، وأكثر الكتب للسيد أبي الحسن الندوي، ولا شك أنّ لكتب السيد أبي الحسن أكبر الأثر في عقلي و ثقافتي لأسلوبه البليغ المؤثر الدعوي، فلهم جميعا الأجر الحسن من اللّٰه.

وقد أتاح اللّٰه لي الفرصة السعيدة أن أزور المعاهد العلمية الكبيرة الشهيرة في الهند وخارجها العصرية منها والإسلامية، فزرت (١) جامعة علي كره الإسلامية، و (٢) الجامعة الملّية في دهلي، و (٣)جامعة دهلي، و (٤) الجامعة العثمانية في حيدرآباد، و (٥) جامعة دارالعلوم ديوبند، و (٦) جامعة مظاهر العلوم سهارنفور، و (٧) ندوة العلماء لكناؤ، وقد وفّقت لزيارة الجامعة الإسلامية بالمدينة المنوّرة، و جامعة الملك عبد العزيز– جدّة، وجامعة الأزهر بالقاهرة، و كذالك جامعة لوساكا في زامبيا وهرارى (Harare) في الأفريقية الوسطى، ومعاهد أخرى كثيرة، واستفدت من نظام هذه الجامعات، ولله الحمد.

تعريف موجز بدار العلوم فلاح الدار ين:

تـقع دارالعلوم فلاح الدار ين في "تر كيسر"، وهي قرية على بعد أربـعين كلو مترا من مدينة سورت في الجانب الشرقي الشمالي منها في ولاية غـجـرات (الهـند)، يتراوح عدد سكّانها بين سبعة آلاف أو يزيد، مـن الـمسـلـمين وغير المسلمين، ويوجد فيها الآن عدد كبير من العلماء والـحـفـاظ، فـقـد بلغ عدد الحفاظ حوالي ٢٥٠/حافظًا للقرآن الكريم، وعدد العلماء المتخرجين من شتى الجامعات حوالي ١٠٠/عالمًا.

بداية وتأسيس دارالعلوم:

اهتـم وجهـاء قـرية تـر كيسر والمسئولون عن تعليم الأطفال فيها بـإنشـاء كتـاب صـغيـر سـنة ١٣٤٩هــ المطابق ١٩٣٠م، لتعليم الأبناء والبـنـات مبـادئ الـديـن الإسـلامـي والأحـكـام الشرعية الضرورية في الـعبادات والمعاملات، و لـم يمر على تأسيسه زمن قليل حتى فاق أقرانه بـحسـن نظامه ومنهجه الخاص، وبوجود العلماء والمدرسين المخلصين فيها، وبأيدي سخية من أعيان القرية وأثرياتها.

ولـم يـقتـصـر المسئولون عن التعليم في هذه القرية على تعليم و تثقيف أطفال قريتهم بثقافة إسلامية فحسب، بل اهتمّوا باستقدام أطفال الـقـرى المجاورة من قرية تر كيسر، و اقامتهم في الأروقة، وإتاحة فرص لهـم لتعلّم مبادئ الدين الضرورية. ثم نشأت في أذهان عيون هذه القرية

ومسئوليها فكرة عن إنشاء دارالعلوم لكي يتمكن الطلّاب من الحصول على العلوم الإسلامية على مستوى عال وبمزيد من الإمعان والاطلاع الواسع عليها. فوضع أول حجر بنائي لدارالعلوم سنة ١٣٨٣هـ المطابق ١٩٦٤م بيد سماحة الشيخ والداعية الإسلامي الكبير السيد أبي الحسن علي الندوي. وقام بإدارة دار العلوم أوّلا فضيلة الأستاذ ورئيس تحرير لمجلة "التبليغ" الغجراتية غلام محمد نورغت التركيسري، ولبعض أشغاله وأعذاره الشخصية استقال عن منصبه. ثمّ قام (١) بإدارتها فضيلة الشيخ عبد اللّه الكابودروي منذ ١٩٦٦م، وقد نالت دارالعلوم مقاما مرموقا بين أقرانها في المجالات التعليمية والثقافية المختلفة في مدة قليلة بما أنشئت فيها أقسام مختلفة مثل قسم التجويد وقسم الاختصاص في التفسير والأقسام لتدريب الأعمال المهنية مثل قسم الخياطة، وقسم لإصلاح الساعات، و قسم لتعليم الأَعمال الكهربائية، ويبلغ عدد الأساتذة و المدرسين في أقسامها المختلفة إلى واحد و ثلاثين، وعدد الطلاب إلى ألف.

و ممّا تجدر إليه الإشارة أنّ شهادة دارالعلوم فلاح الدارين قد تمّت معادلتها بشهادات كبرى الجامعات في العالم الإسلامي أمثال

(١) زاد هذه السطور أحد من تلامذه الأديب الأريب اللبيب فضيلة الشيخ محمد إقبال الفلاحي الندوي المدني حفظه الله و رعاه.

الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، وجامعة الملك عبد العزيز بجدة، و جامعة العين في الإمارات العربية المتحدة، والجامعة الإسلامية بـ'علي جرة'، و يدرس بعض خرّيجيها حاليًا في الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، وجامعة أمّ القرى بمكة المكرمة، و جامعة علي جره.

و هناك عدد هائل من العلماء والمعلّمين والداعين والوعاظ الذين تخرّجوا من دارالعلوم وانتشروا في داخل الهند و خارجها في أفريقيا الجنوبية، في انجلترا، في أمريكا، ويست إنديز، زامبيا، نيروبي، ريونين، فيجي وغيرها من البلدان مرشدين و معلّمين. فقد بلغ عدد من حصل من الطلاب على شهادة الفضيلة حوالي ٢٦٢/طالبًا(١)، و يتراوح عدد الحفاظ الذين أتقنوا حفظ القرآن الكريم حول ٢٦٠/حافظًا (٢)، و تخرّج حوالي ١٣٣/طالبًا (٣) من قسم التجويد، و منح بعضهم شهادة القراء ة برواية الحفص، و لبعضهم شهادة القراء ة على القراء ات السبع، و في مجال أقسام المهن قد أتقن ثمانون طالبًا الخياطة، و لبعض المتخرّجين من دارالعلوم مؤلفات قيمة باللغة المحلية واللغة الإنكليزية.(٤)

كيف وأين توافوت لي دراسة العربية:

بدأت أدرس اللغة العربية كطالب منتظم بجامعة تعليم الدين

(١) و الآن حوالي ١٤٦٦ متخرجين. (٢) والآن حوالي ٩٥٢ حافظًا. (٣) والآن حوالي ٩٩٦ طالبًا.

(٤) و قد قاموا بمؤلفات قيمة في عدة لغات مثل العربية، والأردية، والغجراتية، والإنكليزية، والفرنسية، و الهندية، و وغيرها من اللغات.

بـدابيل بعد إتمام الدراسة الأردية والفارسية في نفس هذه الجامعة، وقد قضيت حوالي أربع سنوات دارسا الكتب المقررة والمؤلفة لتعليم قواعد اللـغة العـربية وآدابهـا، أمثـال كتـاب "نـحو مير" و "هداية النحو" و "الكـافية" و " شـرح الـجـامـي" فـي الـنـحـو و "نفحة اليمن" و المتنبّي والـحـمـاسة والسبـع الـمـعـلّـقـات فـي الأدب، ثمّ درست مادّة التفسير والحديث، فتعلّقت بذهني ثروة لغوية غزيرة وهائلة.

وكـنـت إلـى ذالك الـحين لم تصادفني قراء ة مجلاَّت وصحف عـربية، لـذالك كانت لغة الصحافة وبعض التعبيرات السياسية غريبة لي إلـى أن سـنـحـت لي فرصة لزيارة صحافيّ مسلم، و هو المرحوم الشيخ مـنـادي، وكـان كاتبا بارعا باللغة الغجراتية المحلية، ويصدر مجلة هذه الـلـغة بـاسـم "مسـلـم غجرات" وكان يتقن كذالك اللغة العربية. فكان يتـذوق بـمطالعة المجلاَّت والصحف والجرائد العربية التي كانت تصل إلـى مـكتبـه، وقـد كـنـت اختـلف إلـى مـكتبـه وأطالع هذه الصحف و المجلات، فكات لها دور كبير في تربية الذوق الأدبي العربي في ذهني.

و مـن سـعـادـة الـحـظ قـد قدّر لي بعد إتمام الدراسة بدابيل أن أقـصـد دارالـعـلـوم بـديـوبند للاستفادة من أساتذتها وشيوخها، وكانت دارالـعلوم ديوبند في ذالك الحين تتمتّع بوجود مبعوث من جامعة الأزهر و هـو الـمـرحوم الشيخ محمود عبد الوهاب، فكان وجوده فرصة سانحة

لتـربية الذوق العربي والاستزادة منه، فأسرعت إليه وتوطدت بيننا وشائج الـصـداقة والـمـــودة. فكنت اختلف إليه وأتحدّث معه بالعربية، ورافقته أحيـانا في السفر، وأطالع ما تصل إليه من المجلات العربية فأكسب لي كـل هـذا تـمرّنا ومرانا على الكلام والبيان بالعربية، فجزاه اللّٰه خيرا على ما أفادني ورباني ونشأني على اللغة العربية.

ولـعـلّ مـن الأمـور الـجديرة بالتسجيل في هذا الصدد هي تلك الـزيـارات و الرحلات السعيدة التي قمت بها للبلدان العربية، فقد رزقني الـلّٰـه التوفيق في عام ١٩٥٣م لحج بيت اللّٰه الحرام، فالتقيت هناك بعلماء والشخصيات الكبار.

واستفدت من كلامهم ودروسهم أثناء كانوا واعظين أو معلّمين في الحلقات التي كانت تنعقد فيالحرمين الشريفين لهٰذا الغرض.

و فـي عـام ١٩٦٨م سـافـرت إلى مصر وبغداد وأردن، فسعدت بـالـلـقاء مع علمائها وشخصياتها، وزرت بعض الجامعات والمؤسسات والـمـعـاهـد الـعـلـمية، وأتيـحت لي الفرصة النيرة للتحدث مع مدرائها وأساتذتها والاستماع إلى دروس بعضهم والتذوّق بلغتهم الفصحى.

ومن مصر (حيث كنت ذهبت إليها لشراء الكتب العربية العلمية لـدارنـا فـلاح الـدارين في عام ١٩٧٨م) استصحبت معي بعض الكتب الأدبية لأدبـاء وكتـاب مـصريين أمثال أحمد أمين، وطه حسين، وشوقي

ضيف، وعباس محمود عقاد، ومصطفى صادق الرافعي، فكان لها أعمق الأثر وأكبر النفع في تشحيذ ذوقي بالعربية.

وسأكون مقصرا لو لم أذكر هنا ما أفادتني مؤلّفات فضيلة الشيخ أبي الحسن علي الندوي التي ألفت بالعربية من الناحية اللغوية مع النواحي الأخرى، من إعطاء الفكر الإسلامي الصحيح، و المعلومات التأريخية الموثقة، والخطط والتوجيهات والآراء المفيدة في مجال الدعوة الإسلامية والحفاظ على الشخصية الإسلامية. فإنّني منذ أن بدأت أ تذوق بالقراء ة العربية مازلت مطالعا لمؤلّفات فضيلة الشيخ أبي الحسن الندوي، ومن وفور حبي لمؤلفاته خزنتها كلّها في مكتبتي التي أملكها، وقد خصصت لها ركنا خاصا وعلقت عليه لوحة تحمل اسم "أبو الحسنيات".

الظروف الحرجة التي يعيشها المسلمون في الهند هذه الأيام تدفعني إلى التفكير والتطلعات التالية

إنّ من أشد وأحرج الظروف الراهنة التي يعيشها المسلمون في الهند هو ما نتج من أجل الممارسات والمحاولات والجهود التي تبذل من قبل بعض المنظمات والجماعات الهندوسية المتعصبة مثل آر- ايس- ايس، لصهر جميع الحضارات والثقافات، وعلى رأسها الحضارة الإسلامية في بوتقة قانون مدني موحد. فما الحكم القضائي الذي أصدرته المحكمة العليا الهندية في شأن فرض النفقة الأبدية على الزوج

في حق المرأة التي طلقها طلاقا مغلظا إلا مثالا واضحا لما تخفي الأكثرية وأجهزتها الحاكمة من إدخال تعديلات وتغييرات في قوانين المسلمين الشخصية الإسلامية كخطة تمهيدية إلى صهر هذه القوانيين بالبوتقة المدنية. ثم مع أن هذه القضية قد أثارت ضجة كبيرة بين أوساط المسلمين، الأمر الذي دعاهم إلى توحد صفوفهم ورفع مذكرة احتجاج ضد هذا الحكم الوقح إلى مسئولي الحكومة والمطالبة منها لأن تشفع من المحكمة في إلغاء هذا الحكم الظالم.

و لمقاومة هذا الوضع الحرج و الخروج منه بدون أن يحمش وجه التشخص الإسلامي يتحتّم على المسلمين مع بذل الجهود على الأصعدة السياسية أن يحاولوهم بأنفسهم بالحفاظ على شخصيتهم الإسلامية، والتمسّك بأهداب الشريعة الغراء وتطبيقها في جميع مجالات الحياة، وأن لا يذهبوا بقضاياهم إلى المحاكم المدنية، ويقتنعوا بتصفيتها من معاونة من العلماء والمفتين أو المحاكم الشرعية الإسلامية التي ينبغي أن تقام في جميع أنحاء الهند.

ولعلّ من أسوء الظروف كذالك هو تدهور التعليم الديني استثناء ا لبعض المناطق التي تحسن فيها نظام التعليم الديني الابتدائي والمتوسط والعالي عن قنوات الكتاب والمعاهد ومراكز التعليم ودور التربية للأيتام والمعذورين. أما الكثرة الكاثرة من المناطق وقراها ومدنها فهي خربة

عارية من مثل هذه الشبكات التعليمية والتربوية لقلّة رغبة المسلمين إلى تعليم أولادهم تعليم الدين، واهتمامهم بإدخالهم في المعاهد والكليات والجامعات العصرية، ولعل ذالك يرجع إلى ضآلة وعدم تكافي الغرض للوظائف الحكومية لمن يتخرّج من المعاهد الدينية، كما لعدم التشجيع من الحكومة على التعليم الديني، ولتخلّف المسلمين اقتصاديا في جانب أكبر الأثر في تدهور نظام التعليم الديني.

فيا حبّذا لو تستمرّ البلدان والجمعيات والإدارات المعنية بتعليم المسلمين وتحسين شئونهم الاقتصادية في تركيز اهتماماتها إلى هذا الجانب. فإنّ الكتّاب والمعاهد الدينية ودور التربية لما تقدّم للمجتمع الإسلامي أنفى عناصر الوجود تعتبر العنصر النابض في الحفاظ على صيغ الشخصية الإسلامية.

نبذة موجزة عن مدى تأثير الفكر الإسلامي في أوساط المثقفين الهنود هذه الأيام

فالذي أريد أن أقول في هذا الموضوع أنّه لم يؤثر فيهم أكبر الأثر، أو أثّر ولكن منعهم التعصّب والتحزّب للديانة الهندوسية من التجاوب معه والمبا درة إلى الاعتناق به، أو لأنّ اعتمادهم في التعرّف على الإسلا م أكثر مايكون على مؤلّفات المستشرقين الحاقدين وعلى الدعاية الغربية الكاذبة، لذا يتمثّل أمامهم الإسلام و تأريخ المسلمين

النيّر في تلك الصورة المشوّهة التي تقدّم لهم هذه المؤلفات والدعاية. لذا تمسّ الحاجة في هذه الأيام إلى إيصال الصورة الحقيقية الثابتة للإسلام والمسلمين، وتأريخهم إلى أذهان المثقّفين من غير المسلمين. وذالك بوضع مؤلّفات في هذا الشأن و الاتّصال بهم مباشرة عن طريق تقديم الدعوة إليهم لزيارة المعاهد و الدور والمراكز الإسلامية فيتعرّفوا على المصادر الإسلامية الأصيلة الموثوقة، وتتهيّأ الأرضية الصالحة لتقربهم من المسلمين والتجاوب والمباريات اند فاعا ينسيهم أهم واجباتهم، فلا يبالوا إن لم يكونوا أبطالا و نجوما أو منتخبين في المبارات إذا يكونوا مؤلّفين لكتب نافعة أو عناصر فعّالة متميزة في إنجاز الأعمال الاجتماعية أو على الأقل معلّمين ومربين في المعاهد و الكتاتيب.

الصحيح مع الفكر الإسلامي:

وتحقيقا لهٰذا الغرض إننا اتصلنا بكبار المثقفين الهندوسين عن طريق تقديم الدعــوة إليهم لزيارة دارنا، وفعلا هم زاروها، وأبدوا ارتياحهم بما تمتّعوا بالتنفّس في الجوّ الإسلامي والبيئة المدرسية الصالحة المتديّنة، كما وزّعنا كتابًا مطبوعًا باللغة الغجراتية، وهو في الأصل ترجمة لكتاب صدر باللغة الإنكليزية باسم (Introduction to Islam) لصاحبه الدكتور حميد اللّٰه المقيم حاليا في فرنسا. واستهدف بتأليفه إلى تقديم تعريف وجيز المؤثر للإسلام، فحقا لهٰذا الكتاب

أطيب الاثر في من طالعوه، واتّصلت إلينا بعض الخطابات من بعض الشخصيات من غير المسلمين ينوّهون فيها المواضع الخيّرة في الإسلام.

ويجدر بي كذالك أن أذكر في هذا الصدد أنّ واقع المسلمين في هذه الأيّام عاد أسوأ ما يكون لأمّة من الأمم في جميع نواحي الحياة، وخاصّة أنّ ظاهرة الفرقة والتمزّق التي أدّتهم إلى التناحر و إهدار الدماء يترك في غير المسلمين أسوأ الأثر، وتدفعهم إلى التفكير بأنّ الإسلام ليس إلّا دين القتال والتناحر. فيا حبّذا لو قدّم المسلمون في جميع أنحاء العالم تمثيلا صحيحا للإسلام بتطبيقه في جميع نواحي الحياة، و بتوحيد صفوفهم تحت راية الخير وإيصال الخير إلى الإنسانية، فإنّ مثل هذا التمثيل الصحيح هو الذي يستطيع أن يجذب انتباه غير المسلمين إلى الإسلام.

وبالنسبة للنصيحة إلى الشّباب:

(١) أن يهتمّوا بالحفاظ على شخصيتهم الإسلامية أين حلّوا وساروا.

(٢) وأن يعتزّوا بما منحهم الله من نعمة العقيدة الإسلامية الصحيحة، وبما ظهرت في ظلال هذه العقيدة الوارفة من حضارة وعلوم وآداب في تأريخ المسلمين الطويل.

(٣) وأن يغتنموا فرصة الشباب في تحلية أنفسهم بالتربية الإسلامية، وأن يتدرّبوا على التخلّق بأخلاق الإسلام في حياتهم التعليمية في المعهد والكلية والجامعة.

(٤) وأن يبتعدوا من مظاهر الترف ولا يندفعوا وراء تياراللعبات.

بابِ پنجم

تاریخ

دارالعلوم فلاحِ دارین کے شعبۂ تجوید وقراءت پر اجمالی نظر

دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر، ضلع سورت، گجرات جنوبی ہند کا معروف دینی ادارہ ہے، جس کی تاسیس ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں ہوئی تھی اور ہندوستان کے دیگر دینی وعربی مدارس کی طرح اس ادارہ کا مقصد بھی علوم عربیہ اور علوم دینیہ کی تعلیم رہا ہے؛ مگر خاص طور پر عربی زبان وادب، علمِ فقہ وحدیث اور علمِ تجوید وقراءات پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے۔ اس مختصر مضمون میں علم وتجوید وقراءات کے شعبے میں دارالعلوم فلاحِ دارین میں جو کام انجام پذیر ہوا ہے، اس پر اجمالی نظر ڈالی گئی ہے۔

الحمدللہ! اس ادارہ کو اس کے ابتدائی دور سے فنِ تجوید کے قابل اور فاضل اساتذہ ملتے رہے۔ ابتدائی دور میں قاری ابراہیم بن محمد ڈیسائی ترکیسری رحمۃ اللہ علیہ -جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے فاضل تھے اور جامعہ کے اُس دور کے مشہور اور قابل استاذ تجوید وقراءت حضرت مولانا قاری محمد یامین صاحب رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل تھا اور ان سے قراءت حفص اور سبعہ کی مشق کی تھی- اس شعبے میں خدمت انجام دیتے رہے۔

جب عربی درجات میں اضافہ ہوا تو پھر قاری محمد رمضان میواتیؒ (۲)، تلمیذ رشید قاری حفظ الرحمٰن صاحب صدر القرا دارالعلوم دیوبند کو دعوت دی گئی، جواز یں قبل

(۲) **حضرت قاری محمد رمضان صاحب میواتیؒ:** ضلع نوح کے قریب چندسنی نامی ایک چھوٹی سی بستی کے باشندے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر قاری محترم قاری حفظ الرحمٰن کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ فنِ تجوید وقراءات میں =

درجۂ تجوید صوفی باغ سورت اور پھر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شعبۂ تجوید وقراءت میں خدمت انجام دے چکے تھے، فنی بصیرت میں ہندوستان کے معدودے چند اساتذہ میں شمار کیے جاتے تھے۔ قاری محمد رمضان صاحب فن کے ماہر اساتذہ میں تھے، مشق پر پورا قابو ہونے کے ساتھ فنِ تجوید کے مسائل کی تفہیم میں اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے پُرسوز آواز عطا فرمائی تھی، قاری صاحب نے طلبہ میں فن کا ذوق پیدا فرمادیا تھا۔

طلبا کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو اس شعبہ میں مزید اساتذہ کی ضرورت محسوس ہوئی؛ چناں چہ قاری محمد صالح صاحب مدظلہ (۱) جوگواڑی شاگرد قاری محمد رمضان میواتیؒ کا تقرر کیا گیا۔ قاری صالح صاحب بھی اپنے استاذ مکرم کے طرز پر طلبہ میں فن کا ذوق پیدا کرنے اور صحتِ مخارج سے قرآن مجید پڑھنے پر محنت فرماتے رہے۔

= یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ پہلے تجوید القرآن صوفی باغ میں تجوید وقراءت کے استاذ کی حیثیت سے تقرر ہوا، چند سال بعد جامعہ ڈابھیل آگئے، اس کے بعد فلاحِ دارین ترکیسر منتقل ہوگئے۔ بہترین قرآن پڑھتے تھے، مزاج میں حدت تھی اس لیے جم نہ سکے۔ ''اے تیزی طبع! تو بر من بلا شدی'' میوات میں وفات ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ!

(حاشیہ از مفکرِ ملتؒ بحوالہ نقوشِ بسم اللہ: ۱/ ۵۳۶)

(۱) **حضرت قاری محمد صالح بن فقیر احمد صاحب مدظلہ:** جوگواڑ، ضلع نوساری گجرات کے باشندے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں پیدا ہوئے۔ ناظرہ وحفظ کی تعلیم مدرسہ فرقانیہ عالیہ جوگواڑ میں حاصل فرمائی، اس کے بعد قاری سعید احمد صاحب ڈابھیلی کے پاس حفظ کا دور فرما کر فنِ تجوید کی مشق کی، بعدہٗ صوفی باغ سورت میں حضرت قاری رمضان صاحب میواتیؒ سے حفظ وتجوید کی تعلیم میں مہارت حاصل فرمائی۔ مدرسہ صوفی باغ میں دوسالہ قیام کے بعد حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ کے مشورے سے تراج تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا علی محمد موسیٰ تراجویؒ کے پاس عربی کی چند کتابیں پڑھیں، اسی دوران مدرسے میں ایک مجوّد کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ کو تجوید کی خدمت کے لیے مامور کردیا گیا؛ چناں چہ آپ نے مدرسہ مفتاح العلوم تراج میں کچھ مدت تجوید کی خدمت کی، اس کے بعد مدرسہ صوفی باغ سورت، =

دار العلوم کے درجات میں مزید اضافہ ہوا تو قاری محمد عباس صاحب دھرم پوری مدظلہٗ (۱) کو دعوت دی گئی، موصوف بھی قاری محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے شاگردوں

= جامعہ ہدایت الاسلام عالی پور، مدرسہ امداد العلوم وڈالی اور دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں تجوید کی خدمات انجام دیں۔فلاحِ دارین ترکیسر میں تیرہ سال تک خدمت انجام دی، اس کے بعد دس سال تک جنوبی افریقہ میں حفظ وتجوید کی خدمت انجام دی۔ اب کناڈا میں مقیم ہیں۔ مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مانک پور اور مدرسہ رضوانِ دارین کم کوتر جیسے دینی ادارے قائم فرمائے، جہاں سے تعلیم وتربیت کے ساتھ رفاہی خدمات بھی انجام پاتی ہیں۔ ان کے علاوہ اپنے گاؤں جوگواڑ میں ''انجمن نصرت المسلمین'' بھی قائم فرمائی، جس کے تحت مختلف رفاہی کام انجام پاتے ہیں۔ آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ تھا؛ لیکن آپ کو خرقۂ خلافت چار بزرگوں سے حاصل ہوا۔ حضرت پیر مولانا محمد طلحہ صاحبؒ، حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی دامت برکاتہم، حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب دامت برکاتہم، حضرت حافظ محمد صاحب عرف باجی پیرامنیؒ۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی عمر میں بے حد برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ آمین!

(۱) حضرت قاری محمد عباس صاحب دھرم پوریؒ: ۱۹۴۰ء میں دھرم پور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم جامعہ ڈابھیل میں حاصل فرما کر دار العلوم اشرفیہ راندیر میں داخلہ لیا اور فارسی اول' دوم کی تعلیم حاصل فرمائی، بعدہٗ مظاہر علوم میں کچھ مدت قیام فرمانے کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور درجۂ مشکاۃ تک تعلیم حاصل فرمائی۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے روایتِ حفص اور قاری عتیق الرحمٰن صاحبؒ سے سبعہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔ جامعہ ڈابھیل میں بارہ سال خدمت انجام دے کر دار العلوم فلاحِ دارین کے شعبۂ تجوید کو سنبھالا، یہاں دس سال آپ نے خدمت انجام دی۔ بعدہٗ ری یونین میں چند ماہ خدمت فرمائی، آپ نے دار العلوم ماٹلی والا اور دوبئ میں بھی خدمت انجام دی ہے۔ جب آپ کی صاحب زادیوں نے عالمیت کی تعلیم مکمل فرمالی تو آپ نے دبئ کے عیش وآرام کی زندگی کو چھوڑ کر ہندوستان واپسی کا فیصلہ فرمایا؛ چناں چہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء میں دھرم پور میں "جامعة النور للبنات" کے نام سے ایک معیاری ادارہ قائم فرمایا، جہاں سے تقریباً ۵۰۰/ طالبات سندِ فضیلت حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں حضرت قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی، حضرت قاری محمد ایوب اسحاق صاحب افریقی، حضرت مفتی عبداللہ صاحب ہانسوٹی، حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ حال مہتمم جامعہ ڈابھیل وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ خود آپ کی نسبی اولاد میں پانچ بیٹیاں عالمہ اور ایک بیٹے عالم ہیں، جن میں سے دو بچیاں بخاری شریف اور ایک ابوداؤد شریف کی تدریس فرمارہی ہیں؛ نیز ایک داماد بھی حدیث شریف کا درس دے رہے ہیں، فكفى به شرفًا و فخرًا! ۱۶/ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۸/ دسمبر ۲۰۱۵ء کو حضرت قاری صاحبؒ اپنے سفرِ عمرہ کے موقع پر مکۃ المکرّمہ میں انتقال فرمایا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

میں ہیں، کئی سال جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں شعبۂ تجوید وقراءت کے استاذ رہے، اس کے بعد فلاحِ دارین تشریف لائے۔ قاری صاحب نے بھی انتہائی محنت اور لگن سے فن کی خدمت کی اور طلبہ میں مزید شوق پیدا کرنے کے لیے "لجنة القراءة و التجويد" کی داغ بیل ڈالی۔ قرآن مجید کی مشق کرنے اور جلسوں میں بے جھجک پڑھنے کی عادت ڈالنے کے لیے مختلف جلسوں میں اور عصر بعد مسجد میں تلاوت کا سلسلہ شروع کروایا اور اس طرح دارالعلوم فلاح دارین میں اس فن کی خاص فضا بنتی گئی۔

مگر اب تک حفص کی روایت کے مطابق درجۂ تجوید کی تعلیم ہوتی تھی، فن کی کتابوں میں خلاصہ و جزری تک تعلیم شروع ہوئی تھی، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ سبعہ اور عشرہ کی تعلیم بھی شروع کی جائے؛ مگر اس فن کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ ہونے کے سبب سبعہ عشرہ کے پڑھانے والے بھی بہت کم رہ گئے تھے؛ مگر جوئندہ یابندہ مسلسل جد وجہد کے بعد اس فن کے ماہر اور نہایت قابل استاذ فلاحِ دارین کو مل گئے، جن کا نام نامی قاری انیس احمد صاحب فیض آبادی رحمہ اللہ تھا(۱)، موصوف نہایت متقی اور عابد وزاہد شخص تھے، فنِ قراءت وتجوید میں بلند مقام حاصل تھا۔ لکھنؤ فرقانیہ کے اساتذہ نیز دارالعلوم دیو بند کے صدر قاری محمد حفظ الرحمٰن رحمہ اللہ سے خصوصی تلمذ حاصل تھا۔ موصوف کو فن پر مکمل قدرت حاصل تھی، فن کے دقیق مسائل کو خصوصاً سبعہ وعشرہ کے مسائل کو خاص انداز سے سمجھانے کا سلیقہ رکھتے تھے۔

موصوف نے دعوت قبول فرمائی اور پوری جاں فشانی، یکسوئی سے شعبے کو

---

(۱) آپ کا تعارف مقالات مفکرِ ملت جلد اول صفحہ ۱۴۱ پر گزر چکا ہے۔

ترقی دینے اور طلبا کی ایک اچھی خاصی تعداد تیار کرنے میں اہم خدمت انجام دی۔

موصوف کی تشریف آوری کے بعد دار العلوم میں خلاصہ و جزری کے بعد شاطبیہ اور رائیہ وغیرہ کتابیں بھی پڑھائی جانے لگیں، اس طرح تصحیح مخارج سے لے کر عشرہ اور ثلاثہ تک کی قراءات با قاعدہ پڑھائی جانے لگیں۔

الحمد للہ، ثم الحمد للہ! مذکورۃ الصدر فاضل استاذ کی مخلصانہ محنتوں کا ثمرہ بہت جلد ظاہر ہونے لگا اور ان کے ایسے اچھے تلامذہ تیار ہوئے جنھوں نے اپنے اساتذہ کی روایات کو قائم رکھ کر شعبے کو چار چاند لگا دیئے؛ چناں چہ جب قاری انیس صاحب کی صحت خراب ہوئی اور درس وتدریس سے معذور ہو گئے تو اُن ہی کے تلامذہ نے شعبے کو سنبھالا دیا۔ قاری محمد صدیق سانسرودی زید علمہ (۱) کو اس فن سے شروع سے ہی اچھا لگاؤ تھا، اساتذہ سے خوب استفادہ کیا اور پھر جب اُن کو اس شعبے کی خدمت سپرد ہوئی تو رات دن محنت کر کے اس کی ترقی اور فن کی اشاعت میں لگ گئے اور الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے ان کی مساعی کو بھی شرفِ قبولیت عطا فرمایا اور ایسے اچھے طلبہ تیار ہوئے جو

---

(۱) حضرت قاری محمد صدیق سانسرودی صاحب زیدت معالیہ (ولادت ۱۹۶۱ء): سانسرود ضلع بھروچ کو موصوف کی جائے ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۹۸۰ء میں ''دار العلوم فلاحِ دارین'' سے سندِ فضیلت حاصل کی۔ جامعہ مذکورہ ہی میں علوم قراءت، سبعہ، ثلاثہ اور عشرہ وغیرہ کی تکمیل کی۔ ۱۹۸۱ء سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ اس وقت صدر القرا کے بلند مقام پر فائز ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت مفتی احمد بیمات صاحب، حضرت قاری انیس صاحب فیض آبادیؒ وغیرہ اکابر علما ہیں۔ آپ کے اشہبِ قلم سے ایک درجن سے زیادہ کتابیں نکل کر علمائے کرام سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں۔ جن میں ''فتح الرحمٰن شرح خلاصۃ البیان'' اور ''المیسر ۃ'' لاجواب کتابیں ہیں۔ ثانی الذکر کتاب برِصغیر میں عشرۂ کبیر کے اجرا کے حوالے سے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے دنیا بھر میں اپنے تلامذہ کا جال بچھا دیا ہے۔ آپ علمِ تجوید وقراءت کے حوالے سے علما وقرا کا مرجع ہیں۔ اس علم شریف کے حصول کے لیے=

آج مختلف اداروں میں اس فن کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ قاری محمد صدیق صاحب نے تدریس کے ساتھ ساتھ کتبِ تجوید کی شرح وتسہیل کا بھی کام شروع فرمایا اورالحمدللہ! اچھی مفید کتابیں شائع فرمائیں، چناں چہ اب تک (۱) رہبر تجوید (۲) فتح الرحمٰن شرح خلاصۃ البیان (۳) قرآن کریم اورخوش الحانی (۴) فنِ تجوید وقراءت مکالمات کے آئینہ میں (۵) توضیح الوقف حاشیہ جامع الوقف (٦) تخريج الأصول من الشاطبية في الفوائد المحبية (٧) الميسرة في أصول القراءات العشر و إجراء ها بطريق الطبية (٨) القول الجميل في مد التأذين و التكبير (۹) ترتیل وتدویر کی خوش الحانی (۱۰) تجوید وقراءت کے اسباب زوال اورنشأۃ ثانیہ (۱۱) مصاحف عثمانیہ میں باہم اختلاف ایک حقیقت (۱۲) تجوید و قراءت کا پیغام خدامِ قرآن کے نام (۱۳) گجرات میں تجوید وقراءت کی خدمات وغیرہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

اللہ ربُّ العزت کے فضل اور اِن اساتذہ کی مخلصانہ محنتوں کا یہ نتیجہ ہے کہ علاقہ کے دیگر مدارس اور بیرون ملک مساجد، مدارس کے لیے اساتذۂ دارالعلوم نے قابل قرا کی خدمات پیش کیں اور وہ قرا آج دنیا کے مختلف حصوں میں اخلاص وللّٰہیت

= اکنافِ عالم سے لوگ جوق در جوق حاضر ہوکر آپ کی بارگاہِ عالی سے اپنی تشنہ لبی دور کرتے ہیں۔ تجوید وقراءت میں آپ کی آرا کو وقیع نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ مصر وعرب کے علمانے آپ کی فنی مہارت کا لوہا مانا ہے۔ جب تجوید و قراءت کے کسی موضوع پر گویا ہوتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ؎ بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول میں
حق تعالیٰ مدت مدید تک آپ کے سایے کو باقی رکھے، اورعلم وفضل کا یہ آبشار اپنی پوری توانائی کے ساتھ جاری وساری رہے۔ آمین!

کے ساتھ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، اللہ سب کی خدمات قبول فرما کر مزید ترقیات عطا فرمائے۔ آمین!

دارالعلوم فلاحِ دارین سے اب تک بلا مبالغہ سیکڑوں طلبا نے سند قراءت حاصل کی ہے؛ مگر اُن میں بعض ممتاز فضلا کا ذکر کرنا مناسب ہے، کہ درخت اپنے پھل سے ہی پہچانا جاتا ہے۔

(۱) قاری محمد صدیق سانسرودی صاحب/صدر قاری دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر، انڈیا

(۲) قاری ایوب اسحاق صاحب افریقی/صدر قاری دارالعلوم زکریا جوہانسرگ جنوبی افریقہ

(۳) قاری داؤد صاحب کوساڑی/ سابق استاذِ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر وحال استاذ تجوید مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ، جنوبی افریقہ

(۴) قاری مقبول صاحب ہتھوڑوی/صدر قاری مجلس دعوت الحق اون سورت

(۵) قاری محمد حسن سورتی / سابق مدرس تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر وحال امام وخطیب جامع مسجد لیلونگوے، ملاوی

(۶) قاری اسماعیل ڈیسائی صوفی / استاذ و مہتمم مدرسہ انیس القرآن اِمزنٹو جنوبی افریقہ

(۷) قاری محمد ہارون بن شیخ حسین علی سوڈانی / نیوزی لینڈ

(۸) قاری زبیر بن احمد لالہ/ مدرسہ انس بن مالک سینٹ ڈینس، ری یونین

(۹) قاری یوسف بن ابراہیم ٹنکاروی/ شیخ الحدیث دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر

(۱۰) قاری شبیر بن محمد صالح جوگواڑی/ٹورنٹو، کینیڈا

(۱۱) قاری مشتاق صاحب ماتروری/ استاذ تجوید دارالعلوم بولٹن، یوکے

(۱۲) قاری مفیدالاسلام صاحب/سابق استاذ تجوید دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر و حال مدیر قراءت اکیڈمی ترکیسر، انڈیا

(۱۳) قاری محمد صدیق کڑی/سابق صدر قاری جامعہ قاسمیہ عربیہ کھروڑ، ضلع بھروچ، انڈیا

(۱۴) قاری محمد خالد کاپودروی/استاذ تجوید جامعہ قاسمیہ کھروڑ، ضلع بھروچ، انڈیا

(۱۵) قاری محمد یعقوب کوساڑی/صدر قاری دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، انڈیا

(۱۶) قاری محمد اسلم ورتھی/سابق استاذ تجوید دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، انڈیا

(۱۷) قاری عبداللہ پونوی/سابق استاذ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر و دارالعلوم کھامبیہ عالی پور، انڈیا، وحال مقیم پونہ

(۱۸) قاری خلیل اللہ پونوی / سابق استاذ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر و دارالعلوم کھامبیہ عالی پور، انڈیا، وحال مقیم پونہ

(۱۹) قاری ارشاد کوکنی/سابق استاذ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر و دارالعلوم کھامبیہ عالی پور، انڈیا، وحال مقیم انگلینڈ

(۲۰) قاری عبدالعزیز دیولوی/استاذ تجوید وقراءت فلاحِ دارین ترکیسر، انڈیا

(۲۱) قاری اسماعیل صاحب کوساڑی/استاذ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر

(۲۲) قاری محمد نذیر صاحب کلکتوی/سابق صدرالقراء جامعہ رشیدیہ نانی نرولی وحال استاذ تجوید دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر

(۲۳) قاری سلمان اورنگ آبادی/سابق استاذ تجوید وقراءت فلاحِ دارین ترکیسر، انڈیا وحال مقیم کیرالہ

(۲۴) قاری احمد امین چوکسی/ سابق امام و خطیب مسجد میفے جنوبی افریقہ، حال مسجد عائشہ وِڈبی، کینیڈا

(۲۵) قاری محمد حنیف صاحب ماتروی/ سابق امام مسجد ایلفو رڈ لندن، برطانیہ

(۲۶) قاری اسماعیل چوکسی/ زمبابوے

(۲۷) قاری عمر فاروق کٹھوروی/ سابق استاذ تجوید جامعہ اسلامیہ آتجکس، کینیڈا، حال امام مسجد دار السلام، ٹورنٹو

(۲۸) قاری محمد طاہر ترکیسری/ سابق استاذ جامعہ اسلامیہ آتجکس، کینیڈا، حال امام مدینہ مسجد ٹورنٹو

(۲۹) قاری اصغر علی کھلوڑی/ سنسناٹی، امریکہ

(۳۰) قاری محمد قاسم انگار صاحب/ امام و خطیب مسجد ابوبکر، کینیڈا

(۳۱) قاری عمران نبی افریقی/ امام و خطیب، آسٹریلیا

(۳۲) قاری ابوبکر موملا ترکیسری/ نیوزی لینڈ

(۳۳) قاری محمد یونس اندوری/ موریشش

(۳۴) قاری اسماعیل پانولی/ سابق استاذ تجوید دار العلوم کون ویل، کینیڈا، وحال امام وخطیب کیمبرج

(۳۵) قاری یعقوب ٹنکاروی/ سابق استاذ، امام و خطیب سینٹ پیر مسجد، ری یونین

(۳۶) قاری زبیر امریکی/ ڈیٹرویٹ، امریکہ

(۳۷) قاری اسماعیل صاحب جوگیات/ امام مکی مسجد، مونٹریال، کینیڈا

(۳۸) قاری علی احمد صاحب مٹواڑی/ استاذ درجۂ حفظ باٹلی، برطانیہ

(۳۹) قاری سعید احمد صاحب کانکریہ/ امام مسجد بلیک برن، برطانیہ

(۴۰) قاری ہارون صاحب پالن پوری/ سابق استاذ تجوید دارالعلوم کاکوشی، شمالی گجرات

(۴۱) قاری محمد حنیف بن یونس صاحب انگار فلاحی/ کینیڈا

(۴۲) قاری امام طاہر صاحب الفلاحی/ امریکا

(۴۳) قاری شعیب صاحب نورگت/ لندن

(۴۴) قاری خلیل الرحمٰن حسن صاحب اصوات/ لیسٹر

(۴۵) قاری زبیر عبدالرحیم ملا صاحب/ دارالعلوم بلیک برن

(۴۶) قاری محمد بن داؤد صاحب لمباڈا/ انگلینڈ

(۴۷) قاری انیس احمد بن قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی/ انگلینڈ

(۴۸) قاری مصطفیٰ صاحب/ ری یونین

(۴۹) قاری جمیل عمرجی صاحب/ ری یونین

(۵۰) قاری احمد ملا صاحب/ ری یونین

(۵۱) قاری یحییٰ صاحب راوت/ ری یونین

(۵۲) قاری عبدہ السعید صاحب/ ری یونین

(۵۳) قاری بلال صاحب گنگات/ ری یونین

(۵۴) قاری محمد حنیف دیولوی صاحب فلاحی/ جنوبی افریقہ

(۵۵) قاری احمد ملا صاحب فلاحی/ جنوبی افریقہ

(۵۶) قاری یوسف صاحب بڑودوی/ جنوبی افریقہ

(۵۷) قاری محمد ساجد صاحب پگوٹھنی/ مدغاسکر

(۵۸) قاری عبدالحق صاحب صاحب مچھاسروی/ جامعہ سعادت دارین ستپون

(۵۹) قاری سعید بن یعقوب صاحب کروی/ استاذ تجوید جامعہ سعادت دارین ستپون

(۶۰) قاری ایوب صاحب دیولوی/ استاذ تجوید جامعہ علوم القرآن جمبوسر

(۶۱) قاری شعیب صاحب جلال آبادی/ استاذ تجوید مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد

(۶۲) قاری مسعود بن مفتی مقصود صاحب/ استاذ تجوید دار العلوم گڑھی دولت

(۶۳) قاری مطہر صاحب/ میل وِشارم مدراس

(۶۴) قاری طٰہٰ سلیم صاحب/ مدراس

(۶۵) قاری انس سلیم صاحب/ مدراسی

(۶۶) قاری قدرت اللہ صاحب/ کیرالہ

(۶۷) قاری بلال صاحب/ استاذ تجوید جامعہ کوثریہ کیرالہ

(۶۸) قاری الطاف صاحب انعامی/ استاذ تجوید دار العلوم نیپانی، بیلگام، کرناٹکا

(۶۹) قاری محمود الحسن صاحب بنگالی/ استاذ تجوید دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

(۷۰) قاری سرفراز صاحب گودھروی/ استاذ تجوید دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

(۷۱) قاری احمد حسین صاحب بھاگل پوری/ استاذ تجوید دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر

الحمدللہ! لجنۃ القراءۃ والتجوید میں طلبا ذوق وشوق سے حصہ لیتے ہیں اور خارجی اوقات میں مشق کر کے اپنی استعداد میں اضافہ کرتے ہیں، اس لجنہ کے ہر ماہ

اجتماع ہوتے ہیں اور سالانہ اجتماع میں ملک کے مشہور اساتذۂ فن کو مدعو کیا جاتا ہے چناں چہ اب تک جن معروف قرائے کرام کی تشریف آوری ہوئی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) قاری احمد اللہ صاحب مدظلہ/ صدر قاری جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

(۲) قاری محمد حسین صاحب مدظلہ/ جامعہ حسینیہ راندیر

(۳) قاری ابوالحسن اعظمی مدظلہ/ صدر قاری دارالعلوم دیوبند

(۴) قاری اسماعیل صاحب/ صدر القرا مدرسہ ریاض العلوم، گورینی

(۵) قاری وسیم صاحب/ صدر القرا مدرسہ فرقانیہ، لکھنؤ

(۶) قاری محمد انیس صاحب/ استاذ تجوید مدرسہ ریاض العلوم، گورینی

(۷) شیخ عبدالناصر حرک، مصر کے مشہور قاری

(۸) شیخ ولید حرک

(۹) قاری مظہر صاحب باندوی

(۱۰) قاری ظفر الاسلام صاحب مئوناتھ بھنجن

(۱۱) قاری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی

(۱۲) قاری صبغت اللہ صاحب لکھنؤ

(۱۳) قاری محفوظ الرحمٰن صاحب مئو

(۱۴) قاری رضوان نسیم صاحب/ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

(۱۵) شیخ عادل باز/ مصر (۱۶) شیخ حامد جمّال

ان سالانہ جلسوں میں طلبا حفص، سبعہ، عشرہ، قراءات کی تلاوت کرتے ہیں، مسائل تجوید پر مکالمات ہوتے ہیں اور تجوید کی اہمیت پر تقریریں ہوتی ہیں، جن کے اب تک بہت اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ مزید عطا فرمائیں۔ آمین!

تاثرات مہمانانِ کرام

لجنۃ القراءۃ والتجوید کے سالانہ جلسوں میں تشریف لانے والے مہمانانِ کرام نے جو تاثرات تحریر فرمائے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

يوم الجمعة / ١٤/من رجب ١٤٢٤هـ–٢٠١٢/٥/٢٤م

بسم الله الرحمن الرحيم

"ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا" صدق الله العظيم

مما لا شك فيه أني وجدت هنا في الهند مسلمين يسمعون القرآن بقلوبهم وليس بعقولهم فقط.

وأيضا وجدت طلابا يشتقون ويعشقون الفن والمقامات، ويريدون أن يعرفوا عن علم المقامات، لأنهم يعشقون سماع القرآن الكريم، اقتباسا من منطلق حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم (ليس منا من لم يتغن بالقرآن) فحفظكم الله ورعاكم وأتم عليكم الصحة والعافية في الدنيا والآخرة، وذلك لما فتحتكم لهؤلاء الطلاب لأنهم يتعرفوا على هذه المرتبة من مراتب القراءة، ألا وهي مرتبة التحقيق التي تسمى في بعض البلدان بالمجود.

و أمـا ملاحظتي لهؤلاء الطلاب و أصدقائي من المشايخ الكرام مـع حـفـظ الألقاب أنيس، إسماعيل، يحيٰى، عمران، روح الأمين، عبد العزيز، نذير، محمود! كما بدأت أنا و تعلمت عليهم أنهم سمعوا كثيرا، كـل واحـد منهم لمدرسة يعشقها، وتكون هذه المدرسة قريبة في الأداء مـن صوته، وليس شرطا أنه يقلده كما هو بل الأفضل أنه يقلده بأسلوبه، وليـس بـصـوتـه يـعـني يضع في صوته أدائه وأسلوبه، فليس عيبا أن يقلد الطالب أي قارئ سواء قديم وحديث، ولكن العيب هنا حينما يستمر في التـقـليد له طوال عمره، لأن الله عزوجل وضع لنا ولكل قارئ بصمة في صوته، فعليه أن يبحث عنها.

و مـمـا أدهشني هنا حينما كنت أسمع لبعض الطلاب وجدتهم يـقلدونني فهذا لابأس به، والحمد لله أنا كنت أقلد الشيخ العملاق راغب مصطفى غلوش، والآن لي أسلوبي، فحينما وجدت الطلاب يقلدون فني وأدائي الحركي، شعرت الآن بأني نجحت في حياتي، ولا أزكي نفسي عـلـى الله، هكذا فعل الشيخ راغب غلوش في بدايته قلد العملاق الشيخ مصطفى، و بعد ذلك أصبح له منهج خاص، فهكذا فعلت مثله.

و أتـمـنـى من الله عزوجل في المرات القادمة إن أذن الله وكان لـي نـصيـب أن أرى طلابا يكونوا لهم صوت حسن و يكونوا أفضل مني إن شاء الله، فالله يصطفي هذا الكتاب والصوت لبعض من عباده.

وأخيرا أخونا وحبيبنا الشيخ (محمد صديق) أهدي هذه الكلمات لكم، ودائما تكونوا مني في القلب، كما سعدت بلقائك، ووجدتك صادق القلب وطيب النفس و السريرة، وأيضا وجدت الكثير هنا الطلاب والناس يحبونك، فهذا و إن دلّ فإنما يدل على أنك صادق القلب، و حب الناس لك من حب اللّٰه أيضا، إذا أحب اللّٰه عبدًا قال اللّٰه للناس في الأرض يا عبادي! أحبو فلانًا "هذا فيما معناه" و أسأل اللّٰه عزوجل أن يجعلني أحسن مما يظنون، و أنه يغفرلي ما لا يعلمون، و أن يجعلني و إياكم في الجنة تحت مستقر رحمته.

اللّٰهم اٰمين (عبد الناصر حرك(۱))

الجمعة ٢٤/٥/٢٠١٢م

---

(۱) **شیخ عبدالناصر بن سعد عبدالباسط حرک:** مصر کے شبرا اَلیمن نامی گاؤں میں یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن پاک اپنی دادی سے شروع فرمایا اور شیخ عبدالغنی سرحان شبراملسی کے پاس تکمیل ہوئی۔ شیخ عبدالغنی سرحان آپ کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرماتے اور آپ کے ساتھ اُن کی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ اپنے گاؤں میں بنیادی تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ کے والد نے شبراملس کے دینی ادارے میں داخل کر دیا تا کہ آپ کا قرآنِ کریم مضبوط اور پختہ ہو جائے؛ چناں چہ آپ وہاں تعلیم حاصل فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خاندان کو حسنِ صوت کی نعمتِ بے بہا سے نوازا ہے؛ چناں چہ آپ کو بھی بہت ہی دل کش اور شیریں آواز اور بہترین نغمے سے مالا مال فرمایا ہے۔ اپنے بچپن میں شبراملس کے مدرسے میں جب قراءت کی مشق فرماتے تو چوں کہ مدرسہ لبِ سڑک واقع تھا تو آپ کی میٹھی آواز اور پُر ترنم لہجے کو سن کر راہ گیروں کی قدم اور گاڑیاں ٹھہر جاتیں اور دیر تک لوگ آپ کی آواز سے متمتع ہوتے۔ بہرحال آپ نے اپنی تعلیم مکمل فرما کر کلیۃ اصول الدین منصورہ جامع ازہر میں داخلہ لیا اور جامع ازہر سے تعلیم کی تکمیل کے بعد وزارۃ الاوقاف مصر کی طرف سے امام وخطیب کے عہدے پر فائز ہوئے۔ شیخ کا حکومت کی طرف سے متعدد مرتبہ اعزاز بھی کیا گیا اور دنیا کے کئی ممالک خصوصاً سعودی عرب میں آپ کے ساتھ تکریم کا معاملہ کیا گیا۔ شیخ عبدالناصر حرک اپنی تعلیم =

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أحمده و أصلي علىٰ حبيبه الكريم . أمابعد!

قراءت کے تعلق سے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں یہاں کے طلبہ کے مسابقۂ قراءت میں فیصل کی حیثیت سے حاضری کا موقع ملا، اپنے مزاج کے اعتبار سے صرف صحیح اور حق بات کہنے ہی کی عادت ہے، لہٰذا بلا مبالغہ عرض ہے کہ طلبہ کی قراءت سننے کے بعد میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جس طرح مصنوعات سے صانع کی فن کاری کا اندازہ ہوتا ہے، اسی طرح تلامذہ کی صلاحیت سے اساتذہ کے علم وفن کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں۔

میرے سامنے طلبہ نے روایت حفص، قراءات سبعہ وثلاثہ وعشرۂ کبیر میں قراءت کا مظاہرہ کیا، بعد میں آخری چند سورتیں اپنی قراءتوں میں پڑھ کر کلام اللہ پورا کیا، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں پر علم وتجوید وقراءت کی بالاہتمام تعلیم ہوتی ہے، اور اس پر بھرپور توجہ دی جاتی ہے، جو آج کی ایک اہم ضرورت ہے۔

دراصل یہ سب حضرت قاری انیس احمد خان صاحب جگن پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیوخ کا علمی وروحانی فیضان ہے، اس کے علاوہ عربی درسیات میں فضیلت اور تخصص تک مکمل تعلیم ہوتی ہے، اس ادارہ کی وسیع وعریض خوش نما عمارت

= کے آغاز ہی میں شیخ راغب غلوش، شیخ محمد بسیونی اور شیخ انور شحات سے متاثر تھے، خاص طور پر شروع میں شیخ راغب غلوش کی نقالی فرماتے۔ فی الحال مصر میں آپ کی قراءت ٹیلی ویژن پر بھی نشر کی جاتی ہے اور دنیا کے متعدد ممالک کا سفر فرما کر اپنی قراءت سے لوگوں کو متاثر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ سے مزید فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اور اس میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب راوت (۱) مہتمم ادارہ کا اہتمام وانتظام اور باصلاحیت ولائق اساتذۂ کرام کی ایک بڑی جماعت اور ملکی وغیر ملکی حصول علم میں مستعد طلبہ کی کثرت اس ادارہ کی ترقی کی ضامن ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ استحکام اور ان کی اصلاح کے ساتھ فلاحِ دارین عطا فرمائیں۔آمین!

احمد ضیاء ازہری لکھنوی (۲) ۱۹۹۶/۱۰/۲۵ء

---

(۱) **حضرت مولانا خلیل احمد صاحب راوت دامت برکاتہم:** رِی یونین کے مشہورِ عالَم، خانوادۂ راوت کے چشم و چراغ ہیں۔آپ نے ۱۳؍جون ۱۹۵۸ء کو رِی یونین میں آنکھیں کھولیں۔قاری محمد صاحب چوکسیؒ سے حفظ کی تکمیل فرمائی۔ ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر میں داخلہ لیا اور ۱۹۸۰ء میں فراغت ہوئی، بعدہٗ ایک سال تخصص فی التفسیر میں گزارا، پھر کچھ ماہ فلاحِ دارین میں تدریس فرمانے کے بعد تقریباً ایک سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ رمضان کی تعطیلات میں وطن تشریف لے گئے تو مقامی ذمے داروں کے اصرار پر مدرسہ تعلیم الاسلام کی ذمے داری قبول فرمائی اور ایک طویل عرصے تک اس میں خدمت انجام دیتے رہے۔مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہٗ سے آپ نے تقریباً پچیس تیس کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل فرمایا ہے۔آپ کی تعلیم وتربیت میں حضرت مفکرِ ملتؒ کا خصوصی کردار رہا ہے اور یہ حضرت کے اخلاص وللّٰہیت کی بات تھی کہ آپ نے راوت خاندان کے ایک چشم و چَراغ کو اپنے خونِ جگر سے تیار کر کے اپنے بعد دارالعلوم کی ذمے داری کے لیے تیار فرما دیا؛ چناں چہ ۱۹۹۰ء میں اپنے اکابر اور اہلِ خانہ کے حکم پر فلاحِ دارین کے اہتمام کو سنبھالا؛ الحمدللہ! تیس سال سے فلاحِ دارین کا کامیاب اہتمام فرما رہے ہیں۔رِی یونین میں آپ نے ''مدرسہ سیدنا انس بن مالکؓ'' کے نام سے دینی ادارہ بھی قائم فرمایا ہے، جس کے تحت مقامی نوجوانوں میں دینی تعلیم کو عام کرنے کی خدمت دی جارہی ہے۔آپ پیرِ طریقت حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم وغیرہ اکابر کے مجازِ بیعت بھی ہیں۔اکابر کے علوم خصوصاً تفسیر قرآن سے خصوصی شغف ہے۔مزاج میں سادگی اور دینی فکر کے حامل ہیں۔ہندوستان کے کئی علاقوں میں دعوتی اَسفار بھی فرماتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو تادیر قائم رکھے اور آپ کا فیض عام وتام فرمائے۔آمین!

(۲) **حضرت قاری احمد ضیاء صاحب ازہری الہ آبادیؒ:** آپ صاحبِ خلاصۃ البیان حضرت قاری ضیاءالدین احمد صاحب الہ آبادیؒ کے پوتے ہوتے ہیں۔آپ کی ولادت ۲۰؍نومبر ۱۹۴۵ء کو الہ آباد میں ہوئی۔مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں حفظ کی =

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله وصلى الله على نبيه و مصطفاه. أمابعد!

آج بتاریخ ۹؍جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ بروز چہار شنبہ ''مدرسہ عربیہ فلاح دارین ترکیسر'' میں پہلی مرتبہ حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اساتذہ حضرات، طلبائے عزیز اور اراکین سے ملاقات کر کے بے حد مسرت وخوشی حاصل ہوئی۔ دوسرے دن ''لجنة التجويد والقراء ات'' کی نورانی اور مبارک مجلس میں شرکت کا موقع ملا اور طلبائے تجوید وقراءت سے کلام الٰہی ترتیلاً حدراً تدویراً، عربی لہجوں میں سن کر میری طبیعت باغ باغ ہوگئی، اخیر تک بیٹھے بیٹھے سنتا رہا، ذرا سی تکان کا احساس نہ ہوا اور نہ طبیعت اکتائی، یہ کتاب اللہ کی خصوصیت ہے۔ كما قال الشاطبيؒ :

خير جليس لا يمل حديثه وترداده يزداد فيه تجملا

=تکمیل کی، اس کے بعد تجوید وقراءات سبعہ، عشرہ کی تعلیم اپنے والد ماجد ابن ضیاء حضرت قاری محبّ الدین احمد الہ آبادی نور اللہ مرقدہٗ سے حاصل فرمائی۔ ۱۹۵۹ء میں مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فراغت ہوئی۔ آپ کی ذہانت کا یہ حال تھا کہ صرف ۱۴؍سال کی عمر میں تعلیم مکمل فرما کر تدریس کے قابل ہوگئے تھے۔ ۱۹۶۱ء میں اپنے والد ماجد کی معیت میں مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ میں تدریسی خدمت کا آغاز فرمایا۔ بعدہٗ مزید تعلیم حاصل کرنے کے ارادے سے ۱۹۶۳ء میں جامع ازہر کا قصد فرمایا اور وہاں الدراسات العلیا کے کلیۃ اللغۃ میں داخلہ لے کر تین سال قیام فرما کر ۱۹۶۶ء میں ہندوستان واپس ہوئے۔ ۱۹۶۷ء سے پھر تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا اور مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ، مرکزی دار القراءت، دار العلوم وارثیہ لکھنؤ، دار العلوم اشرفیہ وغیرہ متعدد اداروں میں تدریس فرمائی۔ ایک طویل مدت تک آپ نے تجوید وقراءت کی خدمت انجام دی۔ ''جامع القراءات، ضیاء الترتیل، معرفۃ القراءات، ضیاء الارشاد فی تحقیق الضاد اور التعارف فی اجراء سبعۃ احرف'' وغیرہ متعدد کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ ۳۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۴؍اگست ۲۰۰۱ء بروز منگل آپ نے انتقال فرمایا اور لکھنؤ میں مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور آپ کے مدارج کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین!

اس شعبۂ تجوید وقراءت میں چار قرا حضرات کام کررہے ہیں جس کے صدر محترم الحاج القاری صدیق صاحب مدظلہ ہیں، جونہایت مخلص اور محنتی آدمی ہیں اور ”شابٌّ سنًّا وشیخٌ علمًا وفنًا“ کے مصداق ہیں اوراپنے شیخ اور میرے دوست المقری انیس احمد خان صاحب نوراللہ مرقدہٗ فیض آبادی کے صحیح جانشین اور قائم مقام ہیں۔

اللہ پاک اس مدرسہ کے تمام شعبوں کو بالخصوص شعبۂ تجوید وقراءت کو دن دونی رات چوگنی ترقیات سے نوازے اور اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مزید خدمت قرآن کریم کی توفیق عطافرمائے اوراس مدرسہ کو جملہ شرور وفتن سے مصون ومحفوظ فرمائے اور دینی اور دنیوی ترقیات سے نوازے۔آمین ثم آمین!

فقط والسلام خیرختام

الداعی بصمیم قلب والمستدعی محمداسماعیل غفرلہٗ(۱)

مدرس تجوید وقراءات سبعۂ عشرہ/ مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور (یوپی)

---

(۱) حضرت قاری محمداسماعیل صاحب روہتاسی ثم جون پوری: صوبۂ بنگال کے ضلع ۲۴؍پرگنہ کے مشہور شہر کانکی نارہ میں ۱۹۳۹ء میں پیداہوئے۔ابتدائی تعلیم ناظرہ کانکی نارہ اور روہتاس کے مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔۱۳؍برس کی عمر میں قاضی عبدالغفورصاحب بلیاویؒ سے حفظ کی تکمیل کی، بعدہٗ آپ ہی سے فارسی وعربی کی ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل فرماکر مدرسہ معین الغربا ناصری گنج ضلع روہتاس، جامعہ فاروقیہ بنارس اور جامعہ اسلامیہ بنارس میں عربی کی دیگر کتب کی تعلیم حاصل فرمائی۔اس دوران الہ آباد بورڈ سے مولوی کے امتحان کوفرسٹ ڈویژن اور عالم کا امتحان سیکنڈ ڈویژن سے پاس کیا۔نیز جامعہ اسلامیہ مدن پورہ سے علی گڑھ کے امتحانِ ادیب میں شرکت فرماکر کامیابی حاصل فرمائی۔جامعہ اسلامیہ ہی میں حضرت قاری عبداللہ سلیم صاحب دیوبندی سے قراءتِ حفص کی تکمیل کی اور جمال القرآن وفوائدمکیہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔بعدہٗ مظاہرعلوم سہارن پور میں دوسال قیام فرماکر مشکاۃ اور دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔۱۹۶۴ء میں =

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لوليه والصلاة والسلام على نبيه. أما بعد!

آج بتاریخ ۹؍ جمادی الثانیہ بروز چہار شنبہ کو''مدرسہ عربیہ فلاح دارین ترکیسر'' میں ''لجنۃ القراءۃ والتجوید'' کے مسابقہ کے پروگرام میں حاضری کا موقع ملا، طلبا کا قرآن شریف ترتیلاً تدویراً اور حدراً سن کر بے حد مسرت ہوئی اور اندازہ ہوا کہ فنِ تجوید وقراءت پر یہاں کے اساتذہ کافی محنت کرتے ہیں اور رسم الخط کا مکالمہ سننے کے بعد احساس ہوا کہ طلبا کے اندر فنی صلاحیتوں کو کافی حد تک بیدار کیا جاتا ہے، اور یہ دراصل قاری انیس احمد صاحب جگن پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شیوخ کا علمی اور

= آپ نے فراغت حاصل فرمائی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت ناظم صاحبؒ، حضرت مولانا منظور صاحبؒ وغیرہ اجلۂ روزگار علما ہیں۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ امامت وخطابت فرمانے کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں ضلع جون پور میں تجوید وقراءت کی خدمت پر مامور ہوئے۔ یہاں کے قیام کے دوران تجوید وقراءت کی مزید تعلیم حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا؛ چناں چہ مہتمم مدرسہ حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوری نور اللہ مرقدہٗ سے اجازت لے کر دارالعلوم دیوبند پہنچے اور قاری عبداللہ سلیم صاحب سے المقدمۃ الجزریۃ، قاری عتیق صاحب سے تحفۃ الاطفال، خلاصۃ البیان، شاطبیہ، رائیہ اور النشر وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ بعدہٗ مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ میں امامِ فن حضرت قاری محبّ الدین صاحب الہ آبادیؒ سے قراءات ثلاثہ متممہ، عشرہ مع کتب درسیہ کی تکمیل کی۔ اس کے بعد طیبۃ النشر پڑھ کر قراءات عشرہ بہ طریق طیبہ کا اجرا کیا۔ حضرت قاری محبّ الدین صاحبؒ سے ''خلاصۃ البیان'' بھی مکمل پڑھنے کی سعادت حاصل فرمائی۔ آپ تقریباً پچپن سال سے تجوید وقراءات کی گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، اس مدت میں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگرد ملک و بیرونِ ملک میں پھیل چکے ہیں۔ فنِ تجوید و قراءت میں آپ کی مہارت مسلم ہے؛ بل کہ آپ کو فنا فی القراءت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی عمر میں بعافیت برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام اور تام فرمائے۔ آمین! (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حسن المحاضرات: ۳۸۲/۲، علماء مظاهر علوم سهارن فور و إنجازاتهم العلمية و التأليفية: ۲۳۹/۱)

روحانی فیضان ہے، اور اس کے علاوہ عربی درجات میں باصلاحیت اساتذہ بھی مصروف کار ہیں۔ مدرسہ کی عمارت دیدہ زیب ہے اور کتب خانہ بھی الحمدللہ ایک وسیع ہال میں واقع ہے، کتب خانہ میں نادرنادر کتابیں دیکھنے کو ملیں، فنِ قراءت میں بھی کافی کتابیں موجود ہیں جس سے طلبا اور اساتذہ کما حقہ استفادہ کرسکتے ہیں۔

میں دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو روزافزوں ترقیات سے نوازے۔ فقط والسلام انیس الرحمٰن(۱)

خادم التجوید والقراءت/ مدرسہ عربیہ ریاض العلوم گورینی جون پور (یوپی)

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الله أكبر كبيرًا، والحمد لله كثيرًا، و سبحان الله رب العالمين، و لا حول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم. والصلاة والسلام على النبي الأمي. أما بعد!

آج کی دنیا میں رہنے والوں کا محبوب مشغلہ سفر ہے، مگر ان میں کے زائد سفر آخرت کے لیے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ اللہ کا محض فضل واحسان ہے کہ کہیں وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ ایک سفر کے لیے قاری محمد وسیم صاحب نے کہا اور آخر کو میں تیار

---

(۱) **حضرت قاری انیس الرحمٰن صاحب جون پوری:** ۱۹۵۵ء میں پیدا ہوئے، آپ حضرت قاری اسماعیل صاحب گورینی دامت برکاتہم کے خصوصی تلامذہ میں ہیں۔ آپ کی فراغت مدرسہ ریاض العلوم گورینی جون پور سے ہے، اور اسی مدرسے میں اپنے استاذ کے زیرِ سایہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

ہوگیا اور انہیں کے ہمراہ سفر کیا اور سورت پہنچے اور سورت کے ''صوفی باغ'' کے ایک مدرسہ میں بڑے خلیق لوگوں کے ساتھ ان کی میزبانیوں میں رات بیتی اور پھر ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' ترکیسر ضلع سورت کے لیے چلے اور منزل پر پہنچے۔ دارالعلوم کی پُر بہار عمارت، اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار اساتذہ کے پُرنور چہرے نظر آئے اور پھر سارے طلبائے عزیز دینی رنگ میں الحمدللہ رنگے ہوئے۔ اللہ برکت عطا فرمائے۔

یہ سفر نہ ہوتا تو خسارہ ہوتا، ہم نے فلاح دارین کو'' گلستان رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ دیا، اللہ آباد رکھے اور مثالی مدرسہ بنائے۔

''لجنة القراءة والتجوید'' کے تحت بچوں نے سند سبعہ وعشرہ حاصل کی، یہ پُرنور تقریبِ تقریب روحانی دن بھر چلی، جس میں اساتذہ کی محنتیں بچوں کی تلاوت میں جھلک رہی تھی، استاذ الاساتذہ قاری محمد اسماعیل صاحب، قاری احمد ضیا کی شرکت سے تو رونق بڑھی ہی؛ مگر اس پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، جب محترمی قاری محمد وسیم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں تلاوت فرمائی۔

دعا پر اختتام ہوا، مگر ہمارے دلوں میں اس عظیم اور مبارک محفل کی یاد مدتوں باقی رہے گی۔ فقط والسلام

احقر صوفی محمد انعام اللہ(۱)/ ....

---

(۱) **حضرت صوفی محمد انعام اللہ صاحب:** لکھنؤ کے باشندے تھے، اکابرِ تبلیغ میں سے تھے اور لکھنؤ مرکز کے اہم ذمے داروں میں سے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خواص میں تھے۔

..................محمد وسیم خان غفرلہ (۱) ۲۴/۱۰/ اکتوبر ۱۹۹۶ء

☆☆☆☆☆

۷۸۶

حامدًا و مصليًا. أما بعد!

سابقہ سنین کی طرح اس سال بھی دارالعلوم فلاحِ دارین سالانہ امتحان کے سلسلے میں حاضری ہوئی۔ مختلف درجات کے طلبا نے تجوید کا امتحان دیا، بچوں کا قرآن پاک سن کر مسرت ہوئی، اچھی مشق ہے۔

ماشاءاللہ بچوں کو قواعد بھی یاد ہیں، درجۂ قراءاتِ سبعہ کے طلبا نے بھی اجرا کا امتحان دیا، دورانِ امتحان قواعد بھی دریافت کیے گئے، اچھی جماعت ہے، ان پر مزید توجہ فرمائیں۔

مجموعی حیثیت سے تعلیم ماشاءاللہ اطمینان بخش ہے اور درجہ کامیاب ہے۔

اللّٰھم زد فزد!......والسلام

---

(۱) **حضرت قاری محمد وسیم خان بن محمد نصیر خان صاحب لکھنوی مدظلہ:** آپ کی ولادت ۷/ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ہوئی۔ آپ نے روایتِ حفص کی تعلیم قاری الطاف خان صاحب سے، قراءاتِ سبعہ قاری ضمیر الدین صاحب سے اور قراءاتِ عشرہ کی تکمیل حضرت قاری انیس احمد صاحب فیض آبادیؒ سے فرمائی۔ قاری صاحب موصوف ہندوستان کے مایۂ ناز خوش گلو اور دل کش آواز وطرز کے مالک ہیں، مختلف لہجوں پر بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ جب تلاوت فرماتے ہیں تو مجمع ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے۔ الحمدللہ! مادرِ علمی فلاحِ دارین ترکیسر کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر متعدد بار بلکہ خود آپ کے مدرسہ فرقانیہ لکھنو میں آپ کی درس گاہ میں آپ کی دل کش قراءت کو بارہا سننے کا موقع ملا۔ آپ کی شخصیت بڑی پُر کشش، دل آویز اور مرنجاں مرنج ہے۔ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

احمد اللہ غفرلہ (۱)

اشرف علی حسن

محمد حسین راندیری غفرلہ (۲)

۲۱؍رجب ۱۴۱۱ھ – ۷؍۲؍۱۹۹۱ء

---

(۱) حضرت قاری احمد اللہ صاحب بھاگل پوری دامت برکاتہم: ۱۲؍ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ مطابق ۵؍اپریل ۱۹۴۴ء بروز پنج شنبہ بھاگل پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل فرمائی۔ مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں حفظ کی تکمیل فرمائی۔ فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم بھی یہیں ہوئی، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے جاکر مختلف حضرات سے مختلف اوقات میں عربی اور تجوید کی کتابیں پڑھیں، پھر واپس مدرسہ شاہی مرادآباد تشریف لے گئے اور وہاں حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔ مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد میں جناب قاری محمد کمال صاحب افضل گڑھیؒ اور جناب قاری امیر علی صاحبؒ سے تجوید وقراءت کی تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۹۷۴ء سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے شعبۂ تجوید وقراءت کی رونق میں اضافہ فرمارہے ہیں۔ درمیان میں ایک سال کے لیے ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں تدریس فرمائی۔ ماشاءاللہ! اس طویل مدت میں حضرت قاری صاحب موصوف کے تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ملک وبیرون ملک پھیل چکے ہیں اور تجوید وقراءت کی خدمات میں مصروف ہیں۔ مرقات التجوید، فوائد کاملیہ وغیرہ کئی کتابیں آپ نے تصنیف فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین!

(۲) حضرت قاری محمد حسین ابن حافظ احمد صاحب راندیریؒ: آپ کی ولادت ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹۳۷ء میں گجرات کے مشہور قصبہ 'راندیر' میں ہوئی۔ آپ نے ناظرہ، حفظ اور درجۂ عربی چہارم تک کی تعلیم جامعہ حسینیہ راندیر میں حاصل فرمائی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور پانچ سال زیرِ تعلیم رہے، ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم سے فراغت ہوئی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت قاری موصلی عراقیؒ، قاری ریاست علی صاحب لکھنویؒ، قاری فخر الحسن صاحبؒ، قاری محمد نعمان صاحب بن علامہ ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور شیخ القرا حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ وغیرہ ہیں۔ آپ فراغت کے بعد نڑیاڈ اور صوفی باغ سورت میں ایک طویل عرصہ خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۶۹ء میں جامعہ حسینیہ راندیر تشریف لائے، جہاں آپ نے ایک طویل عرصے تک تجوید وقراءت کی خدمت انجام دی۔ آپ نہایت ٹھوس صلاحیت کے مالک تھے، جس پر آپ کی گراں قدر تالیف "الضوء الساطع في قراءة الإمام نافع" منہ بولتا ثبوت ہے۔ افسوس! حضرت قاری صاحبؒ ۲۰۱۸ء میں انتقال فرماگئے۔ رحمه الله رحمةً واسعةً!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لولیه، والصلاة علی نبیه. أما بعد!

عرصۂ دراز سے واردین وصادرین کے ذریعے گلشن علمی مدرسہ دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر کی خوشبو ملتی رہتی تھی، خواہش تھی کہ حاضری ہو اور براہِ راست مشام روح وقلب معطر ہوں۔

الحمد للہ! حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتہم مہتمم مدرسہ ہذا کی دعوت پر آج یہ دیرینہ تمنا پوری ہوئی۔ طلبۂ تجوید وقراءت کی فعال انجمن ”لجنۃ القراءۃ والتجوید“ کے جلسۂ مسابقت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، طلبہ سے سننے اور بیش از بیش استفادے کے مواقع حاصل ہوئے۔

صدرِ شعبہ جناب مولانا المقری انیس احمد صاحب مدظلہ العالی کی زیرِ نگرانی یہ شعبہ ماشاء اللہ ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کررہا ہے۔ اساتذہ کی محنت اور توجہ، اور طلبہ کا ذوق وشوق قابلِ تقلید ہے۔

قابل اور باصلاحیت اساتذہ اور محنتی طلبہ ہی دراصل کسی درس گاہ کی خوبی کی ضمانت ہوتے ہیں۔ الحمد للہ! مدرسہ ہذا ان خوبیوں اور خصوصیتوں کا حامل ہے۔

اللہ تعالیٰ اس گلشن علمی کی حفاظت فرمائے اور بیش از بیش ترقیات سے نوازے۔ آمین!

ابوالحسن اعظمی (۱)/ خادم شعبۂ تجوید وقراءت دارالعلوم دیوبند

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ - ۱۲/۲/۱۹۸۵ء

(۱) حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم: جگدیش پور ضلع اعظم گڑھ کے باشندے ہیں۔ ۱۳۶۰ھ میں =

آج میرے لیے انتہائی مسرت اور شادمانی کا موقع ہے کہ دارالعلوم فلاحِ دارین کے سالانہ مسابقۂ قراءت میں حاضری کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، ہمراہ محترمی جناب المقری الحاج محمد وسیم خان صاحب استاذ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ ہیں۔

سالہا سال سے اشتیاقِ حاضری روز افزوں تھا، اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ جو سنا تھا اس سے مضیف پایا، ادارہ کیا ہے ایک اسلامی قلعہ، ایک جانب تعمیری کشش تو دوسری جانب چمن وگلستاں کا ایک سلسلہ، ہر وقت شاداب درختوں کا سایہ اس میں مزید حسن پیدا کر رہا ہے۔

منتظمین و اساتذہ اخلاق وحسن کردار کے پیکر مجسم، طلبہ میں اطاعت و خدمت کا جذبہ دل کو مسرور کر رہا ہے۔ خرد و کلاں میں ادب واحترام، شفقت ومحبت

= ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم آپ نے وطن میں حاصل فرما کر فارسی وعربی کی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ میں حاصل فرمائی، پھر دو سال دارالعلوم مئوناتھ بھنجن میں ہدایہ تک تعلیم حاصل فرمائی، اسی دوران حضرت قاری المقری محمد مصطفیٰ صاحبؒ سے تجوید وقراءت کی سند حاصل فرمائی۔ بعدۂ حالات نامساعد ہونے کے سبب تعلیم منقطع فرما کر اعظم گڑھ، فیض آباد، مبارک پور، جون پور وغیرہ مختلف اداروں میں تدریس فرمائی۔ اس کے بعد دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۹۵ھ میں داخلہ لے کر ۱۳۹۷ھ میں فراغت حاصل فرمائی۔ یہاں حضرت قاری المقری عبداللہ سلیم صاحب سے ''طیبۃ النشر'' کا سبق لیا۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مدرسہ اصغریہ دیوبند اور جامعہ شاہی مراد آباد میں کچھ مدت تدریس فرمانے کے بعد ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے متعلق ہوئے اور کئی دہائیوں تک تدریس فرماتے رہے، یہاں تک کہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ القرا کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت قاری صاحب موصوف نہایت پختہ صلاحیت کے حامل ہیں، فن کے تئیں عشق ومحبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم میں بڑی برکت عطا فرمائی ہے؛ چناں چہ اس فنِ شریف پر تقریباً ۱۲۰ر کتابیں آپ کے قلم سے نکل کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو چکی ہیں۔ حضرت قاری صاحب کو ''رابطہ عالم اسلامی'' کی رکنیت کا شرف بھی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو دوام بخشے۔ آمین!

اور ہر موقع ومحل میں سلیقہ مندی کا مظاہرہ دل کو باغ باغ کررہا ہے۔ مقابلۂ قراءت کے مشاہدہ سے دلی تاثر ہے کہ حضراتِ اساتذۂ کرام نے نہایت جفاکشی، محنت ولگن اور علمی دھن کے ساتھ طلبہ کو تیار کیا ہے۔ ممتحن کے سوالات کا بے تکلف جواب عندیِ معیار کا غماز ہے۔

دل سے دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ منتظمین واساتذہ کی عمروں کو دراز فرمائے اور ادارے کو ہر طرح کی مصائب وبلایا سے محفوظ رکھے، خصوصاً شعبۂ قراءت کے روح رواں محترمی جناب مولانا قاری صدیق احمد صاحب سانسرودی(۱) اوران کے دیگر رفقائے کار کی خدمات کو اپنی مرضیات کا سبب بنا کر شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ والسلام محمد ریاض المظاہری(۲)

خادم التجوید والقراءت سبعہ عشرہ/ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

۶؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

محمد وسیم خان صاحب

۶؍رجب المرجب ۱۴۲۲ھ

---

(۱) حضرت الاستاذ کا اسم گرامی قاری محمد صدیق ہے نہ کہ صدیق احمد۔

(۲) **حضرت قاری محمد ریاض صاحب زید مجدہٗ:** آپ کی ولادت ۸؍اگست ۱۹۶۸ء کو ہوئی، آپ نے ابتدا سے لے کر موقوف علیہ تک کی تعلیم جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ میں حاصل فرمائی، اس کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لے کر فراغت حاصل کی۔ جامعہ ہتھورہ میں قیام کے دوران جناب قاری ومقری مظہر علی فاروقی صاحب سے قراءاتِ حفص، سبعہ، ثلاثہ اور عشرہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد ندوۃ العلما لکھنؤ کے شعبۂ تجوید وقراءت سے متعلق ہیں اور ایک طویل عرصے سے تجوید وقراءت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عمر میں بعافیت برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عموم بخشے۔ آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه و صلى اللّٰه، على نبيه ومصطفاه. أما بعد!

مدرسہ دارالعلوم فلاحِ دارین کی ’’لجنۃ التجوید والقراءات‘‘ کے سالانہ جلسہ میں دوسری مرتبہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اس کے پروگرام میں اول سے آخر تک شرکت کا موقعہ ملا، طلبائے عزیز سے قرآن کریم ترتیلاً سن کر طبیعت باغ باغ ہو گئی، بہ قول حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ؎

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں
مست و بے خود بنا دیا کس نے

بصمیم قلب دعا گو ہوں کہ اللہ پاک اس شعبہ کو خصوصاً ترقیات سے نوازیں اور مدرسہ کو ہر قسم کی علمی، عملی، مالی ترقیات سے نوازیں اور جملہ شرور وفتن سے مصون محفوظ فرمائیں۔ اور یہاں کے جملہ اساتذہ حضرات خصوصاً محترم ومکرم مولانا ذوالفقار صاحب مدظلہ اور علامہ القاری والمقری محمد صدیق صاحب مدظلہ کو صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور عمر کو دراز کرے۔ آمین ثم آمین!

حررہ العبد الضعیف

محمد اسماعیل غفرلہ

خادم القرآن مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور (یوپی)

۱۳؍جمادی الآخر ۱۴۲۰ھ بمطابق ۲۴؍ستمبر ۱۹۹۹ء، بوقت شب، ۱۱؍بج کر ۳۵؍منٹ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہندوستان میں اسلام جن راہوں سے پہنچا ان میں ایک راستہ خود گجرات بھی ہے، بھلا یہ کس طرح ممکن تھا کہ قرآن کریم کی حیات افروز صداؤں سے یہ صوبہ محروم رہتا؛ چناں چہ ہم کھلے طور پر دیکھ رہے ہیں کہ قرآن کریم سے متعلق علوم وفنون کا یہ صوبہ عظیم گہوارہ ہے، قرآن کریم کے لب ولہجہ اور اختلاف قراءات کے تحفظ کے سلسلے میں مدرسہ ہٰذا کی زرّیں خدمات ہیں، مدرسہ فلاحِ دارین علم تجوید وقراءت کے سلسلۃ الذہب کی حسین کڑی ہے۔

مدرسہ کی "لجنۃ القراءات" کے پروگرام کو دیکھ سن کر دل کی گہرائیوں سے دعا نکلیں، تجوید وقراءات کے طلبہ نے آج کے تاریک ترین دور میں بڑا حوصلہ بڑھایا، بڑی امیدیں پیدا کیں، نہایت حسین اور مکمل پروگرام میں شرکت کر کے تمام کارکنان خاص طور پر اساتذۂ قراءت اور بالخصوص جناب قاری محمد صدیق صاحب سلمہ ومدظلہ کے لیے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کارکنان کو ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ و مصون فرمائے۔ آمین!

ابوالحسن اعظمی/ ۶؍رجب ۱۴۰۹

رفیقِ محترم حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب زید مجدہم کی نوشتۂ تحریر کی پوری تائید کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ دارالعلوم کے استاذ محترم مولانا قاری صدیق صاحب اور اربابِ انتظام کی اس فن شریف سے دل چسپی قابلِ مبارک باد ہے۔

اللّٰھم زد فزد! احمد اللہ غفرلہ/ ۶؍رجب ۱۴۰۹

ترکیسر ضلع سورت، گجرات(۱)

صوبۂ گجرات کے ضلع سورت میں مانڈوی تحصیل ہے، اسی مانڈوی تحصیل میں ترکیسر نامی قصبہ ہے، دس بارہ ہزار کی ملی جلی آبادی ہے، شہر سورت سے ۳۷ر کلو میٹر اور بھروچ سے ۴۷ر کلو میٹر دور ہے۔ اس کا قریبی ریلوے اسٹیشن پچھّم ریلوے (W.R.) کا کیم (Kim) اسٹیشن ہے؛ مگر تیز رَو گاڑیاں سورت (Surat) ہی ٹھہرتی ہیں۔ نیشنل ہائے وے نمبر ۸ جو بمبئی تا دہلی بڑودہ ہوکر میوات سے گزر کر پالم تک جاتا ہے، یہ روڈ ترکیسر سے ۱۱ر کلو میٹر دور ہے۔

ترکیسر کی آبادی(۲) بہت پرانی ہے، مرأۃ احمدی مصنفہ خان صاحب علی محمد خان بہادر (۱۱۷۶ھ) میں ترکیسر کو ضلع بھروچ کے پرگنوں میں شمار کیا گیا ہے، ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ بستی ضلع بھروچ میں ہو؛ مگر اس وقت تو یہ ضلع سورت میں ہے۔(۳)

---

(۱) زیرِ نظر مضمون محترم جناب عبدالحی فاروقی صاحب، جامعہ ہمدرد دہلی کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔

(۲) شاید صاحبِ مرآتِ احمدی کو تشابہ ہوا ہے، یا پھر کوئی اور بستی ترکیسر نام سے اس زمانے میں رہی ہو، اس لیے کہ خان صاحب موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ بستی راج پپلا کے قریب ہے اور پہاڑی علاقہ ہے، حالاں کہ موجودہ ترکیسر راج پپلا کے قریب ہے اور نہ ہی پہاڑی علاقہ ہے۔ (اسماعیل کوثر غفرلہٗ)

(۳) دیکھیے تاریخ اولیائے گجرات، ترجمہ مرأۃ احمدی: ص ۲۲۵، از پروفیسر ابوظفر ندویؒ

صاحبِ مرأۃ احمدی کی ایک بات اور بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے اس بستی کو ''نربدا'' کے کنارے بتایا ہے؛ حالاں کہ یہ دریائے تاپتی سے (بہ نسبت نربدا) زیادہ قریب ہے۔

(۲) ترکیسر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ اس کا قدیم نام ''بھیم نگر'' تھا، ترک فوجیوں نے اس کو فتح کیا اس لیے ''تُرک سر'' ہو گیا جو اب ''ترکیسر'' بولا جاتا ہے۔(۱)

راقم الحروف کو اس وجہ تسمیہ سے شرح صدر نہیں ہے اس لیے کہ گجراتی اور انگریزی میں اس کو تڈکیشور (Tadkeshwar) لکھا جاتا ہے اور اس طرح کے کئی قصبے اس طرف موجود ہیں: انکلیشور، جھاڈیشور، ناریشور وغیرہ۔

البتہ یہ بات یقینی ہے کہ یہاں مسلم فوجوں کی آمد ہوئی تھی اور شدید جنگ کے بعد اس کو فتح کیا گیا تھا۔ ہمارے دارالعلوم کے انگریزی کے استاذ ماسٹر موسیٰ ڈیسائیؒ (بی-اے، علیگ) کے خاندان میں فارسی تحریر تھی جو ان کے چچا کے ساتھ کراچی چلی گئی، اس میں یہ ملتا ہے کہ اُلغ خان کے سپہ سالار امیر عبداللہ کی قیادت میں مسلمانوں کی فوج آئی تھی، دارالعلوم کے باہر شہیدوں کی قبریں موجود ہیں، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ الغ خان نے ۶۹۷ھ میں گجرات فتح کیا تھا۔ بہر حال یقینی طور پر جو بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ دسویں صدی ہجری کے اوائل میں یہاں مسلمان کافی آباد ہو

(۱) مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے یہاں کے صاحبِ کرامات بزرگ حضرت موسیٰ جی مہترؒ کی سوانح حیات ''کراماتِ موسویہ'' میں اُسے ذکر کیا ہے۔ (کراماتِ موسویہ: ص ۱۸)

چکے تھے، اس کا تاریخی ثبوت ترکیسر کی جامع مسجد کے دو عربی کتبات ہیں جن میں اس مسجد کو ۹۱۹ھ میں تعمیر کرنے کا ذکر ہے، پھر اس کی توسیع ۹۳۶ھ میں ہوئی ہے۔

ڈاکٹر ضیا الدین ڈیسائی نے دونوں کتبات کا فوٹو لے کر اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے جو اس مضمون کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، اس سے اس آبادی میں مسلمانوں کا پانچ سو سال سے موجود ہونا قطعی بات ہے۔

یہاں حضرت نظام الدینؒ تشریف لائے، جو نقش بندی، مجددی سلسلہ کے بزرگ تھے، ان ہی کے دست حق پرست پر حضرت موسیٰ جیؒ بیعت ہوئے اور اجازت حاصل فرمائی۔ اِن بزرگوں کی برکت سے اس قصبہ میں مسلمانوں میں دینی حمیت اور اسلامی تعلیمات سے لگاؤ دوسری جگہوں کی نسبت بہت زیادہ رہا ہے، آج سیکڑوں دینی مدارس کے فضلا اور تقریباً پانچ سو (۵۰۰) حفاظ موجود ہیں۔

یہاں کے دینی حمیت والے لوگوں نے ۵۰؍سال پہلے گجراتی زبان میں ''التبلیغ'' نامی ماہنامہ جاری کیا، جس میں عموماً حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ اور دیگر علمائے حق کے اقوال گجراتی زبان میں شائع ہوتے تھے، گجراتی میں اس رسالہ کے سبب بہت فائدہ پہنچا۔

بنیادی تعلیم کے لیے ۱۹۳۰ء میں مکتب قائم ہوا جو اپنی بہترین تعلیم کے اعتبار سے ام المکاتب کہا جانے لگا، پھر آہستہ آہستہ ترقی کر کے ۱۹۶۴ء میں یہاں علوم عربیہ اسلامیہ کی معروف درس گاہ ''دارالعلوم فلاح دارین'' کی تاسیس ہوئی اور الحمد للہ! ۲۹؍سال کی اس قلیل مدت میں اس کے فضلا ہند و بیرونِ ہند میں بہترین دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دارالعلوم کے تعارف کے لیے ایک پمفلٹ انگریزی اور عربی کا اس کے ساتھ ارسال کر رہا ہوں۔

ترکیسر میں جناب موسیٰ بَنا صاحب(۱) نامی ایک شاعر گزرے ہیں، انہوں نے مکتب کی تعمیر ۱۳۴۹ھ کے وقت جو اشعار کہے تھے وہ بھی ارسال کر رہا ہوں۔(۲)

---

(۱) **جناب موسیٰ بَنا صاحبؒ**: آپ کی ولادت علی اختلاف الاقوال ۱۹۰۱ء یا ۱۹۰۷ء میں بہ مقام ترکیسر ہوئی۔ آپ اردو، گجراتی کے بہترین شاعر تھے۔ اسی طرح گجراتی صحافت میں بھی آپ نے اچھی خدمت انجام دی ہے۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک آپ نے ''وھرہ سماچار'' کے مدیر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ تعلیم کے سلسلے میں خصوصی دل چسپی تھی اور اس سلسلے میں افریقہ کا سفر فرما کر قوم کو تعلیم کے سلسلے میں آگے بڑھانے کے لیے کوشش اور مساعیٔ جمیلہ پیش فرمائی تھیں۔ آپ کے اشعار اور غزلوں میں عشقِ حقیقی اور قرآن مجید کی آیات کو پیش کرنے کا سلیقہ خاص طور پر قابلِ داد ہے۔ بہ قول مست منگیر اصاحب آپ کی غزلوں میں جہاں بہترین الفاظ کا انتخاب ہوتا وہیں جذبات کی گہرائی اور فکر کی بلندی بھی نظر آتی تھی۔ افسوس ہے کہ ترکیسر کے اس بلند پایہ شاعر کے سلسلے میں مزید معلومات نہ مل سکیں۔

(۲)

بہ فیضِ حبیب و بہ فضلِ الٰہ	۱	مکمل ہوئی آج یہ درس گاہ
بنائے خدا اس کو دارالعلوم	۲	یہ حاصل کرے شہرت وعز و جاہ
کلامِ خدا کی تلاوت ہو یاں	۳	احادیث کا دور ہو اس جگہ
خدا بانیوں کو ہدایت دے نیک	۴	وہ رکھتے رہیں اُس پہ ہر دم نگاہ
بنا کو ہوئی فکرِ سالِ بنا	۵	کہا حافظِ مدرسہ ہے الٰہ

۱۳۵۹

ایک سو سالہ قدیم درس گاہ
جامعہ حقانیہ کٹھور کا ماضی وحال

کاوش بہ زبان گجراتی

مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نور اللہ مرقدہٗ

سابق رئیس دار العلوم فلاح دارین ترکیسر

اردو ترجمہ

احقر اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی کوساڑی عفا اللہ عنہ

خادم حدیث وتفسیر ومعتمد تعلیم دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

۱۴۰۸ھ میں جامعہ اسلامیہ حقانیہ کٹھور کی نشأۃ ثانیہ کے وقت حضرت مفکرِ ملت ؒ نے یہ استقبالیہ کلمات پیش فرمائے تھے جو بعد میں جامعہ حقانیہ کی طرف سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے۔ اب گجراتی زبان سے اردو میں منتقل کرکے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے پانچ سال بعد ہی سرزمین گجرات پر ۱۵ھ میں حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قدم پڑ چکے تھے، بالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں سرزمین گجرات ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ ایک اللہ پر ایمان رکھنے والی مقدس جماعت (یعنی صحابۂ کرام) کے قدوم نے سب سے پہلے گجرات کی سرزمین کو مشرف کیا اور یہاں کے جنگلات، پہاڑوں اور میدانوں میں اللہ اکبر کی دل نواز صدائیں بلند ہوئیں۔

اس کے بعد حضرات تابعین رحمہم اللہ کی آمد کا سلسلہ وقتاً فوقتاً جاری رہا، خصوصاً عباسی خلیفہ المہدی نے ۱۵۹ھ میں جو لشکر روانہ کیا اس کے ساتھ مطوعین (رضا کاروں) کی بھی ایک بڑی جماعت تھی۔ جس میں حضرت ابوبکر ربیع بن صبیح بصریؒ بھی شامل تھے۔ جن کے بارے میں عظیم اسلامی مؤرخ فاضل چلپی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''کشف الظنون'' میں لکھا ہے کہ: فن حدیث شریف میں کتاب

لکھنے والے وہ سب سے پہلے آدمی ہیں۔ یہ لشکر ۱۶۰ھ میں بھروچ کے قریب دریائے ''نرمدا'' کے کنارے واقع ''باربد'' مقام پر پہنچی اور اپنی فتح کے پرچم لہرائے۔ اتفاق سے وہاں وبا پھوٹ پڑی، جس میں شہید ہونے والوں میں حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے؛ چناں چہ وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ سرزمین گجرات کو حاصل ہونے والا یہ دوسرا شرف ہے کہ اس کی کوکھ میں ایک ایسا عظیم مصنف سو رہا ہے جس نے فن حدیث میں سب سے پہلی کتاب لکھی۔ ایسی مبارک شخصیات کے قدوم میمون سے گجرات کی زمین علم وایمان کے نور سے روشن ہو اٹھی؛ جبکہ ہندوستان کے دیگر علاقے ابھی جہالت اور کفر کے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

پہلی صدی ہجری میں کھمبات ضلع کھیڑا اور گندھار ضلع بھروچ میں مسجدیں تعمیر ہو چکی تھیں، جس میں عبادت کے ساتھ تعلیم دین کا کام بھی جاری تھا۔ بھروچ شہر میں ۴۳۰ھ میں مسجد اور مدرسہ کی سنگ بنیاد پڑی جو آج بھی قائم ہیں۔ حاصل یہ کہ علم وایمان کے نشر واشاعت کا مقدس کام گجرات کی سرزمین پر آغاز اسلام ہی سے جاری تھا؛ لیکن حقیقی معنوں میں علم کا آفتاب گجرات کی سرزمین پر جب طلوع ہوا اور اس کی روشنی سے عالم اسلام کا بڑا حصہ منور ہوا وہ سلاطین گجرات یعنی مظفر شاہ کی اولاد کا زمانہ تھا جو صحیح معنوں میں اس شرف کے حقدار بھی تھے۔ اس زمانہ میں گجرات میں از شمال تا جنوب علم کی جو روشنی پھیلی اور وقت کے عبقری علما نے سرزمین گجرات پر تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ علوم کی درس گاہیں کھولیں ان کی نظیر نہ صرف اُس زمانہ میں؛ بل کہ بعد کے دور میں بھی ملنی مشکل ہے۔

نامور محدثین، مصنفین، فقہا اور مشائخ طریقت، غرض ہر فن کے ماہر علما سے گجرات کی سرزمین آباد تھی۔ اور جیسے پیاسہ خود کنویں پر پہنچ جاتا ہے تشنگان علم عالم اسلام کے کونہ کونہ سے یہاں آ کر اپنی تشنہ لبی دور کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لیے حضرت مولانا سید عبد الحی حسنیؒ کی دل چسپ کتاب ''یادِ ایام'' ملاحظہ فرمائیں، جس کا گجراتی ترجمہ حضرت عبد القادر فاتی والا صاحب کے مشاق قلم سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔

علمی درس گاہوں کی ویرانی:

نویں صدی ہجری سے گیارہویں صدی ہجری تک گجرات کے علمی گلشن خوب سرسبز وشاداب رہے؛ لیکن اس کے بعد موسم خزاں کی آمد شروع ہوئی، جس کے پیچھے مرہٹہ گردی کو بڑا دخل ہے۔ پھر اس کے بعد انگریزوں کے تسلط نے نہ صرف اس میں اضافہ کیا؛ بل کہ اسے آخری انجام تک پہنچا کر رکھا۔ اور آخر میں وہ دن بھی دیکھنے پڑے کہ احمد آباد اور سورت جیسے بڑے شہروں میں دو، چار علما بھی مشکل سے دکھائی دیتے۔ اس کے باوصف متفرق جگہوں پر علمی شمعیں فروزاں ہو کر اسلاف کی امانت اخلاف تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کرتی رہیں۔

عظیم بزرگ حضرت مولانا عبد الحق ہزارویؒ کی کٹھور میں تشریف آوری:

ایک ایسی ہی علمی مشعل سورت شہر کے اتر میں دریائے تاپتی کے کنارے نیشنل ہائی وے سے مغرب میں واقع قصبہ ''کٹھور'' میں نور افشانی کر رہی تھی۔ کٹھور ایک مشہور قصبہ ہے جس کی آبادی مخلوط ہے؛ لیکن مسلمان بالخصوص سنی وہوروں کی

معقول آبادی ہے۔ سالہا سال سے یہاں کے باشندے بیرونی ممالک میں تجارت کی غرض سے مقیم ہیں؛ لیکن اپنے وطن میں جاری علمی، دینی، سماجی اور معاشی کارکردگیوں کے ساتھ جڑے رہتے ہیں۔ یہاں کے اکابر ہمیشہ سے علم دوست، قدردان اور حوصلہ افزا رہے ہیں۔ اس قصبہ پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فضل خاص یہ ہوا کہ اپنے ایک محبوب بندہ کو- جو علم ظاہری کے ہتھیار سے مسلح ہونے کے ساتھ ساتھ عمل صالح اور تقوی و پرہیزگاری سے بھی آراستہ تھا، جن کا نام مولانا عبدالحق تھا اور وہ صوبہ سرحد ضلع ہزارہ کے رہنے والے تھے- قصبہ کٹھور میں بھیج دیا۔ آپ کی آمد سے اس قصبہ کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ ۱۷/ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کے مبارک دن کٹھور تشریف لاکر یہاں کی پرب مسجد میں قیام فرمایا۔ اور رفتہ رفتہ اہل قصبہ آپ کے علم اور تقوی سے متاثر ہونے لگے۔

حضرت مولانا عبدالحقؒ کے انفاس قدسیہ کی برکت حاصل کرنے والوں میں ایک شخصیت جناب سیٹھ محمد یوسف بھانا بھائی کی تھی، جن کو اللہ تعالیٰ نے مال کی بیش بہا نعمت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ایک خلوص بھرا دل بھی دیا تھا جس میں علم دوستی اور علما نوازی جیسی اخلاقی قدریں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ معاشرے میں ان کی وجاہت کی وجہ سے لوگوں پر خاص اثر تھا۔ کٹھور کے ایک باشندہ جناب حافظ ولی اللہ صاحبؒ کی معرفت ان کو حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے شناسائی ہوئی، پھر تو انھوں نے روزانہ حضرت مولانا کی مجلس میں حاضر ہوکر علم اور دین کے تذکروں سے اپنے دل کو سکون بخشنے کا معمول بنالیا۔

کٹھور میں ایک دینی درس گاہ کی سنگ بنیاد:

ایک دن مجلس میں حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے موقع دیکھ کر لوگوں کے سامنے علم دین کی اہمیت اور اس کے نشر واشاعت پر گفتگو فرمائی۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایک مدرسہ کی سنگ بنیاد کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ مدرسہ کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین وقت قریب آچکا تھا اور قصبہ کٹھور کی قسمت کروٹ لینے جا رہی تھے اس لیے حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے ان مبارک خیالات کو جناب محمد یوسف بھانا سیٹھ نے قبول فرما کر اس کو عملی شکل دینے کے لیے عزم بالجزم فرمالیا۔ اور اس طرح ہماری یہ سوسالہ قدیم درس گاہ یکم ربیع الاول ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۵/اکتوبر ۱۸۸۹ء بروز جمعہ ''مدرسہ انجمن اسلام'' کے نام سے وجود میں آئی۔ اِس وقت گجرات میں جو مدارس نظر آرہے ہیں وہ اُس زمانہ میں نہیں تھے اس لیے تشنگان علم اپنی تشنہ لبی دور کرنے کے لیے دور دراز علاقوں سے اس علمی درس گاہ کا پروانہ وار رخ کرنے لگے اور مختصر سے عرصہ میں اس نئی نویلی درسگاہ کو ایک دارالعلوم اور جامعہ کی شکل میں تبدیل ہوتے دیر نہ لگی۔

تعلیمی وانتظامی ڈھانچہ:

اس درس گاہ میں بیرونی طلبہ کے لیے قیام وطعام کے ساتھ ساتھ کتابوں اور جیب خرچ کے لیے وظیفے کا بھی انتظام تھا، نیز اردو، فارسی سے لے کر حدیث، فقہ، تفسیر وغیرہ علوم عالیہ کی تعلیم کا بہترین نظام تھا۔ مدرسین بھی بہت ہی مخلص، جفاکش، اپنے فن کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے تھے۔ اس درس گاہ کے پرانے ریکارڈ دیکھنے سے

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالحق صاحب کے زمانے میں اوران کے بعد جن علما اور مشائخ نے یہاں تدریسی خدمات انجام دی ہیں ان میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ، مولانا عبدالجبار صاحبؒ پنجابی، مولانا مبین الحق صاحبؒ اور مولانا احمد واحد صاحبؒ سرفہرست ہیں۔

مدرسین کی توجہ اور جدو جہد معلوم کرنے کے لیے صرف یہی بات کافی ہے کہ اس وقت کے مشہور علما جو اس درس گاہ میں امتحان کے لیے تشریف لاتے تھے انہوں نے تعلیم کی دل کھول کر تعریف فرمائی ہے اور اپنے دلی اطمنان کا اظہار فرمایا ہے۔ اس درس گاہ میں سالانہ امتحان میں ممتحن کی حیثیت سے راندیر کے مشہور عالم، بانی جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا قاری اسماعیل صاحبؒ(۱)،

---

(۱) حضرت مولانا قاری اسماعیل صاحب راندیریؒ: راندیر ضلع سورت کے مشہور عالم تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم راندیر میں ہوئی، پھر بھوپال کا سفر فرما کر مشہور محدث شیخ حسین بن محسن انصاری یمنیؒ کی خدمت میں رہ کر حدیث شریف اور دیگر اساتذہ سے فنونِ متداولہ کی تعلیم حاصل فرمائی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد اپنے وطن واپس لوٹے اور دارالعلوم اشرفیہ راندیر وَ مدرسہ محمدیہ میں تدریس کا آغاز فرمایا۔ طبیعت میں تقویٰ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، اس لیے مدرسے کی تنخواہ پر شرح صدر نہ ہوسکا؛ چناں چہ فی سبیل اللہ چُنارواڑ مسجد میں امامت وخطابت شروع فرمائی اور اپنے دولت کدہ ہی پر تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔ بڑے حق گو آدمی تھے، حق کے سلسلے میں کسی کی پرواہ نہیں فرماتے تھے۔ نہایت تقویٰ شعار اور للّٰہیت کے حامل تھے۔ شیخ عبدالمعطیؒ خطیبِ مکہ کے شاگرد تھے اور آپ ہی سے تجوید وقراءت کی تحصیل فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لحنِ داؤدی سے نوازا تھا۔ آپ کی قراءت کا شہرہ چہار دانگِ عالم میں پھیلا ہوا تھا، دور دور سے لوگ صرف آپ کی قراءت سننے کے لیے راندیر کا قصد فرماتے تھے۔ غربا پرور تھے، مال داروں کے مقابلے میں مساکین کو ہمیشہ ترجیح دیتے اور اُنہی کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ اکابرِ دیوبند سے بھی خصوصی تعلق تھا۔ آپ کے صاحب زادگان میں حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیریؒ، شیرِ گجرات حضرت مولانا محمد حسین صاحب راندیریؒ قابلِ ذکر ہیں، جن کی خدمات کا دائرہ ملک و بیرون ملک تک وسیع ہے۔ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ بروز پنج شنبہ صرف پچپن سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ =

حضرت مولانا غلام محمد صادق صاحبؒ(۱)، پالن پور سے حضرت مولانا نذیر میاں

= شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے آپ کے انتقالِ پُر ملال پر جو قصیدہ تحریر فرمایا ہے، وہ پیش خدمت ہے:

عالم و حافظ و وجیہ و نبیہ — نیک خُو ، نیک رُو ، فرشتہ شیم
آج دار البقا کو جاتے ہیں — چھوڑ کر سب کو مبتلائے اَلم
غربا کے لیے ہے یومِ عسیر — ہو مبارک اُنہیں نعیمِ اِرم
ہے مساجد میں یاس اور حسرت — اور مدارس میں چھا رہا ہے غم
فقرا کے لیے تھا آبِ بقا — خضر تھا بحرِ اہلِ جود و کرم
آج مسکیں یتیم رہ گئے حیف — اور یتامیٰ ہیں مسکنت پہ توَام
سنتا تھا دور سے صدائے ضعیف — تھا تو حاتم مگر نہیں تھا اَصم
دمِ عیسیٰ و لحنِ داوٗدی — چھپ گئے ہائے زیرِ کتمِ عدم
فکرِ سالِ وصال سے بے سود — ہے ہر اک دل پہ سانحہ یہ رقم
ہاتھ سے ہیں اَجل کے بے سرو پا — فضل و علم و تقیٰ و ورع و کرم

ولہ ایضاً

تقیؒ نقیؒ سمیؒ ذبیحؒ — چوں زیرِ کفن چہرۂ خود نہفت
ز روئے بُکی سالِ اُو ہاتفے — ثمال المساکین قدمات گفت

۱۳۳۰ھ

(۱) حضرت مولانا غلام محمد بن حافظ صادق صاحب راندیریؒ: آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ راندیر میں ہوئی، پھر میرٹھ ٗ کان پور اور دیوبند وغیرہ مقامات پر تعلیم حاصل فرما کر تکمیل فرمائی۔ آپ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے اور اپنے زمانے میں بدعت کے خلاف ننگی تلوار تھے۔ حضرت قاری اسماعیل صاحب راندیریؒ اور حضرت مولانا غلام محمد صادق صاحبؒ کی برکت سے گجرات میں اسلام کے قدم مضبوط ہوئے۔ آپ اور شیرِ گجرات مولانا حسین صاحب راندیریؒ نے ارتداد کے خلاف بہت کام فرمایا ہے۔ آپ نے مشارق الانوار، تحفۃ الہند، مالابدمنہ، بہشتی زیور وغیرہ بیسوں کتابوں کا گجراتی ترجمہ فرما کر لوگوں میں عام کیا اور دینی علوم سے لوگوں کو روشناس کیا۔ ۱۷؍ مارچ ۱۹۱۶ء بروز جمعہ صرف ۵۳؍ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور ''گورِ غریباں'' راندیر میں تدفین عمل میں آئی۔

رحمہ اللہ رحمةً واسعةً و تقبل اللہ حسناته. آمین!

صاحبؒ(۱)، اسی طرح لاجپور سے حضرت مولانا یوسف صاحب دیوان(۲) نواسہ

(۱) **مصلح الامت حضرت مولانا نذیر میاں صاحب پالن پوریؒ:** علاقۂ پالن پور کے عظیم بزرگ گزرے ہیں جن کے ہاتھوں پر پالن پور میں بسنے والی مومن قوم کی اصلاح کا بڑا کام انجام پذیر ہوا ہے، پالن پور شہر میں مدرسہ بھی آپ کی یادگار ہے، آپ کی مفصل سوانح کے لیے 'مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینے میں' اور 'سوانحِ مولانا نذیر میاں پالن پوری' ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) آپ کا نام محمد ہے، یوسف آپ کے والد ماجد کا نام ہے، چوں کہ 'یوسف' آپ کے نام کا جزء لاینفک بن گیا ہے۔ اِس وجہ سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوئے کہ آپ کا نام ہی 'یوسف' ہے۔ حضرت مولانا محمد بن یوسف دیوان صاحبؒ عارف باللہ حضرت شاہ صوفی سلیمان صاحب لاجپوریؒ کے نواسے ہیں، آپ کی ولادت ۱۳۰۲ھ میں ہوئی۔ حضرت صوفی صاحبؒ کی آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے۔ اپنے نانا جان حضرت صوفی صاحبؒ اور ماموں جان حضرت مولانا احمد میاں صاحبؒ سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ آپ نے مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں چھ سال رہ کر میزان سے لے کر شرح تہذیب، نورالانوار، جلالین شریف اور ہدایہ اولین تک کی تعلیم حاصل فرمائی۔ آپ کے رفقائے درس میں حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ، حضرت مولانا احمد حسن بھام صاحب سملکیؒ، حضرت مولانا احمد ابراہیم بزرگ صاحب سملکیؒ، حضرت مولانا احمد درویش صاحب سملکیؒ وغیرہ اکابر ہیں۔ مدرسہ اسلامیہ لاجپور میں تعلیمی انقطاع کے بعد مدرسہ جامع العلوم کان پور میں داخلہ لے کر حضرت مولانا اسحاق صاحبؒ اور دیگر اساتذہ سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ پھر مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی میں داخل ہو کر صحاحِ ستہ و دیگر علوم وفنون کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ یہاں کے اساتذہ میں حضرت قاسم العلوم والخیراتؒ کے شاگردِ رشید حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرب صاحب دہلویؒ سے کسبِ فیض فرمایا۔ پھر مزید تعلیم کے لیے مدرسہ فتح پوری میں داخلہ لیا اور منطق' فلسفہ' ریاضی' عقائد وغیرہ معقولات و منقولات کی کئی کتابیں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ سے پڑھیں۔ اِن حضرات کے علاوہ آپ کو تمام کتبِ حدیث کی اجازت علامہ بدرالدین دمشقیؒ اور شیخ محمد یحیٰ مکتبیؒ امام وخطیب دارالحدیث دمشق شام سے بھی حاصل تھی۔ حدیثِ مسلسل بالاولیہ کی خصوصی اجازت مولانا عبدالعلی صاحب میرٹھیؒ سے حاصل ہوئی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وطن کی طرف مراجعت فرمائی اور مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر جب حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوریؒ نے مدرسہ اسلامیہ لاجپور کو از سرِ نو جاری فرمایا تو آپ ڈابھیل چھوڑ کر لاجپور تشریف لے آئے اور یہاں مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ لاجپور میں کچھ عرصہ گزارنے کے بعد مدرسہ اسلامیہ صوفیہ سورت میں درسِ نظامی کا مکمل انتظام فرما کر اِس مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دی اور متعدد کتب حدیث وتفسیر اور معقولات کی کتابیں پڑھائیں؛ اِسی دوران حضرت صوفی صاحبؒ کی سوانح ''باغِ عارف'' کے نام سے مرتب فرما کر شائع فرمائی۔ آپ کو اپنے نانا جان حضرت صوفی صاحبؒ سے سلسلۂ نقش بندیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ وغیرہ سلاسل میں =

حضرت صوفی صاحبؒ اور حضرت مولانا غلام کبریا صاحبؒ بطور خاص تشریف لاتے۔ ۱۹۱۲،۱۳ء کے رپورٹ میں محرر ہے کہ فارسی وعربی کی تعلیم ہندوستان کے بڑے مدارس کے مانند دی جاتی ہے۔ ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ امتحان میں طلبہ کے صحیح و درست جواب سن کر بہت سی مرتبہ حضرت مولانا غلام محمد صادق صاحبؒ کی زبان سے شاباش وغیرہ حوصلہ افزا کلمات نکلتے۔ سالانہ امتحان کی تکمیل کے بعد سالانہ اجلاس کا انعقاد ہوتا، جس میں علما کے خطابات سے حاضرین فیض یاب ہوتے اور امتحان میں کامیاب ہونے والے طلبہ کے مابین انعامات کی تقسیم عمل میں آتی۔ انعام میں حدیث شریف کی بڑی کتابیں، دیگر دینی کتابیں اور کپڑے دئے جاتے۔ کٹھور کے حاتم دل باشندگان دل کھول کر تقسیم انعام میں تعاون فرماتے اور اس درس گاہ کی ترقی میں عملی طور پر حصہ لیتے۔

کتب خانہ:

اس مدرسہ میں ایک عظیم اور قیمتی کتب خانہ بھی تھا جس میں عربی، فارسی اور اردو زبان میں مختلف فنون کی کتابیں بہت بڑی تعداد میں موجود تھیں، بہت سی نادر اور

= اجازتِ بیعت حاصل تھی، حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے بھی خط کتابت کا تعلق تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تحریر کا بھی ذوق عطا فرمایا تھا، ''باغِ عارف'' کے علاوہ نور الایضاح کا ترجمہ بھی آپ نے فرمایا تھا جو ناقص رہا، بعد میں اس کی تکمیل حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری مدظلہ نے فرمائی۔ فقہ وفتاویٰ میں بھی بڑی مہارت تھی، اس زمانے میں دور دراز سے لوگ آپ کی طرف اِس سلسلے میں رجوع فرماتے تھے، شعر کا بھی صاف ستھرا ذوق پایا تھا۔ ۸/شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۷ء شبِ جمعہ میں تقریباً ۵۴/سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور لاجپور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً!

نایاب کتابیں بھی یہاں پائیں جاتی تھیں۔اس کتب خانہ کو دیکھ کراس کے بلند تعلیمی معیار کا اندازہ ہر انصاف پسند عالم لگا سکتا تھا؛ لیکن بہت ہی درد کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ دینی علم کی طرف عدم توجہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدرسہ کی تنزلی شروع ہوئی، یہاں تک کہ اس کا نام ونشاں تک مٹ گیا، جس سے یہ کتب خانہ تتر بتر ہو گیا اور کتابیں ضیاع کا شکار ہو گئیں اور بہت سی کتابیں بیرون ملک روانہ کر دی گئیں۔

اس مدرسہ کے خوشہ چیں:

اس مدرسہ سے خوشہ چینی کرنے والے صرف گجرات کی حد تک محدود نہ تھے؛ بل کہ بہار، بنگال، پنجاب وغیرہ علاقوں کے طلبہ بھی معقول تعداد میں یہاں موجود رہ کر اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔ گجرات کے جن طلبہ نے اس مدرسہ میں تعلیم حاصل کی اُن میں سے بہت سے وہ خوش قسمت ہیں جنہوں نے علم دین اور دین کی عظیم خدمت کی؛ بل کہ انہوں نے مستقل دینی مدارس کی بنیاد رکھی اور علم دین کی اس امانت کو آنے والی نسل تک پہنچانے کے لیے راستہ ہموار کیا۔ان میں سے کچھ حضرات کے مبارک نام بطور نمونہ پیش کرتا ہوں:

(۱) حضرت مولانا احمد حسن بھام صاحبؒ سملکی بانی مدرسہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، نوساری(۱)

(۲) حضرت مولانا علی محمد کارا صاحبؒ تراجوی بانی مدرسہ مفتاح العلوم تراج، سورت(۲)

---

(۱) آپ کا تذکرہ ''مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۲۵ میں گزر چکا۔

(۲) آپ کا تذکرہ ''مولانا علی محمد تراجویؒ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۳۴ میں گزر چکا۔

(۳) حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ ڈابھیلی مفتیٔ گجرات، نیز مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل۔(۱)

(۴) حضرت مولانا احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ، انہوں نے ممبئی میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی۔

(۵) مولانا حکیم نظام الدین صاحبؒ نوساری میں مطب کرتے تھے۔

(٦) مولانا مبین الحق صاحبؒ آپ کٹھور کے مدرسہ ہی میں مدرس رہے۔

(۷) مولانا محمد میاں صاحب آپ نے دہلی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔

(۸) مولانا ولی اللہ صاحب آپ ناٹال (جنوبی افریقہ) میں ایک مدرسہ کے منتظم تھے۔

(۹) مولانا سید ہاشم صاحب وغیرہ وغیرہ۔

مذکورہ بالا فہرست کو دیکھ کر بہت ہی آسانی کے ساتھ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ کی اخلاص بھری مساعیٔ جمیلہ نے گجرات کو کیسے کیسے علما دیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں مقام بریں نصیب فرمائے۔ آمین!

مدرسہ کے معاونین وبہی خواہ:

اس مدرسہ کے معاونین اور ہمدردوں میں سیٹھ حاجی محمد یوسف بھانا بھائی صاحبؒ سرفہرست تھے، ان کے علاوہ بھی دوسرے حضرات تھے جن میں سیٹھ محمد سلیمان حریف صاحبؒ قابل ذکر ہیں، جو بہت ہی دیندار، شوقین اور مدرسہ کے

---

(۱) آپ کا تذکرہ ''مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۳٦ میں گزر چکا۔

خیر خواہ تھے۔ نیز سیٹھ حاجی میاں احمد موجی وانکڈ صاحبؒ بھی ہیں جو پرب مسجد کے متولی تھے اور مدرسہ کی ضروریات کی خریداری وتکمیل میں اہم حصہ لیتے تھے۔ نیز سیٹھ موسی جی صالح جی صاحبؒ جو تجارت کی غرض سے کلکتہ میں مقیم تھے ان کی طرف سے بھی مدرسہ کی معاشی طور پر کافی امداد ہوتی تھی، اسی طرح حاجی محمد یوسف ٹیمول صاحبؒ نے نہ صرف حضرت کے اہل خانہ کا دل و جان سے خیال رکھا؛ بل کہ اپنی جائداد میں سے ان کو کچھ حصہ بھی دیا۔ ان کے علاوہ بیرون ممالک خاص طور پر موریشش اور جنوبی افریقہ میں بسنے والے خاص کٹھور کے باشندگان کی مدرسہ کے لیے بڑی قربانی اور امداد ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مرحومین کو ان کی مخلصانہ خدمات کے بدلے عظیم جزا عطا فرمائے۔ آمین!

مدرسہ کا زوال اور اسکول میں تبادلہ:

مدرسہ کی بنیاد رکھنے والے پرانے حضرات آہستہ آہستہ انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوتے گئے دوسری طرف مرور زمانہ کے ساتھ لوگوں کے دل و دماغ میں بھی تبدیلی آتی گئی اور دینی تعلیم کے مقابلہ میں دنیوی تعلیم کی طرف رغبت بڑھتی گئی، بالآخر مدرسہ کا انتظام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں گیا جن کے دماغ میں دنیوی تعلیم کی خاص اہمیت تھی، اور اس طرح یہ دینی مرکز آہستہ آہستہ ختم ہوتا گیا اور وہ وقت بھی آیا کہ جس جگہ سے اعلیٰ دینی تعلیم کی روشنی پھیل رہی تھی وہاں بنیادی تعلیم بھی کمزور ہو گئی۔ افسوس صد افسوس!! فاعتبروا یا أولي الأبصار!

قسمت نے پھر کروٹ لی یعنی تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے:

یہ مثل مشہور ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے مقبول بندے حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ کے مبارک ہاتھوں سے بنی اس عمارت کا یوں ایک دم ختم ہو جانا منظور نہ تھا۔ اس کے نزدیک اس کی نشأۃِ ثانیہ کا ایک دن متعین تھا۔ اسی لیے آج جب اس کی بنیاد کو ایک صدی کا عرصہ گزر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے انہی کے ہم نام حضرت مولانا عبدالحق عمر جی صاحبؒ(۱)، نیز دوسرے دین دار حضرات کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس مدرسہ کی نشأۃِ ثانیہ کی جائے۔

محترم حضرت مولانا عبدالحق عمر جی صاحب اصل کٹھور کے باشندے ہیں، فی الحال دربن (جنوبی افریقہ) میں مقیم ہیں اور وہاں کے مشہور عالم دین ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور جمعیت علمائے ناٹال کے صدر ہیں۔ (اُن کے ان عزائم کی تکمیل کے لیے دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے سرپرست اور مشہور عالم دین

---

(۱) **حضرت مولانا عبدالحق صاحب عمر جیؒ:** فاضل دارالعلوم دیوبند، مُجاز حضرت مسیح الامتؒ، بانی جامعہ حقانیہ کٹھور، صدر جمعیۃ علمائے ناٹال جنوبی افریقہ ورکن شوریٰ مدارسِ جنوبی افریقہ۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں جنوبی افریقہ میں ولادت ہوئی۔ آپ کے والد حضرت تھانویؒ کے مرید تھے۔ جامعہ حسینیہ راندیر و دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل فرمائی۔ ۱۹۵۰ء میں آپ نے سندِ فضیلت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کے رفقا میں فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ تھے۔ ۱۹۸۷ء میں جامعہ حقانیہ کٹھور کی نشأۃ ثانیہ فرمائی۔ فراغت کے بعد جنوبی افریقہ میں زبردست خدمات انجام دیں۔ جمعیۃ علمائے افریقہ کی بنیاد ڈالی اور وفاق المدارس کے لیے تحریک فرمائی۔ افریقہ کے تقریباً تمام مدارس کے رکنِ شوریٰ یا صدر رہے۔ افسوس! علم وفضل کا یہ آفتاب ۲۴/ جنوری ۲۰۰۳ء بروز جمعہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، اور اب اپنے وطن کٹھور میں اپنے ہی ہم نام بزرگ جامعہ حقانیہ کے بانیٔ اول حضرت مولانا عبدالحق صاحب ہزارویؒ کے جوار میں آسودۂ خواب ہیں۔ رحمہ اللہ رحمةً واسعةً!

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے مکمل عملی طور پر تعاون حاصل رہا۔ ناشر) اب تھوڑی ہی مدت میں علمائے گجرات سے مشورہ کے بعد ان شاء اللہ جامعہ حقانیہ اسلامیہ کٹھور کے نام سے پھر فارسی اور عربی کے درجات آہستہ آہستہ شروع کرکے آگے ترقی دینے کی انھوں نے نیت فرمائی ہے اور اس کے لیے گجرات کے تین قابلِ فخر اور مشہور اکابر: حضرت مولانا محمد رضا صاحب اجمیری دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر(۱)، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری دامت برکاتہم مفتیٔ گجرات(۲)، نیز حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل(۳) کی خدمت میں سرپرستی قبول کرنے لیے درخواست دی گئی، جسے ان حضرات نے خندہ پیشانی اور وسعت ظرفی کے ساتھ قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو عظیم جزا عطا فرمائے اور ان کی سرپرستی میں یہ ادارہ ترقی کے بام عروج کو پہنچے۔ آمین!

دردمندانہ اپیل:

آخر میں تمام قارئین سے دردمندانہ اپیل ہے کہ اس مدرسہ کی کامیابی اور ترقی کے لیے دل سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے روشن ماضی کی طرح مستقبل میں بھی دین اور علم دین کی عظیم خدمت کے قابل بنائے اور ہر طرح کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!

---

(۱) آپ کا تذکرہ ''برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۸۵ پر گزر چکا۔
(۲) آپ کا تذکرہ ''حضرت مولانا سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ'' کے عنوان سے صفحہ ۲۹۳ پر گزر چکا۔
(۳) اِن کے مفصل احوال کے لیے ''نقوشِ بزرگاں'' ملاحظہ فرمائیں۔

مدارسِ دینیہ کی اہمیت:

عالم اسلام کے عظیم مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ نے کسی زبان اور کسی کتاب کی گارنٹی نہیں دی، صرف قرآن مجید کی حفاظت کی ذمے داری اپنے اوپر لی ہے۔ حفاظت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف کتاب محفوظ رہے، اسے کوئی سمجھنے والا ہو اور نہ سمجھانے والا؛ بل کہ حفاظت لیے سمجھنے والا اور سمجھانے والا بھی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ کتاب الفاظ میں لکھی گئی ہے، لہٰذا زبان بھی ہونا ضروری ہے۔ الفاظ زبان کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، اسی لیے عربی زبان بھی زندہ ہی رہے گی۔ کتنی زبانیں ختم ہوگئیں؛ لیکن شریعت خداوندی کی زبان عربی آج بھی اپنی جگہ بحالہ قائم ہے اور اس کی تعلیم بھی اپنی جگہ محفوظ ہے: لہٰذا ہر علاقے کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق دینی تعلیم کا معقول انتظام کریں۔ ہر جگہ مسائل بتانے والے علما موجود ہونے چاہیے اور ان کا سلسلہ جاری رہے، یہ بھی مسلمانوں کی ذمے داری ہے، اس لیے مدارس کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ یہ کوئی تفریح اور کھیل کود نہیں ہے؛ بل کہ از حد دینی ضرورت ہے۔ میں مکمل ذمے داری سے کہتا ہوں کہ مساجد کے بعد دوسرا درجہ انہیں مدارس کا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ مساجد کی پشت پناہی یہ مدارس ہی کرتے ہیں: اگر مدرسے نہیں ہوں گے تو آپ کو ائمہ کہاں سے ملیں گے؟ اگر ائمہ بھی مل گئے جو پنج وقتہ نمازیں پڑھا دیں گے؛ لیکن جمعہ کے لیے اس سے زیادہ شرائط ہیں، کتنے مسائل ہیں، انہیں جاننے

کے لیے کہاں جائیں گے؟ امام صاحب سے مسائل معلوم کرنے لیے مساجد ہی کا تو رخ کریں گے۔ اگرامام صاحب ہی نہ جانتے ہوں اورانھوں نے فقط چند سورتیں یاد کررکھی ہیں اور نماز پڑھانا سیکھ لیا ہے تو وہ مسئلہ کس طرح بتائیں گے؟ لہذا مدارس حقیقت میں مساجد کے محافظ ہیں اور مسجدوں کے لیے زادراہ کا انتظام کرتے ہیں''۔

علامہ ڈاکٹر اقبال صاحب فرما گئے ہیں کہ:

''ان مکتبوں کو اسی حال میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر برصغیر کے مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے بعد آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا وہاں اسلام کے پیروکاروں اور اسلامی تہذیب وآثار کا کوئی نقش نہیں ملتا''۔

یادداشت